Tahrik-i hurriyat...

تحریکِ حُرّیتِ کشمیر

۱۹۳۱ء تا ۱۹۳۹ء

حصہ اوّل

Rashid Tasir

رشید تاثیر

ناشر: محافظ پبلی کیشنز
مخدوم منڈو سرینگر ۲ کشمیر

باراوّل ۱،۰۰۰
مطبع نمائی پریس سرینگر
قیمت ۱۶ روپے
کتابت غلام رسول

سول ایجنٹس
کپور برادرس تاجرانِ کُتب
لال چوک سرینگر

انتساب

۱۳ر جولائی ۱۹۳۱ء کے شہیدوں کے نام
جنہوں نے
سرینگر سنٹرل جیل کے دروازے پر مطلق العنانیت کو
للکارا
اور تحریکِ حُریّت کشمیر کی بُنیاد ڈالی!

بنا کردند خوش رسمے بخاک و خُون غلطیدن
خُدا رحمت کُند ایں عاشقانِ پاک طینت را



جناب سید میر قاسم

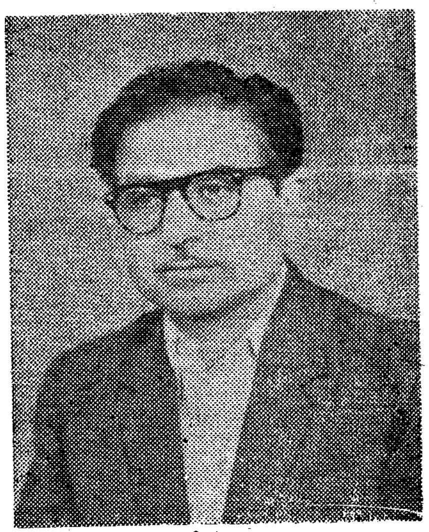
سُنو اے ساکنانِ بزمِ ہستی
ندا کیا آرہی ہے آسمان سے
کہ آزادی کا اِک لمحہ ہے بہتر
غلامی کی حیاتِ جاوِدان سے

——— جوش ملیح آبادی

پیغام

ریاست جموں و کشمیر کے ہر باشندے کے لئے خصوصاً یہ امر باعثِ مسرت ہے کہ وادیٔ کشمیر کے نوجوان صحافی مسٹر رشید تاثیر نے جنگِ آزادیٔ کشمیر کی تاریخ مرتب کرنے کا قابلِ تحسین کام اپنے ہاتھوں میں لے لیا ہے۔ اگرچہ تحریکِ آزادیٔ کشمیر کی داستان ریاست جموں و کشمیر کے چپّہ چپّہ اور ذرّے ذرّے سے عیاں ہے تاہم دستاویزی صورت میں، خاص کر ۱۹۳۱ء سے ۱۹۳۹ء تک بہت کم معلومات فراہم ہوئی ہیں کیونکہ صدیوں کی غلامی اور غیر ذمّہ دار انتظامیہ نے ایسے عزائم رکھنے والے افراد کی ہر دَور اور ہر زمانے میں نہ صرف ہمّت شکنی کی بلکہ اُن کی راہ میں روڑے اٹکا کر سنگین اور مجرمانہ حد تک رُکاوٹیں پیدا کیں۔ آج جب کہ ہم پُوری طرح آزاد فضاؤں میں سانس لے رہے ہیں، وقت کا اہم تقاضا ہے کہ جنگِ آزادی کے تمام پہلوؤں پر ایک مکمّل، جامع اور صحیح تاریخ آیندہ آنے والی نسلوں کے لئے پیش کی جائے!

اس لحاظ سے تاثیر صاحب کے جوان عزائم مُبارک باد کے قابل ہیں کہ انہوں نے اس کٹھن اور مشکل کام کو عمل کی دُنیا میں لانے کا بیڑا اُٹھایا ہے مجھے اُن دشواریوں کا بھی بخوبی احساس ہے جو انہیں اس تاریخ کے



رشید تاثیر

مُرتب کرنے میں حقائق کی فراہمی میں پیش آئی ہوں گی!

فی زمانہ ایک مؤرخ پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ تنگ نظری اور فرقہ وارانہ جذبات سے بالاتر رہ کر حقائق و واقعات کو صحیح اور جائز ڈھنگ سے پیش کرے اور یہ ذمہ داری اُس صورت میں اور بھی شدّت اختیار کرتی ہے جب کہ تاثیر صاحب جیسے غیر جانب دار صحافی تاریخ مُرتب کرنے لگے۔ کیونکہ آزادی سے لکھا ہوا ایک ایک لفظ اپنے اندر بہت دُور رس نتائج کی طاقت کا حامل ہوتا ہے!

مجھے اُمید ہے کہ مسٹر رشید تاثیر تاریخ کشمیر کے جس پُرآشوب دَور کو ترتیب دے رہے ہیں جس سے ریاستی باشندوں کی توقعات اور اُمیدیں پوری ہوں گی بشرطیکہ ماضی کے اُن رِستے ہوئے ناسوروں، بربریت، امن و سلامتی کو ترستی اور بھوک سے کراہتی ہوئی انسانیت کی گُم گشتہ کڑیوں کا انہیں سُراغ مِل جائے جن کی زد میں آکر اہلِ ریاست صدیوں تک چیختے چلاتے رہے۔ اس طرح یہ تاریخ ریاست جموں وکشمیر کی جدّوجہدِ آزادی کی ایک مستند دستاویز کی حیثیت حاصل کرے گی!

میں اس عظیم کارنامے کے لئے تاثیر صاحب کی کامیابی کا دِلی خواہاں ہوں!

سرینگر ۱۵ر جون ۱۹۶۸ء

سیّد میر قاسم

عرضِ حال

"تحریکِ حریتِ کشمیر" کے عنوان سے زیرِ نظر کتاب کشمیر کی سیاسی جنگِ آزادی اُس ابتدائی دَور کا مکمل خاکہ پیش کرنے کے لئے مُرتب کی گئی ہے۔ جب صدیوں کی غلامی کے بعد ریاستی عوام نے محسوس کیا کہ ہمیں بھی دُنیا میں ایک باعزّت قوم کی طرح زندہ رہنے کا حق ہے۔ مگر اس سے بڑھ کر بدبختی کا مقام اور کیا ہوسکتا ہے کہ فی زمانہ ریاست کی کوئی بھی سیاسی جماعت یا لیڈر اس دَور کو اپنانے کے لئے تیار نہیں۔ وہ اس بات سے خوف زدہ ہیں کہ کہیں اس سے اُن کا قوم پرور آگینہ چھلک نہ جائے۔ اس دَور کی شاندار سیاسی جدوجہد کو موجودہ سیاست دان اور سیاسی تنظیمیں عوامی جدوجہد کے سُنہری لفظوں سے یاد تو ضرور کرتے ہیں۔ مگر جس جماعت کے زیرِ سایہ یہ عوامی تحریک پروان چڑھی۔ اس پہ فرقہ پرستی کا لیبل چسپاں کرنے سے یہ ذرّہ بھر نہیں چوکتے۔ یہ حقیقت مُسلّمہ ہے کہ تحریکِ حرّیت کی ابتدا سے ہی ہندوستان بھر کے فرقہ پرستوں نے ڈوگرہ حکمران کے خلاف جو بدقسمتی سے ہندو تھا، اس تحریک کو ریاست میں ہندو راج ختم کرنے کی سازش سے تعبیر کیا۔ حق تو یہ ہے کہ اگر ریاست،

ڈوگرہ حکمران کے بدلے کسی مسلمان نواب کی جاگیر بھی ہوتی تو دُنیا کی کوئی بڑی سے بڑی طاقت بھی اُسے اس عوامی یلغار سے محفوظ نہیں رکھ سکتی تھی!

یوں تو تحریکِ حریتِ کشمیر پر بے شمار کتابیں تصنیف کی گئی ہیں، مگر ۱۹۳۱ء سے ۱۹۳۸ء تک کے دَور کو جو سنگِ بنا کی حیثیت رکھتا ہے تقریباً تمام مؤرخوں نے یا تو تعصب کی بنا پر یا خوف وہراس کی وجہ سے قریب قریب نظر انداز کیا ہے۔ حالاں کہ سیاسیاتِ کشمیر کو سمجھنے اور جاننے کے لئے یہ اشد ضروری ہے کہ اس تحریک کے ابتدائی نقوش اجاگر کئے جائیں!

"تحریکِ حریتِ کشمیر" کے عنوان سے زیرِ نظر مجموعہ میں اسی ابتدائی جدوجہدِ آزادی اور کشمیر کو، جو ایک تند خو حکمران اور آزادی پسند قوم کی انفرادیت اور احیا کے سلسلے میں رُونما ہوئی ہے، وضاحت کے ساتھ قلم بند کیا گیا ہے۔ اس مجموعہ کے مواد کو جمع کرنے میں مجھے کس قدر دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا ہے، اس سلسلے میں صرف اتنا کہنا کافی ہے کہ جن لوگوں سے میں اس بارے میں مِلا، اُنہیں خودستائی کے مرض میں مُبتلا پایا۔ مواد فراہم کرنے کی بجائے وہ مجھے یہ باور کرانے کی کوشش میں اپنا وقت ضائع کرتے رہے کہ اگر ۱۹۳۱ء میں ہم نہ ہوتے، تو کشمیر کی سیاسی زندگی یہ انقلابی شکل اختیار نہ کر پاسکتی۔ مجھے ان بزرگوں کی حالت پر، جو اس قسم کی خود فریبی کے دلدل میں پھنسے ہوئے ہیں، آج بھی رحم آتا ہے! وہ یہ تسلیم کرنے کے لئے بالکل تیار نہیں کہ وقت اور ماحول

ہی تحریکوں کو جنم دیتا ہے اور عوام کو تحریکیں چلانے پر اُکساتا ہے۔ تاریخ عالم شاہد ہے کہ وہی تحریکیں کام یابی اور کامرانی سے ہم کنار ہوئی ہیں۔ جو وقت کے مزاج اور ماحول سے مطابقت رکھتی ہیں اور جو تحریکیں کسی کے اُبھارنے سے اُبھریں، کہیں وہ دیرپا اور بااثر ثابت نہ ہوسکیں غرض جلد ہی میں نے اس زمرہ کے لوگوں سے کنارہ کشی کر کے انفرادی طور پر مواد جمع کرنے کی کوشش شروع کی۔ اور اس میں کس حد تک کامیاب ہوا ہوں، اُس کا فیصلہ میں نے قارئین پر چھوڑا ہے۔

اس موقعہ پر میں اپنے عزیز دوست فدا محمد حسنین اور محمد یوسف ٹینگ کا اگر شکریہ ادا نہ کروں تو احسان فراموشی ہوگی۔ جنہوں نے اپنے زرّیں مسودوں اور مواد کی فراہمی میں میری مدد کی اور میں اتنی ضخیم اور مکمل تاریخ پیش کرنے کے قابل بنا!

میں ریاست کے جوان سال فن کار جی، احمد کا بھی شکر گذار ہوں جنہوں نے عدیم الفرصتی کے باوجود اس کتاب کے لئے ٹائٹل کا ڈیزائن تیار کر کے اس کو زینت بخشی!

مجھے اُمید ہے کہ میری اس ناچیز کاوش کو سیاسیاتِ کشمیر کا مطالعہ کرنے والے حلقوں میں دلچسپی سے پڑھا جائے گا!

مخدوم منڈو، سرینگر
۲۰ر مئی ۱۹۶۸ء

رشید تاثیر

فہرستِ ابواب

تعارف

مسٹر رشید تاثیر ریاست جموں و کشمیر کے اُن چند صحافیوں میں سے ہیں جنہوں نے ریاست میں صحافت کو نکھارنے کے لئے قلیل مدّت میں ایک غیر جانبدار صحافی کی حیثیت میں یادگاری رول ادا کیا اور کر رہے ہیں۔ تاثیر صاحب کی یہ بڑی خوبی ہے کہ نہ وہ دوستوں کی کوتاہیوں پر پردہ ڈالتے ہیں اور نہ ان کی خوبیوں کو چھپاتے ہیں جن کی رائے سے انہیں اختلاف ہو۔ یہی وجہ ہے کہ کچھ کوتاہ اندیش یہ کہتے سُنے گئے ہیں کہ کشمیر پر جتنے بھی خطرات منڈلا رہے ہیں اُن میں رشید تاثیر انتہائی شدید ہے۔ میری نظر میں یہ بات اُن کی بے باکی، جُرأت اور محب وطن ہونے کی دلیل ہے۔

مجھے اُمید ہے کہ ان کی زیرِ نظر تصنیف "تحریک حرّیت کشمیر" کا اسی جذبہ اور سیرت سے مطالعہ کیا جائے گا!

محمد دین بانڈے
نائب وزیر اطلاعات جموں و کشمیر

(۱)

فردوسِ بریں

اگر فردوس بر روئے زمین است
ہمیں است و ہمیں است و ہمیں است

اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و عنایت سے اس خطۂ پاک کو ایسی جاذبیت اور دلکشی عطا فرمائی ہے، کہ جس کی بدولت ہر ایک شخص کو ہمیشہ سے اُس کی سیر کرنے اور اس کے حالات سُننے کا شوق و ذوق رہا ہے۔ اس میں سب لوگ اور سب زمانے شامل ہیں۔ کوئی قوم ایسی نہیں ہوگی کہ جس نے ہندوستان میں کسی قسم کی قدرت یا بزرگی نہ پائی ہو اور اُسے کشمیر دیکھنے اور وہاں کے حالات سُننے کی آرزو نہ ہوئی ہو۔ سکندر ذوالقرنین سب سے پہلے ہندوستان میں یہیں کے راجہ سے ملا تھا۔ حضرت محمد پیغمبر آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دو ایلچی یہاں کے راجہ پنڈت وینادت کے پاس سب سے پہلے اور یہیں بھیجے تھے۔

(مراسلہ کشمیری پنڈتاں ۳۰ رجون ۱۸۷۲ء نیل کشور پریس لکھنؤ)

قطع نظر مندرجہ صدر حوالہ کے ریاست جموں و کشمیر، جس کو ایشیا کا سوئٹزرلینڈ کہا جاتا ہے۔ ہندوستان کی عین شمالی سرحد پر واقع ہے جس کی وجہ سے فوجی اور سیاسی نقطۂ نگاہ سے اسے بڑی اہمیت حاصل ہے اور یہی وجہ ہے کہ ۱۵۔ اگست ۱۹۴۷ء کے بعد یہ ساری دُنیا کے لئے ایک پیچیدہ مسئلہ بن گیا۔ کشمیر کی سرحدیں ۱۵۰۰ میل لمبی ہیں جو کئی ممالک کے ساتھ ملتی ہیں اور وہ ممالک ہندوستان اور پاکستان کے علاوہ سوویت روس، چین، افغانستان ہیں۔ ریاست رقبہ کے لحاظ سے ۸۶۰۲۳۰۹۵ مربع میل ہے جو ۱۷ء ۳۲ سے ۵۸ء ۳۶ عرض بلد اور ۲۶ء ۷۳ اور ۳۰ء ۸۰ طول بلد کے درمیان پھیلی ہوئی ہے۔ مگر اتنے بڑے رقبہ کا کثیر حصہ پہاڑی، جنگلاتی اور بنجر ہے اور آبادی بہت ہی کم ہے۔ ۱۹۴۱ء کی مردم شماری کے مطابق یہاں کی کل آبادی ۴۰۲۱۶۱۶ تھی جس میں ۳۱۰۱۲۴۷ مسلمان، ۸۰۹۱۶۵ ہندو، ۶۵۹۰۳ سکھ، ۴۰۶۹۶ بودھ ۲۰۸۹ عیسائی، جینی وغیرہ تقریباً ۱۳۸۰ بستے ہیں۔ مسلمانوں کا تناسب فی صدی جموں میں ۶۱.۳۵، صوبہ کشمیر میں ۹۳.۴۵، سرحدی علاقہ میں ۸۶.۷۱ تھا۔

۱۹۶۱ء کی مردم شماری سے ظاہر ہے کہ ہندوستان کے بٹوارے کا ردِ عمل ریاست جموں و کشمیر پر بھی ہوا۔ جس سے مجموعی آبادی اور مختلف فرقوں کے تناسبِ آبادی میں بھی فرق آیا۔ چنانچہ پونچھ کا کچھ علاقہ الگ ہو گیا۔ اور صوبہ جموں سے مسلمانوں کے ترکِ وطن کر کے پاکستان چلے جانے

اور ہندوؤں کے کثیر تعداد میں آکر یہاں آباد ہو جانے کے باعث اب صوبہ جموں میں مسلمانوں کی اکثریت، اقلیت میں تبدیل ہو گئی ہے۔

رپورٹ مردم شماری ۱۹۶۱ء

کُل آبادی	۳۵۶۰۹۷۶
مسلمان	۲۶۳۲۰۶۷
دیگر فرقے	۹۲۸۹۰۹

پہلے اکتالیس لاکھ اور اب پینتیس لاکھ انسانوں کی تیرہ مختلف زبانیں اس ریاست میں بولی جاتی ہیں اور یہ متعدد مذہبوں اور فرقوں کا مسکن ہے۔ جن میں کشمیری، ڈوگری، بودھی، پہاڑی اور بلتی بولنے والوں کی اکثریت ہے۔ اُردو ریاست کی عام اور سرکاری زبان ہے۔ کاروباری لین دین اور جملہ سرکاری کام بھی اسی میں ہوتے ہیں۔ جنت نظیر کشمیر میں رہنے کے باوجود یہاں کے باشندے بہت ہی پس ماندہ اور مفلوک الحال ہیں اور انہیں مفلوک الحال بنائے رکھنے میں ہر دور کے حکمرانوں نے ان پر ستم ڈھائے ہیں۔ جس کی وجہ سے ان کی زندگی کے اوقات بیکاری اور بے سروسامانی میں گذرتے رہے۔ غربت اور مُفلسی ان کی امتیازی خصوصیت بن گئی ہے۔

(۲)

گلہے گلہے باز خواں ایں دفترِ پارینہ را

کشمیر کے موجودہ حالات کا جائزہ لینے سے قبل یہ ضروری ہے کہ اس کی تاریخ کے اوراقِ پارینہ کی سرسری ورق گردانی کی جائے۔

کشمیر کی تاریخ نے دو ہزار سال قبل از مسیح گونند اوّل کو کشمیر کا راجہ تسلیم کیا ہے۔ جس نے شری کرشن جی کے خلاف مہابھارت کی جنگ میں حصہ لیا تھا اور اس کے پرچم پر ہل کا نشان تھا۔ پھر ۳۰۷ ق م میں راجہ رام دیو نے پونچھ، راجوری، جموں، امرت سر، پنجاب، میرٹھ، دہلی، اجمیر کے علاوہ پانچ سو بادشاہوں کو شکست دے کر فتح و نصرت کے پرچم کو لہرایا تھا۔ اور خلیج بنگالہ تک اپنی سلطنت کو وسعت دی تھی۔

اشوکِ اعظم نے ۲۸۰ ق م میں بدھ مت کو پھیلانے کے لئے کشمیر کو فتح کیا۔ جس کے تیس سال بعد جالوکا نے اسے اپنی سلطنت میں شامل کیا۔ مگر وہ کشمیر پر تاتاریوں اور ستھین کے حملوں کو روک نہ سکا۔ اس کے عہد حکومت میں تختِ سلیمان کی بنیاد پڑی۔ ستھین حکمرانوں اور کشان بادشاہوں نے تقریباً تین سو سال تک کشمیر پر حکومت کی۔ ۵۷ ء میں

کنشک نے اس خطہ کو اپنی سلطنت میں شامل کیا۔ اور اس کے بعد بدھ مت کو کشمیر اور لداخ میں کافی فروغ حاصل ہوا۔ مگر اس کے بعد کے حکمران نروانا، گونندہ، نرسکا بدھ مت کے سخت مخالف تھے اور ان ہی کی وجہ سے بدھ مت کا آفتابِ عروج زوال پذیر ہوا۔

للتادتیہ

چھٹی صدی کی ابتدا میں مہر گل ایک تاتاری نے کشمیر کو اپنی ریاست میں شامل کیا۔ اس کے بعد دھشٹر، گویادتیہ، شری گپتا، چنڈرا پیڈ، تارا پیڈ اور للتادتیہ راجہ بنا۔ راجہ للتادتیہ کے بارے میں اُس وقت کا مؤرخ لکھتا ہے کہ نہایت ہی عادل اور انصاف پسند تھا۔ اس نامور کشمیری فاتح بادشاہ نے تبت، لداخ، پنجاب، قنوج اور سندھ تک اپنی سلطنت کو وسعت دی۔ آگے چل کر یہی مؤرخ رقم طراز ہے کہ ایک دفعہ راجہ معمول سے زیادہ شراب پی گیا اور محل کی چھت پر چڑھ کر اُس نے حکم دیا کہ تمام شہر کو آگ لگوا دی جائے۔ غرض یہ کشمیر کے ایک انصاف پسند بادشاہ کی محبت اپنی رعایا سے تھی۔ ظالموں کے ظلم کا اندازہ تو بڑی آسانی سے کیا جا سکتا ہے۔

للتادتیہ کے عہد میں کشمیر پر عربوں کی یورش کا دباؤ پڑنے لگا۔ چنانچہ کلہن نے "راج ترنگنی" میں اس کا ذکر کرتے ہوئے کہا ہے کہ راجہ نے چین کی حکومت کے پاس اپنا سفیر بھیج کر اُن سے مدد مانگی۔ راجہ نے

دردستان اور وسطِ ایشیا پر حملہ کر کے ترکشوں، ملیچھوں کے سردار مموتی کو شکست دی۔ سنسکرت میں ترکش اور ملیچھ کے الفاظ مسلمانوں کے لئے استعمال ہوتے ہیں۔ للتادتیہ نے ترکشوں اور ملیچھوں کے لئے یہ قانون رائج کیا کہ وہ اپنے آدھے سر کے بال منڈوائیں اور اپنے بازو ہمیشہ پشت کی جانب رکھا کریں۔

۷۱۲ء میں محمد بن قاسم نے سندھ کے حکمران راجہ داہر کو شکست دی۔ راجہ کا لڑکا جیسیا اپنے مسلم دوست حنیم بن سام، جو کہ شام کا رہنے والا تھا، کے ساتھ فرار ہو کر کشمیر پہنچا۔ چاچ نامہ فارسی ترجمہ فتوح السند مصنفہ علی احمد حمید ترجمہ انگریزی ایلیٹ ڈوس تاریخ ہند مطبوعہ لندن ۱۸۶۷ء میں (۱۳) واقعہ کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ حنیم بن سام نے کھلم کھلا طور پر یہاں تبلیغ اسلام کا سلسلہ شروع کیا۔ چنانچہ اس نے کھیوڑہ نمک کی کان کے پاس مسجد تعمیر کرائی۔ جس پر اسے راجہ نے خلعتِ شاہی سے سرفراز کیا۔ تاریخ کے مشاہدے سے یہ حقیقت عیاں ہو رہی ہے کہ حنیم بن سام پہلا مسلمان مبلغ تھا جس نے سرزمین کشمیر پر قدم رکھتے ہی تبلیغ اسلام کا سلسلہ شروع کیا۔ غالباً یہ حنیم بن سام کے تبلیغی اثرات کا نتیجہ ہے کہ شیوازم کے مشہور فلاسفر ابھینو گپت نے بتوں کے بارے میں کہا کہ "پتھروں میں دھرا ہی کیا ہے!"

اُونتی ورما

راجہ للتادتیہ کے بعد ہُن خاندان کے تیرہ حکمرانوں نے یکے بعد دیگرے کشمیر پر حکومت کی۔ نویں صدی عیسوی کے درمیان اُتپالہ خاندان کے افراد کشمیر کے بادشاہ بنے۔ ۸۵۵ء میں اس خاندان کا مشہور عیاش بادشاہ اونتی ورما تخت نشین ہوا۔ اس کے بعد شنکر ورمن ۸۸۳ء میں تباہی، بربادی، لوٹ مار اور غارت گری کرتا ہوا راجہ بنا۔ ۹۵۰ء میں رانی دِیدی اپنے زہد شکن خط و خال کے دام بچھا کر ابروئے خم دار کی تلوار ہاتھ میں لئے تختِ سلطنت پر جلوہ افروز ہوئی اور ۲۴ سال تک حکومت کرتی رہی۔ اسی کے عہدِ حکومت میں محمود غزنوی نے کشمیر پر حملہ کیا۔ مگر اسے نامراد واپس لوٹنا پڑا۔ لیکن اسے ایاز جیسا ساتھی مل گیا۔ اس حملے میں محمود کے ساتھ مشہور عالم البیرونی بھی تھا۔ جس نے "جغرافیہ الہند" میں کشمیر کے بارے میں اہم معلومات بہم پہنچائی ہیں۔

سوانح محمود غزنوی مصنفہ توکل میں کہا گیا ہے کہ البیرونی پہلا مسلمان ہے جس نے سنسکرت زبان میں کشمیریوں کے لئے اسلامی لٹریچر مہیا کیا۔ تاریخ اس مسلّمہ حقیقت کی شاہد ہے کہ حضرت میر سید علی ہمدانی رح کے صاحبزادے میر سید محمد ہمدانی رح نے تبلیغ اسلام کے لئے باقاعدہ مہم شروع کی اور ان کے دوش بدوش میر شمس الدین نے نوربخشیہ نظریہ

کی کشمیر اور بلتستان میں تبلیغ شروع کی۔

ہرش

کشمیر پر ۱۰۲۸ء تا ۱۰۶۵ء راجہ آنندہ تا راج کرتا تھا۔ اس کے عہد میں برہمارا جہ نام کے ایک بدھ مذہب کے پیروکار نے دردستان کے راجہ اکل منگلا کو کشمیر پر حملہ کرنے کی دعوت دی۔ تاکہ راجہ آنندہ تا کے ظلم وستم سے کشمیریوں کو نجات مل سکے۔ راجہ اکل منگلا نے ۱۰۲۵ء میں سات ملیچھ شہزادوں کی امداد سے کشمیر پر حملہ کیا۔ لیکن اُس کو شکست کا سامنا کرنا پڑا۔

راجہ ہرش ۱۰۸۹ء تا ۱۱۰۱ء کشمیر کا ایک اور مشہور بادشاہ گذرا ہے جس نے سب سے پہلے اپنی فوج میں مسلمانوں کی بھرتی شروع کی اور مسلمانوں کے رسم ورواج، لباس، درباری آداب وطریق کار کو اپنایا۔ اس نے سونے اور چاندی کے بت مندروں سے نکلوا کر پگھلوانے اور انہیں سکوں میں ڈھلوا دیا۔ چنانچہ کلہن نے راج ترنگنی میں اسے کشمیر کا پہلا ملیچھ بادشاہ قرار دیا ہے۔ مگر سٹائن نے کلہن کی رائے سے اختلاف کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ہرش اسلامی اثرات سے متاثر ہوا تھا۔

اسی کے عہد حکومت میں سرینگر میں پہلی مسلم کالونی ملچھمر کے نام سے وجود میں آئی اور آج تک مہاراج گنج کے قریب یہ محلہ اسی نام سے

آباد ہے۔ کلہن کی راج ترنگنی کی ساتویں جلد میں ان کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ پیشہ کے لحاظ سے یہ لوگ قصائی تھے اور گائے کا گوشت فروخت کرتے تھے۔

رنچن

۱۳۲۰ء میں رنچن، جو بعد میں سلطان صدرالدین کے نام سے مشہور ہوا۔ اس نے دستور کے مطابق شکست خوردہ غنیم راون چند کی دختر کوٹہ رانی سے شادی کر کے اپنا ناطہ کشمیر کے شاہان سلف سے جوڑا۔ لداخی شہزادہ رنچن بودھ مذہب کا پیرو تھا۔ شادی کے بعد ان دونوں نے وعدہ کیا کہ اگلی صبح کو جس شخص کا منہ دیکھیں گے اُسی کا مذہب قبول کریں گے۔ اتفاقاً دوسرے دن علی الصباح اُن دونوں کے کانوں میں ایک ترنم ریز آواز آئی، یہ اذان تھی اور اس کے ساتھ ہی دونوں اس کو دیکھنے محل کے برآمدے پر آئے۔ شب گذشتہ کا وعدہ یاد آیا۔ اُس شخص کا نام دریافت کیا۔ یہ مشہور خدا دوست صوفی حضرت شرف الدین عرف بلبل شاہ صاحب تھے۔ اُن کے ہاتھوں اسلام قبول کیا اور صدرالدین کے نام سے مشہور ہوا۔

مگر رنچن کے قبول اسلام کے بارے میں جوناراج مصنف راج ترنگنی تاریخ کشمیر (حسن شاہ) اور بہارستان شاہی میں کہا گیا ہے کہ رنچن غیر ملکی ہونے کے علاوہ بدھ مت کا پیروکار تھا۔ یہاں کے برہمن، جو کہ

شیوازم کے ماننے والے تھے، بدھ مت کے عروج کے خلاف سازشوں میں مصروف تھے۔ چنانچہ برہمنوں نے رنچن کو ہلاک کرنے کی کئی سازشیں کیں۔ مگر ہر بار مسلم سپاہیوں کی مداخلت نے ان سازشوں کو ناکام بنا دیا۔ اسی دوران رنچن، سید شریف الدین عرف بلبل شاہ رح کے زیر اثر آیا۔ پیچیدہ سیاسی حالات اور سازشوں میں رنچن کے لئے مسلمانوں کی حمایت حاصل کرنے کے بغیر کوئی چارہ نہ تھا۔ چنانچہ برہمنوں کی ضد پر وہ اور اس کا بہنوئی رام چندر نے اسلام قبول کیا۔

سلطان سکندر

صدر الدین کے خاندان نے دو سو سال تک کشمیر پر حکومت کی۔ اس خاندان کا مشہور خدا دوست عالم اور بزرگ بادشاہ سلطان سکندر گذرا ہے۔ جسے متعصب مورخوں نے بت شکن کہنے کے باوجود چودہویں صدی کا مکمل انسان کہا ہے۔ سنسکرت کی عظیم کتاب "نشد چرت" (NAISHADHA CHARITA) مصنفہ ہرشرا کوی (HARSHRA KAVI) جو سلطان سکندر کے زمانے میں لکھی گئی ہے اور اس کی تفسیر مصنفہ نرہری میں سلطان کی علم دوستی اور علم پروری کا تذکرہ ہر ورق پر درج ہے۔ جس سے سلطان کے سنسکرت سے دلی لگاؤ کا پتہ چلتا ہے۔ اس کے علاوہ حال ہی میں آثارِ قدیمہ کے ایک کتبے سے سکندر کی رواداری

کے بارے میں کئی شہادتیں دست یاب ہوئی ہیں۔ سلطان سکندر نے ١٣٨٩ء سے ١٤١٣ء تک نہایت دانش مندی کے ساتھ حکومت کی۔ اس کے بعد اس کا پوتا سلطان زین العابدین ١٤٢٠ء سے ١٤٧٠ء تک کشمیر پر حکومت کرتا رہا۔ ان کے عہد حکومت میں کشمیریوں کو امن و امان، فارغ البالی اور خوش حالی نصیب ہوئی اور انہوں نے یہ ثابت کر کے دکھایا کہ نیکی کرنا اگرچہ بڑا مشکل کام ہے لیکن اصحاب عزم، مشکل کام کو آسان کر ڈالتے ہیں۔ ان کو آج بھی کشمیری "بڈشاہ" کے پُروقار نام سے یاد کرتے ہیں۔ اُن کے زمانے میں ہی کشمیری شال بافی کی بنیاد پڑی۔ انہوں نے سمرقند بخارا اور شیراز سے میوہ دار درخت منگوائے اور خطۂ کشمیر کو جنت نشان بنانے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ جگہ جگہ سرائیں بنوائیں اور میلوں کشادہ سڑکیں اور نہریں کھدوائیں۔ ان کے عہد کی سینکڑوں یادگاریں آج بھی باقی ہیں۔ یہ اُن کی پُروقار عظمت کے ہی تاثرات ہیں۔ جو تقریباً پانچ سو سال بعد بخشی غلام محمد کے دور حکومت میں سری نگر کے وسط میں دریائے جہلم پر ایک پُل "بڈشاہ برج" کے نام سے تعمیر کیا گیا۔

سلطان شہاب الدین

سلطان شہاب الدین کے بارے میں راج ترنگنی میں جونا راج

نے کہا ہے کہ:۔

"ماضی، حال اور مستقبل کے تمام بادشاہوں میں اس بادشاہ کی حیثیت اسی طرح نمایاں ہے جس طرح موتیوں کے ہار میں مرکزی ہیرا"

علامہ اقبال نے سلطان کو "جاوید نامہ" میں اس طرح یاد کیا ہے:۔

عمر ما گل رخت بربست و کشا
خاک ما دیگر شہاب الدین نزاد

سلطان علاؤالدین کی وفات کے بعد اُس کا نامور بیٹا شیراشامک سلطان شہاب الدین کے نام سے تخت نشین ہوا۔ سلطان نے عنانِ حکومت سنبھالتے ہی ملک کے انتظامیہ کو بہتر بنانے کے لئے اسے پرگنہ جات میں تقسیم کیا۔ شہاب الدین نے فوج کو تین حصوں میں تقسیم کر کے چندر اؤ مارا، اچل دیوا، اور حسن بہادر جرنیلوں کے ماتحت کیا۔ لداخ، بلتستان، اور کاشغر کو فتح کرنے کے بعد کشتواڑ اور جموں کو کشمیر کے ساتھ ملایا۔ پنجاب کو فتح کر کے سندھ کے حکمران جام نھان ہلبتھ کو شکست دی۔ صوبہ سرحد میں اٹک اور پشاور کو فتح کرتے ہوئے کابل پر فوج کشی کی اور پٹھانوں کو شکست دی۔ سر ولزلے ہیگ کیمبرج ہسٹری آف انڈیا میں لکھتا ہے کہ شہاب الدین نے سندھ فتح کر کے غزنی اور قندھار تک ایک زلزلہ پیدا کیا۔ فتح پنجاب کے بعد سلطان نے دریائے

ستلج پر جوں ہی پڑاؤ ڈالا، سلطان فیروز تغلق نے صلح کی پیش کش کی اور اپنی تین بیٹیوں کو سلطان کے قریبی رشتہ داروں کے نکاح میں دیا۔

جوناراج نے راج ترنگنی میں سلطان کے بارے میں لکھا ہے کہ اگرچہ کامیابی اور کامرانی نے ہر قدم پر سلطان کے قدم چومے تاہم سلطان کی تشفی نہ ہوئی۔ انہوں نے سمندر کی تمثیل پیش کرتے ہوئے لکھا ہے کہ جس طرح سمندر میں ندی نالے، دریا وغیرہ جا گرتے ہیں اور سمندر کبھی پُر نہیں ہوتا۔ بعینہٖ سلطان کی شجاعت اور بہادری اُسے دم لینے نہیں دیتی۔ سلطان کو نہ تو حسین دوشیزاؤں سے رغبت تھی نہ مے کشی کی تمنا۔ بلکہ صرف افواج کی سرکردگی کرنا اس کا اہم مشغلہ تھا۔ سلطان نے فتح و کامرانی، رواداری، عدل و انصاف کی نہ صرف شاندار مثال قائم کی۔ بلکہ رفاہِ عامہ کے لئے سڑکیں اور مسافروں کے لئے جگہ جگہ سرائیں تعمیر کرائیں۔ اپنی ملکہ لکشمی کے نام پر ہری پربت پہاڑی کے دامن میں ستارکا آباد کیا۔ نالۂ سندھ اور دریائے جہلم کے سنگم پر شادی پور کا قصبہ آباد کیا۔

سلطان کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے اُن کے وزیر اعظم اُدھاشری نے جب سلطان سے کہا کہ مہاتما بدھ کی سونے کی مورتی کو آگ میں پگھلا کر اُس سے آپ کے نام کے سکے ڈھالے

جائیں۔ سلطان نے اس کے جواب میں جو کچھ کہا، وہ جوناراج کی "راج ترنگنی" میں یوں درج ہے:۔

"ماضی میں مجسّمے اس لئے نصب کئے گئے کہ شہرت دوام حاصل ہو اور صلہ ملے۔ مگر تم مجھے اس امر کی ترغیب دے رہے ہو کہ میں ان مجسّموں کو فنا کردوں۔"

کچھ لوگوں کو مجسّمے نصب کرنے سے شہرت ملی۔ کچھ کو ان کی حفاظت کرنے سے اور کچھ کو ان کو توڑنے سے مگر ذرا یہ بھی تو سوچو کہ مجسموں کا تقدّس کتنا گہرا اور وسیع ہے۔ اگر سلطان شہاب الدین بھی کسی مجسّمے کو فنا کردے تو مستقبل میں لوگ کیا کہیں گے کہ سلطان نے اپنی شہرت کے لئے دیوتا کا مجسّمہ توڑا۔ اور یہ امر "یم" یعنی ملک الموت کی طرح ڈراؤنا اور بھیانک ہو۔"

سلطان شہاب الدین، کشمیر کا وہ پہلا قوم پرست بادشاہ گذرا ہے جس نے نہ صرف رواداری، بھائی چارے اور مذہبی تعصب سے بالاتر رہ کر کشمیر اور کشمیریت کو اُجاگر کیا ہے بلکہ یہ کہنا چاہیئے کہ وہ کشمیر کا پہلا سیکولر مزاج رکھنے والا بادشاہ تھا۔

صوفی غلام محی الدین نے "کشمیر" میں سلطان کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ امر باعث افسوس ہے کہ کشمیر کے اس نامور اور شجاع بادشاہ کے مقبرے پر رنبیر گنج پوسٹ آفس؎۱

کے معمولی پوسٹ ماسٹر کی کرسی ہوتی ہے۔ اس سے زیادہ ذلت اور ہتک آمیز اور کوئی بات کشمیریوں کے لئے نہیں ہوسکتی!

یوسف شاہ چک۔

۱۴۷۱ء میں حیدر شاہ بادشاہ بنا۔ ۱۴۷۲ء میں حسن شاہ اس کے بعد محمد شاہ تخت نشین ہوا۔ محمد شاہ کی وفات پر فتح شاہ تخت کا وارث کہلایا۔ ۱۴۸۴ء میں مرزا محمد حیدر سربراہ سلطنت ہوئے مرزا حیدر کو غازی خان چک نے ۱۵۵۳ء میں شکست دی۔ اور حکومت کی باگ ڈور خود سنبھالی۔ چک خاندان کے سات بادشاہ گذرے ہیں۔

خودمختار کشمیر کا آخری بادشاہ یوسف شاہ چک اور اس کا بیٹا یعقوب شاہ چک تھا۔ ۱۵۸۵ء میں اکبر بادشاہ نے پہلی بار کشمیر پر جب پکھلی اور مظفر آباد کے راستے سے حملہ کیا۔ تو کشمیری بادشاہ کے بیٹے یعقوب شاہ چک کی قیادت میں کشمیریوں نے اپنے وطن کی حفاظت میں بہادری کے بے نظیر کارنامے دکھائے اور بارہ مولہ کے قریب مٹھی بھر کشمیریوں کی فوج نے مغل لشکر کے ہزاروں سپاہیوں کو

؎۱ بادشاہ کے مقبرے کے قریب رنبیر گنج پوسٹ آفس کو وہاں سے دوسری جگہ منتقل کیا گیا ہے۔ جس جگہ کی نشان دہی صوفی صاحب نے کی ہے۔ اب اُس جگہ کیاڑوں نے دو دکانیں ڈالی ہیں ——— (رشید تاثیر)

کاٹ کر رکھ دیا۔ اور مغل جرنیل سرحدی قوانین اور قبائل کی امداد کے باوجود ذلت آمیز شکست برداشت کر کے ہندوستان کی طرف بھاگ گئے۔ ۱۵۸۷ء بمطابق ۹۹۵ ہجری میں اس شکست کا انتقام لینے کے لئے شہنشاہ اکبر اور اس کے درباری مدبرین دو سال تک خفیہ چالیں چلتے رہے۔

۱۵۸۷ء میں آخر کار کشمیر کے آخری بادشاہ یوسف شاہ چک کی عشرت پسندی سے کشمیری جرنیلوں کی ذاتی رقابت اور کشمیری عوام کے فروعی اختلافات کا سلسلہ، جو دراصل چکوں کے برسر اقتدار آنے کے وقت سے جاری تھا۔ فروغ پانے لگا۔ شیخ یعقوب صرفیؒ کی قیادت میں ایک وفد دربارِ اکبری میں کشمیر پر حملہ کرنے کی دعوت دینے کے لئے پہنچا۔ اور یہ دعوت مغل حکومت کی کامیابی کا ذریعہ ثابت ہوئی۔

کشمیر کے اس آخری تاجدار بادشاہ کی قبر موضع بسوک (صوبہ بہار) میں کس مپرسی کی حالت میں آج بھی موجود ہے۔ اس طرح کشمیر کو مغل سلطنت میں شامل کر کے اکبر اعظم نے اپنی دیرینہ آرزو پوری کر لی۔

۵ جون ۱۵۸۹ء کو اکبر کشمیر آیا اور خانقاہِ نقشبندیہ کے قریب سلطان حسن شاہ کشمیری کے باغ میں قیام کیا۔ اور اپنی شان و شوکت اور جاہ و جلال دکھانے کے لئے دریائے جہلم میں سری نگر سے شادی پورہ تک کشتیوں کا جلوس نکلوایا۔

اکبر بادشاہ

اکبر بادشاہ کے زمانے میں قلعہ ہری پربت اور اس پہاڑی کے اردگرد والی فصیل تعمیر ہوئی۔ جہانگیر بادشاہ نے اپنے عیش و آرام کے لئے ویری ناگ، اچھ بل، نسیم باغ، نشاط باغ اور شالیمار باغ کو تعمیر کیا۔ جہانگیر کی دیکھا دیکھی ملکہ نور جہاں نے شاہی مسجد (پتھر مسجد) سری نگر کے وسط میں تعمیر کرائی۔ جو ۱۹۳۴ء میں ایک عرصہ دراز تک مسلمانوں کے آپسی اختلافات کی وجہ سے مسلمانوں کی بے چینی اور نااتفاقی کا مرکز بنی رہی۔ سلطان سکندر کے دور حکومت سے لے کر شہنشاہ اورنگ زیب کے عہد حکومت تک کشمیریوں کی قسمت میں امن و چین کی ہلکی سی زندگی میسر رہی۔ اسی زمانے میں کشمیریوں نے دستکاری اور صنعت و حرفت کے میدان میں کافی ترقی کی۔ یہ اور بات ہے کہ کشمیر سے جو پہلا شال نپولین بوناپارٹ کو اس کی ملکہ جوزیفائن کے لئے فرانس بھیجا گیا۔ وہ سلطان زین العابدین بڈشاہ کا زریں دور تھا۔ مگر اس میں شک نہیں کہ شال بافی کا عروج مغلیہ دور سے شروع ہوتا ہے۔ جوں جوں مغلیہ سلطنت ہندوستان میں آپس کی خانہ جنگیوں سے کمزور ہوتی گئی۔ کشمیر کی خوبصورتی اور دولت پر دوسروں کی ہوس پرست نگاہیں پے در پے پڑنے لگیں۔ زندگی نام ہے دائمی کشمکش کا، جو نہ صرف انسان اور فطرت کے مابین

بلکہ انسان اور انسان کے درمیان بھی جاری ہے۔ ایسے ماحول میں
اگر کشمیر اپنے تُند خو سرحدی ہمسائیوں کے حملوں کی جولاں گاہ بنا رہا تو
یہ ایک قدرتی بات تھی۔ درا صل مغلوں نے اہلِ کشمیر کو بھوک، ناداری،
بُزدلی اور افلاس کے سوا کچھ نہیں دیا۔ جو بھی گورنر کشمیر میں تعینات ہوا
یا جب بھی مغل بادشاہ اپنی عیش کوشی کی خاطر یہاں آئے، انہوں
نے اہلِ کشمیر کے دُکھ درد کو کبھی بھی قریب سے جھانک کر دیکھنے کی کوشش نہیں
کی۔ یہی وجہ ہے کہ مغل دور کی سینکڑوں یادگاریں ہمارے درمیان
ہونے کے باوجود اہلِ کشمیر کو اُن سے کوئی ہمدردی نہیں ہے۔

احمد شاہ ابدالی

۱۷۴۸ء میں کشمیر میں ایک خوفناک قحط پڑا۔ جس سے آبادی کا ۳/۴
حصّہ متاثر ہوا۔ اور یہاں کے لوگ بھاگ کر ہندوستان کے میدانی
علاقوں میں جا بسے۔ اسی سال احمد شاہ ابدالی نے عصمت خان کو
افغان سپاہ کی معیت میں کشمیر پر حملہ کرنے کی ترغیب دی۔ کشمیریوں
نے عصمت خان کو شکست دی اور افغان لشکر کو تباہ کیا۔ شہر جموں میں
راجہ دھرو دیو کی حکومت تھی جو مغل بادشاہوں کی شہنشاہیت کو قبول
کرتے ہوئے خراج ادا کرتا تھا۔ اور اس موقعہ پر سب سے پہلے جس نے
فائدہ اُٹھانے کی کوشش کی وہ افغان بادشاہ احمد شاہ ابدالی تھا۔
جس نے ۱۷۵۰ء میں راجہ دھرو دیو کو کامل آزادی کا وعدہ کیا جس کے

عوض راجہ نے بانہال کے راستے ایک چھوٹی سی فوج روانہ کی چنانچہ
اس کے صلے میں دُرّانی بادشاہ نے ایک جاگیر بھی عطا کی۔ راجہ دھرو
دیو کے بعد اُس کے بیٹے راجہ رنجیت دیو نے احمد شاہ دُرّانی کو امداد دی
اور اس کی مدد سے ۱۷۵۲ء میں کشمیر میں پٹھان حکومت کی بنیاد پڑی۔
اس زمانے میں کشمیریوں کی حالت اتنی پست ہو گئی تھی کہ انہوں نے افغان
حکومت کو ایسی خاموشی سے قبول کیا، جس خاموشی سے کوئی باربردار
جانور پہلے بوجھ کے بدلے دوسرے بوجھ کو قبول کر لیتا ہے۔
احمد شاہ ابدالی کی کامیابی کی ایک وجہ یہ بھی تھی۔ کہ کشمیر کے دو بااثر
اُمرا میر مقیم کنٹھ اور خواجہ ظاہر دیدہ مری ایک وفد لے کر لاہور ابدالی
کے دربار میں پہنچے۔ اور اُسے کشمیر پر حملہ کر کے قبضہ کرنے کی دعوت
دی۔ ابدالی موقعہ کی تلاش میں تھا ہی، فوراً افغان سپاہ کو عبداللہ خان
کی سرکردگی میں شوپیان کے راستے کشمیر روانہ کیا۔ جہاں پندرہ دن تک
جنگ ہوتی رہی۔ اپنی ناکامی کا صحیح اندازہ لگا کر عبداللہ خان نے
کشمیری سپاہ کے کمان دار گلہ خان کو لالچ دے کر شیشہ میں اتارا
اور اس طرح کشمیری فوج کو پسپا کر کے ۱۷۵۳ء میں کشمیر سے
مغل حکومت کا خاتمہ ہوا۔

پٹھانوں کی حکومت

پٹھانوں نے ۱۸۱۹ء تک کشمیر پر حکومت کی۔ یہ دور ظلم و ستم

تنگ دستی اور بھاری ٹیکسوں کا دور تھا۔ پٹھانوں کی حکومت میں مغلوں کے دور سے آٹھ گنا مالیہ بڑھایا گیا۔ پٹھانوں کی حکومت کشمیر کی تاریخ میں ایک جابرانہ اور انسان کُش حکومت سے یاد کی جاتی ہے۔ عدل و انصاف اور قانون کا کہیں نام و نشان تک نہ تھا۔ افغان حاکم جو چاہتے تھے کر گذرتے تھے۔ قانون اُن کی زبان اور انصاف اُن کی تلوار تھی۔ افغانوں نے اپنے ابتدائی دور میں گھر گھر کی تلاشیاں لینی شروع کیں۔ اور ہر قیمتی شئے لوٹ لی۔ مسلمانوں کے لیڈر جلیل کے جسم پر آگ میں گرم کئے ہوئے سیخ لگائے اور قاضی خان اور دوسرے اُمرا پر سخت تعزیری جرمانے لگائے گئے۔ عوام بھوک اور بے روزگاری سے تڑپنے لگے اور سخت بے چینی پھیلی۔ لیکن اس سے کشمیریوں کے حوصلے پست نہیں ہوئے۔ انہوں نے خفیہ سازشیں کر کے افغان صوبے دار کو قتل کرایا۔ اور سکھ جیون کو یہاں کا حاکم مقرر کیا۔ جس کی فوج میں کشمیری جوق در جوق شامل ہوگئے۔

افغانوں نے صوبے دار کے قتل کا انتقام لینے کے لئے سکھ جیون کو شکست دی اور احمد شاہ ابدالی کے حکم سے انہیں ہاتھی کے پاؤں تلے روندوایا گیا۔ غرض کشمیریوں نے آزادی حاصل کرنے کی کئی بار کوشش کی مگر ناکام رہے!

تقریباً ،۶۷ سال تک وادیٔ کشمیر پر افغانوں کے جبر اور کشمیریوں کے صبر کے درمیان مقابلہ ہوتا رہا۔ اس دور میں لاقانونیت

اور لوٹ مار اپنی انتہا کو پہنچی۔ افغانی دور کی یہ خصوصیت تھی کہ درۂ پیر کے اُس پار رہنے والا جو شخص بارہ مولہ سے ادھر قدم رکھنے میں کامیاب ہوتا تھا۔ وہ اپنے آپ کو احمد شاہ ابدالی، سے کم نہ سمجھتا تھا۔ ان افغانوں کی نظریں کشمیریوں کی جس چیز پر پڑتی تھیں۔ وہ ان کے ہاتھوں سے بچ نہ سکتی تھی۔ حتےٰ کہ لوگوں کی بہنیں، مائیں اور بیٹیاں بھی اس کُلیہ سے مستثنیٰ نہ رہیں۔

پرسیدم از خرابیٔ گلشن ز باغبان
افغان کشید و گفت کہ افغان خراب کرد

یہ افغان صوبے دار آزاد خان ہی تھا جس کے عہد میں پیغمبر آخرالزمان صلی اللہ علیہ وسلم کے موئے مقدس کی آزمائش کی گئی۔

سکھوں کی حکومت

پنجاب میں مہاراجہ رنجیت سنگھ کی حکومت تھی۔ جس نے ۱۸۱۲ء میں افغانوں کو بھمبر کی راہ سے کشمیر پر حملہ کرنے کی سہولت آٹھ لاکھ روپے کا معاوضہ لے کر بہم پہنچائی تھی۔ عطا محمد خان صوبے دار کشمیر نے شاہ شجاع کو کشمیر آنے کی دعوت دی۔ جیسے سری نگر پہنچتے ہی قید کر لیا گیا۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ نے دس ہزار سکھ اور افغانی فوج تا دیوان محکم چند کی سرکردگی میں دے کر کشمیر پر حملہ کیا۔ اور عطا محمد کو شکست ہوئی۔ اس طرح رنجیت سنگھ، شاہ شجاع

سے مشہورِ عالم ہیرا "کوہ نور" اُڑانے میں کامیاب ہوا۔ شاہ شجاع ۱۸۱۳ء میں اپنی بیوی وفا بیگم کے ساتھ لاہور، کابل کا تخت حاصل کرنے کے لئے رنجیت سنگھ سے مدد حاصل کرنے کے لئے آیا تھا۔ جہاں رنجیت سنگھ نے "کوہ نور" کے عوض اُسے تین لاکھ روپے نقدی، پچاس ہزار سالانہ کی جاگیر دینے کے علاوہ کابل کا تخت دوبارہ حاصل کرنے میں اسے مدد دینے کا وعدہ کیا تھا۔ مگر شاہ شجاع ہیرا دینے پر راضی نہ ہوا۔ اب جبکہ عطا محمد خان کے ساتھ حراست میں وہ بھی لاہور لایا گیا۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ نے اپنے وعدے کو دہرایا۔ ہیرا حاصل ہوتے ہی اُسے قید خانے میں ڈالا گیا۔ تاہم مہاراجہ رنجیت سنگھ کشمیر کو حاصل نہ کر سکا اور کشمیر اعظم خان کی صوبہ داری میں رہا۔

۱۸۱۹ء میں پنڈت بیربر در، فدوس گوجاری، ذوالفقار اور کامگار کی مدد سے کشمیر کی سرحد پار کر لی۔ اور لاہور پہنچ کر مہاراجہ رنجیت سنگھ کو کشمیر پر حملہ کرنے کی ترغیب دی۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ تیس ہزار فوج لے کر کشمیر پر حملہ آور ہوا۔ پیر پنچال اور شوپیان میں خونریز لڑائیاں ہوئیں۔ آخر افغان صوبے دار جبار خاں کو شکست ہوئی اور کشمیر سکھوں کے قبضہ میں آگیا۔

افغان لوٹ کھسوٹ کے بعد اب سکھوں نے کشمیریوں پر آرام کی زندگی حرام کر دی۔ اس زمانے میں بھونچال، سیلاب، قحط اور ہیضہ نے لوگوں کو اور بھی تباہ کیا۔ سکھ گورنروں نے بھاری ٹیکس

عائد کر کے بیگار کو رائج کیا۔

کشمیری باشندے ایک مصیبت سے نکل کر دوسری بدترین زحمت میں مبتلا ہوئے۔ لوگ بھوک اور بیماری کی تاب نہ لا کر مر رہے تھے۔ نیم عریاں حالت میں سخت دبے۔ فاقہ کش انسانوں کو سکھ حاکم ہندوستان کے میدانوں کی طرف زبردستی دھکیل رہے تھے۔ اس جاگیردارانہ اور ظالمانہ نظام میں کشمیری حیوانوں سے بھی بدترین زندگی بسر کرتے تھے۔ کشمیری زبان میں سکھا شاہی لفظ اسی دور کی یادگار ہے۔ جس کا ادنیٰ سا نمونہ یہ تھا کہ اگر کوئی کشمیری کسی سکھ بہادر کے ٹھڈوں اور لاٹھیوں کی وحشت ناک مظاہرے کی تاب نہ لا کر مر جاتا تو سردار کی مبلغ چھ روپے ضرب ڈبل نانک شاہی خزانہ میں جمع کروا کر جرمِ قتل سے بری الذمہ قرار پاتا تھا۔ ہاں اگر مقتول کشمیری پنڈت ہوتا تو مزید دو روپے اُس کے وارثوں کو دینے پڑتے۔ یہ رعایت غالباً اس لئے تھی۔ کہ سکھوں کو کشمیر پر چڑھائی کرنے کی دعوت دینے میں کشمیری پنڈتوں نے پیش قدمی کی تھی۔ گو کہ سکھوں کی حکومت محکم کرنے میں کشمیری مسلمانوں نے یہ کہہ کر ساتھ دیا کہ سکھ افغانوں سے بہتر ثابت ہوں گے۔ مگر یہ سب اُمیدیں خاک میں مل گئیں۔

اس دور میں خانقاہ معلیٰ کو منہدم کرنے کا ارادہ کیا گیا۔ تاہم بہت سی مسجدیں خالصہ میں شامل کی گئیں۔ یہ دور وحشت اور بربریت کا ایک طوفانی دور تھا۔ جس کی امواج کے طمانچے چوتھائی صدی

تک کشمیری عوام کھاتے رہے۔ سکھا شاہی یعنی ظلم و جبر، اس
میں لغات کا لفظ بن گیا۔

جرمِ ما، ما را چو دامن گیر شد
قومِ سنگھاں واردِ کشمیر شد

سکھوں کے زمانے میں کشمیر کی عظیم شخصیت پنڈت موتی لال کی
جو بعد میں آقا حسن جان کے نام سے مشہور ہوا۔ وہ پہلا کشمیر
ہے جس نے دہلی میں انگریزی زبان سیکھی اور اپنی بیٹی کو تعلیم حاصل کر
کے لئے لندن بھیجا۔ موہن لال نے وسطِ ایشیا کا دورہ کیا۔ اس
افغان بادشاہ نے اپنے زمرۂ امرا میں شامل کیا۔ جرمنی کے بادشاہ
اُسے دعوت دی اور ملکہ وکٹوریہ نے اعزاز بخشا۔ ایران میں شادی کر
کے بعد اسلام قبول کیا۔ لدھیانہ میں امام باڑہ تعمیر کیا۔ ۱۸۷۷ء میں
میں وفات پائی اور وہیں دفن کئے گئے۔

---

(۳)

مہاراجہ گلاب سنگھ

مہاراجہ گلاب سنگھ کے بارے میں مختلف مؤرخوں نے اُن کی ابتدائی زندگی کے بارے میں متضاد بیانات اور واقعات لکھے ہیں۔ جن سے یہ پتہ کرنا بہت مشکل بن جاتا ہے کہ اصل واقعات کیا ہیں۔ مہاراجہ گلاب سنگھ کے ابتدائی واقعات سمجھنے کے لئے مختلف مؤرخین کے حوالہ جات ذیل میں درج کئے جاتے ہیں:۔

بیرن ہیوگل۔ ٹراویلز (سفرنامہ جلد دوم ۱۸۴۵ء) اور سلامت علی رُوئیدادِ تاریخ سکھاں و افغان ۱۸۴۷ء میں مہاراجہ گلاب سنگھ کے بارے میں یوں رقم طراز ہیں:۔

"میاں گلاب سنگھ ۱۸۹۲ء میں ایک غریب گھرانے میں پیدا ہوئے اور بطور سائیس منگلا کے تعلق دار کے پاس ملازم ہو گئے۔ جہاں، اس کی تنخواہ تین روپے مقرر ہوئی۔ بعد میں سلطان خاں والیٔ بھمبر کے ہاں ملازم ہو گیا۔ اپنے آقا سلطان خان کو مہاراجہ رنجیت سنگھ کے حوالے کرنے کے صلہ میں مرتبہ پایا۔ اور سکھ فوج میں شامل ہو گیا

اسکے ساتھ اس کے دو بھائی دھیان سنگھ اور سوچیت سنگھ کو بھی ملازمت ملی۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ، جو خوبصورتی کا بے حد دلدادہ تھا دھیان سنگھ کے زیر اثر آگیا۔ اس کی مثال محمود و ایاز کی ہوگئی۔ رنجیت سنگھ کی ملازمت اختیار کرتے وقت گلاب سنگھ کی عمر ۲۲ سال، دھیان سنگھ کی ۱۹ سال اور سوچیت سنگھ کی ۱۳ سال۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ، سوچیت سنگھ کو کبھی اپنے سے علیحدہ نہیں کرتا تھا۔ اور آنکھوں سے اوجھل ہونے نہیں دیتا تھا نتیجے کے طور پر تینوں بھائی مہاراجہ پر چھا گئے۔ دھیان سنگھ کو پونچھ اور سوچیت سنگھ کو رام نگر بطور جاگیر حاصل ہوئے۔

"موجز التواریخ" مصنّف محمد سیف الدین پنڈت مطبوعہ پنجاب پریس لاہور ۱۳۲۴ھ جسے محمد امین پنڈت نے اکتوبر ۱۹۶۲ء میں اُردو ترجمہ کرکے مختصر تاریخ کشمیر کے نام سے دوبارہ شایع کیا۔ میں مہاراجہ گلاب سنگھ کی ابتدائی زندگی کے حالات یوں درج ہیں :-

"سکھوں کے عروج و زوال کے ساتھ ہی اُس جموں و کشمیر سٹیٹ کی اِستدار کی تاریخ وابستہ ہے جس کی داغ بیل ڈوگرہ راجپوت خاندان کے میاں گلاب سنگھ نے ڈالی۔ میاں گلاب سنگھ کے متعلق یہ مشہور ہے کہ جب بھائی حکما سنگھ نے جموں پر حملہ کیا۔ تو اس واقعہ پر اُس نے مردانگی دکھا کر شہرت حاصل کر لی تھی۔ ایک روز میاں گلاب سنگھ نوکری کی غرض سے اپنے چند ہمراہیوں

کو ساتھ لے کر کابل کا قصد کر کے پشاور کی طرف روانہ ہوا۔ کیونکہ خبر یہ تھی کہ شاہ شجاع کابل میں اُس زمانے میں نئی فوج بھرتی کر رہا ہے۔ دریائے سندھ کے کنارے پہنچنے پر میاں گلاب سنگھ کے ہمراہیوں نے آگے جانے سے انکار کیا۔ گلاب سنگھ کو مجبوراً واپس آنا پڑا۔ اُن ہی دِنوں دیوان خوش وقت رائے، جو سردار نہال سنگھ اٹاری والے جاگیر سنگھ کا کارپرداز تھا، نئی سپاہ کی بھرتی کر رہا تھا۔ میاں گلاب سنگھ اپنی تقدیر آزمائی کے لئے اس طرف آ نکلا۔ دیوان نے میاں گلاب سنگھ کو نوکر رکھ لیا۔ اسی عرصہ میں مہاراجہ رنجیت سنگھ نے میاں گلاب سنگھ کی جوانمردی کا حال سُن کر اُسے طلب کیا۔

سمت ۱۸۶۷ بکرمی مطابق سال ۱۸۱۰ء میں میاں گلاب سنگھ مہاراجہ رنجیت سنگھ کی پیش گاہ میں حاضر ہوا۔ اور مہاراجہ کے دربار میں بطور حاضر باش قلیل تنخواہ پر مُلازم ہوا۔ یہیں سے میاں گلاب سنگھ کے عروج کی ابتدا ہوتی ہے ۔۔۔"

مہاراجہ گلاب سنگھ کو دوسرے مؤرخین سورج بنسی خاندان سے مِلاتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ اس حقیقت میں شک و شبہ کی بالکل کوئی گنجائش نہیں کہ مہاراجہ دھرو دیو کی اولاد میں سے تھا۔ اور کشمیر میں سکھ حکومت قائم کرنے میں ان کا زبردست ہاتھ رہا ہے۔ اور یہی گلاب سنگھ بعد ازاں انگریزوں سے علاقہ کوہستانی خرید کر کشمیر کے لالہ زاروں، پہاڑوں اور انسانوں کا مالک و مختار بن بیٹھا۔

گلاب سنگھ ۱۷۹۲ء مطابق ۵ کاتک ۱۸۴۹ بکرمی بسوہلی کے ایک گاؤں گم میں پیدا ہوا۔ بچپن سے ہی گلاب سنگھ اپنے دادا زور آور سنگھ کے ہاں رہتا تھا۔ زور آور سنگھ ایک سخت گیر، جنگجو شخص تھا، جو اپنی جاگیر دیا درگو میں بڑے آرام کے ساتھ رہتا تھا۔ گلاب سنگھ نے وہاں درسی تعلیم تو نہیں مگر فنِ سپاہ گری کے تمام ضابطے سیکھ لئے۔ عمر کے ابتدائی حصّہ میں ہی گلاب سنگھ نے شہسواری، شمشیر زنی اور نشانہ بازی میں کافی مہارت پیدا کر لی تھی۔ ۱۸۰۹ء میں ڈسکہ کے مقام پر رنجیت سنگھ کی فوج میں ۲۷۵ نانک شاہی روپے ماہوار مشاہرہ پر ایک رجمنٹ کے کمانڈر کی حیثیت سے بھرتی ہو گیا۔ یہ قصبہ ضلع سیالکوٹ میں واقع ہے۔ ۱۹۴۷ء کے بٹوارہ کے بعد سیالکوٹ کا علاقہ پاکستان میں شامل ہو گیا ہے۔ ۱۸۱۰ء میں رنجیت سنگھ نے امرتسر پر حملہ کیا۔ اسی سال انگریزوں نے اس کے ساتھ ایک صلح نامہ پر دستخط کئے۔ یہ صلح نامہ رنجیت سنگھ نے ایک باوقار اور عالی ہمت سکھ حکمران کی حیثیت میں کیا تھا جس کا خطاب "راجہ" زمان شاہ کابلی جس کا نام ایسٹ انڈیا کمپنی کے لئے باعثِ خطرہ بنا تھا، کے عطیہ کا

لہ زمان شاہ کا توپ خانہ حملۂ پنجاب کے دوران دریائے ستلج میں سیلاب آنے کی وجہ سے پھنس گیا تھا۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ نے جو اُن دنوں معمولی جاگیردار تھا وہ توپ خانہ نکال کر زمان شاہ کے حوالے کیا جس کے صلہ میں زمان شاہ نے انعام میں "راجہ" کا خطاب عنایت کیا۔

ممنون تھا۔

گلاب سنگھ جالندھر کے محاصرہ کے بعد دربارِ لاہور کا منظورِ نظر بنا۔ اور اس کامیاب محاصرے کے صلہ میں گلاب سنگھ کو چرہانہ اور رام گڑھ کی جاگیریں دی گئیں اور اُسے اختیار دیا گیا کہ وہ سو سپاہیوں کی کمپنی بنا سکتا ہے۔ ۱۸۱۵ء میں قبیلہ یوسف زئی کے خلاف جنگ میں جس نے رنجیت سنگھ کو تسخیرِ پشاور کے قابل بنایا۔ جموں میں میاں ڈیڈو نامی ایک ڈوگرہ نے رنجیت سنگھ کے خلاف بغاوت کی، جو کسی طرح بھی دب نہ سکی۔ آخر گلاب سنگھ کو بھیجا گیا۔ جس نے جموں جا کر بغاوت فرو کی۔ راجہ گلاب سنگھ نے راجوری اور جموں کے علاقے کو خالصہ حکومت کے زیرِ اثر لایا۔ جس کے صلے میں چکلہ جموں بحیثیتِ جاگیر گلاب سنگھ کو ملا۔

۱۸۲۰ء میں جموں کا علاقہ بطورِ زمین داری گلاب سنگھ کو دربارِ لاہور سے عطا ہوا۔ اور ساتھ ہی صوبہ جموں کا انتظام بھی اس کے سپرد کیا گیا۔ اور "راجہ" کے خطاب سے بھی نوازا گیا۔ بھدرواہ، کشتواڑ، راجوری کو فتح کرنے کے بعد رنجیت سنگھ نے گلاب سنگھ کو صوبہ جموں اور "راجہ" کا خطاب دونوں موروثی حیثیت میں دے دیے۔ رنجیت سنگھ نے اکھنور کے مقام پر ۱۸۲۲ء میں بذاتِ خود راجہ گلاب سنگھ کے راج تلک کی رسم ادا کی۔ اور ایک شاہی سند بھی دی جس کا خلاصہ یہ ہے۔

"میں مہاراجہ رنجیت سنگھ، راجہ گلاب سنگھ کی وفادارانہ خدمات کے عوض چکلہ جموں کی حکومت جو زمانۂ قدیم میں اُس کے خاندان کے قبضہ میں تھی، عطا کرتا ہوں اور اس کے علاوہ ان کے بھائی دھیان سنگھ اور سوچیت سنگھ بھی اپنے اوائل عمر سے ہماری حکومت کی خدمات اور وفاداری کے ساتھ انجام دیتے رہے۔ اُن کے والد میاں کشور سنگھ آنجہانی نے بھی خدمت گذاری میں کوئی کسر اُٹھا نہ رکھی۔ چنانچہ فتحِ کشمیر، سرحدی بغاوت کے فرو کرنے اور جنگِ کابل کے فرو کرنے میں جو کارنامے انجام دئے اُن کے صلے میں ہم چکلہ جموں کی حکومت گلاب سنگھ اور اُن کے وارثوں کو دیتے ہیں اور دِلی خواہشات کے ساتھ راجہ سوچیت سنگھ کو رام نگر کی حکومت عطا کرتے ہیں۔ راجہ دھیان سنگھ اور اُن کے ورثا ریاست مذکور کی آمدنی حسبِ خواہش خرچ کر سکتے ہیں۔ بشرطیکہ اس خاندان کے تمام افراد آئندہ بھی ہماری حکومت کے اسی طرح وفادار رہیں۔ اس امر کی شہادت ہم خود اپنے ہاتھوں سے پروانۂ سند دیتے ہیں اور اس کے ساتھ زعفران کا ایک گلدستہ بھی پیش کرتے ہیں۔"

مہاراجہ رنجیت سنگھ

۱۴۔ اساڑھ ۱۸۷۹ بکرمی

۲۷ر جون ۱۸۳۹ء کو مہاراجہ رنجیت سنگھ ۵۹ برس کی عمر میں انتقال کر گئے اور دربارِ لاہور کے تخت پر مہاراجہ رنجیت سنگھ کا بیٹا

کھڑک سنگھ بیٹھا۔ جس کی موت ۵ نومبر ۱۸۳۹ء کو واقع ہوئی۔ عین اسی دِن نونہال سنگھ، کھڑک سنگھ کا بیٹا جب وہ اپنے پتا کی چتا سے واپس آ رہا تھا، کسی نے اُس پہ وار کیا۔ یہاں یہ کہنا قبل از وقت نہ ہوگا کہ نونہال سنگھ چند ماہ پیشتر جموں میں حملہ کرنے اور بقولِ دربارِ لاہور کے راجہ گلاب سنگھ کی مغرور شخصیت کو ختم کرنا چاہتا تھا۔

خزانے کی لُوٹ

نونہال سنگھ کے انتقال کے بعد کھڑک سنگھ کی بیوہ چاند کور تخت نشین ہوئی۔ اس موقعہ سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے راجہ گلاب سنگھ نے راجہ دینا ناتھ صیغۂ مالیات اور وزیر خارجہ عزیز الدین کو پسِ پشت ڈال کر دربارِ لاہور کی وزارتِ عظمیٰ پر قبضہ کر لیا۔ شیر سنگھ جس نے نائب سرپرست کی حیثیت قبول کر لی تھی، نے بھی فوراً اپنی بادشاہت کا اعلان کر دیا اور لاہور کو محاصرہ میں لے لیا۔ راجہ گلاب سنگھ اس کے ہاتھوں بے حد تنگ آ گیا تھا۔ آخرکار ۱۹ر جنوری ۱۸۴۱ء کو آدھی رات کے وقت قلعہ شیر سنگھ کے حوالے کر کے وہاں سے رات بھر رنجیت سنگھ کے تمام خزانے لے کر چل پڑا۔ سولہ گاڑیاں روپے اور چاندی کے دوسرے سکوں سے بھری ہوئیں اور پانچ سو سپاہیوں میں سے ہر ایک کے ذِمّہ سونے کی اشرفیوں کا ایک ایک تھیلا اپنے ساتھ جموں لایا۔

سفید آقا

۱۸۴۱ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی، افغانستان فتح کرنے کا خواب دیکھ رہی تھی اور جلال آباد کے مقام پر اُس کی فوج، جہاں بعد ازاں اُسے بڑی سخت شکست ہوئی، محصور تھی۔ اسی محصور فوج کی خلاصی کے لئے میجر لارنس سکھوں کا ایک فوجی دستہ تیار کرنے کے لئے راجہ گلاب سنگھ سے ملنے آیا جو اُن دِنوں پشاور میں تھا، حالانکہ راجہ گلاب سنگھ بذاتِ خود انگریزوں کو ہر ممکن امداد دینے کا خواہاں تھا۔ ۱۹ جنوری کو اُسے یہ خبر ملی کہ درّہ خیبر پر انگریز فوج پسپا ہو گئی۔ تو وہ خود موقعہ پر پہنچا اور پھر ۳ فروری ۱۸۴۲ء کو انگریزی دستوں کے آگے آگے پشاور کی جانب بڑھا۔ جرنیل پولک ۵۔ اپریل ۱۸۴۲ء کو راجہ گلاب سنگھ کی وجہ سے ہی درّہ خیبر عبور کرنے کے قابل ہوا تھا۔

راجہ گلاب سنگھ کی اس پالیسی نے جہاں انگریزوں کو اپنے قدم ہندوستان میں مستحکم کرنے میں مدد دی وہاں اس پالیسی کی بدولت دربارِ لاہور کی بُنیادیں ہلانے میں انگریزوں کو کافی موقعہ میسّر آیا۔ اور اس سازش کا پردہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے بورڈ آف ڈائرکٹرز کے مسٹر کلارک کی ایک چٹھی مورخہ ۱۸۔ اپریل ۱۸۴۲ء سے بھی بخوبی چاک ہوتا ہے۔ جس میں نہایت ہی واضح الفاظ میں اُس نے لکھا ہے

"ہم نے اپنے جرنیلوں سے سُنا ہے کہ آپ نے ہماری افواج کی نہایت دانش مندی کے ساتھ مدد کی۔ اور یہ ہماری دوستی کا وہ پہلو ہے جو عرصۂ دراز تک مخفی تھا۔ اور اب ظاہر ہو رہا ہے، ہم اس بات کو کبھی فراموش نہیں کر سکتے ہیں کہ ہماری افواج کی امداد کرنے میں آپ کو کس قدر مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑا۔ مگر یہ ہماری اور آپ کی دوستی کا ایک دیرینہ راز تھا جو آج روزِ روشن میں منظرِ عام پر آ رہا ہے۔"

راجہ گلاب سنگھ کی انگریز نواز پالیسی، دربارِ لاہور سے زیادہ دیر تک پوشیدہ نہ رہی۔ اُنہوں نے اُس کے بھائی راجہ دھیان سنگھ کو جو دربارِ لاہور کا وزیرِ اعظم تھا، گولی کا نشانہ بنا دیا اور فوراً جا کر جموں پر حملہ کر دیا اور راجہ گلاب سنگھ کو گرفتار کر کے لاہور لے آئے جہاں ۱۵ اگست ۱۸۴۵ء کو ۴۸ لاکھ روپے جرمانہ کے طور پر ادا کر کے گلاب سنگھ پھر اپنے اختیارات پر بحال ہو گیا۔

اس کے فوراً بعد ہی انگریزوں نے دربارِ لاہور سے ستلج کو اپنی عمل داری میں لینے کا مطالبہ کیا اور ساتھ ہی اپنے ایک ریزیڈنٹ کو لاہور میں رکھنے کے لئے کہا۔ اس مطالبے کو سکھ حکومت نے بُری طرح ٹھکرایا۔ ردِّ عمل کے طور پر ۱۰ فروری ۱۸۴۶ء کو ایسٹ انڈیا کمپنی اور سکھوں کے درمیان ایک خونریز جنگ چھڑ گئی۔ راجہ دھیان سنگھ کے قتل کے بعد دربارِ لاہور کے تقریباً تمام تجربہ کار

جرنیل باہمی حسد اور رقابت کی وجہ سے ایک دوسرے کو موت کے گھاٹ اتار رہے تھے، دربارِ لاہور کی عنان رانی جنداں کے ہاتھ میں تھی اور وزیرِ اعظم لال سنگھ تھا۔

عہد و پیمان

اعلانِ جنگ کے ہوتے ہی دربارِ لاہور نے راجہ گلاب سنگھ کو حکم دیا کہ وہ اس کی سرحدوں کی حفاظت کریں۔ مگر راجہ گلاب سنگھ انگریزوں کے ہاتھوں بِک چکا تھا۔ اس نے رانی کو یہ کہہ کر کورا جواب دیا کہ انگریزوں کے معاملات میں دخل اندازی نہ کرو۔ کمپنی نے معاہدے کی خلاف ورزی نہیں کی، لہٰذا ان سے جنگ کرنا غلطی ہوگی۔ اور کونسل ایجنسی کو بھی ایک خط کے ذریعہ اپنی وفاداری کا یقین دلایا۔ اندھے کو کیا چاہیئے، جب گلاب سنگھ جیسا تجربہ کار اور دربارِ لاہور کا وفادار جرنیل انگریزوں کی امداد اور پُشت پناہی کر رہا ہو، میدانِ جنگ کا نقشہ بدلنے میں پھر کیا تاخیر ہو سکتی تھی! یُوں بھی جنگ کا رُخ سِکھوں کے خلاف تھا، اور انگریزی فوجیں لاہور کے قریب تر پہنچ گئی تھیں۔ مجبوراً رانی نے گلاب سنگھ کو کامل اختیارات دے کر ایسٹ انڈیا کمپنی سے گفت و شنید کے لئے بھیجا۔

میجر لارنس نے پہلے ہی راجہ گلاب سنگھ سے سودا طے کر لیا تھا کہ تمہیں خود مختار راجہ تسلیم کیا جائے گا اور علاقہ کشمیر کو ایک

معمولی رقم کے عوض تمہاری مملکت سے منسلک کیا جائے گا، بشرطیکہ بیاس اور ستلج کے مابین کا سارا علاقہ انگریزوں کے حوالے کر دیا جائے۔ اس تجویز کو راجہ گلاب سنگھ نے بخوشی مان لیا اور صلح نامہ کی گفت و شنید کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا۔ ۲۰ فروری ۱۸۴۶ء کو صلح نامہ میں یہ تحریر پایا کہ بیاس اور ستلج کے مابین علاقہ کو انگریز کے حوالے کر دیا جائے گا اور ۱,۵۰۰,۰۰۰ پونڈ بطورِ تاوانِ جنگ ادا کئے جائیں۔ راجہ گلاب سنگھ جانتا تھا کہ ۱,۵۰۰,۰۰۰ پونڈ دربارِ لاہور ادا نہیں کر سکتا ہے، لہٰذا وہ اسی بہانے اپنی خود مختاری تسلیم کرا سکتا ہے۔ چنانچہ ۹ مارچ ۱۸۴۶ء کو عہد نامہ لاہور کے ایک ہفتہ بعد بدنامِ زمانہ بیع نامہ امرتسر پر دستخط ہوئے۔ جس کی رُو سے راجہ گلاب سنگھ مہاراجہ جموں و کشمیر کہلائے۔ غالباً دربارِ لاہور کی رانی کو اس ذہنی کشمکش کے دوران، جو راجہ گلاب سنگھ کی اس غدارانہ پالیسی سے پیدا ہوئی تھی، سکندر اور پورس کا وہ سوال و جواب بھی یاد آیا ہوگا۔ جب سکندر نے راجہ پورس سے کہا تھا کہ فاتح کو مفتوح کے ساتھ کس طرح پیش آنا چاہیئے؟ پورس نے جواب میں کہا تھا کہ اُس سبق کو سامنے رکھ کر، جو آج کے دِن حاصل ہوا، جب کہ تم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ دولت اور اقبال کتنی جلدی خاک میں مِل جاتے ہیں۔ مگر آج راجہ گلاب سنگھ لاہور میں گرفتار ہو کر نہیں آئے تھے بلکہ

ایک فاتح کی حیثیت سے اور درپردہ اپنے بھائی کے خون کا بدلہ لینے کے لئے انگریزوں کے اشارے پر دربارِ لاہور کی عزت و آبرو کا سودا کرنے آیا تھا۔

صلح نامہ امرتسر

یہی وہ بدنامِ زمانہ عہدنامہ ہے جس کی رُو سے مہاراجہ گلاب سنگھ نے بدیشی تاجروں سے کشمیر کو سو سال کے لئے گروی لے لیا۔

"عہدنامہ جو ایسٹ انڈیا کمپنی کے فریڈرک کری اور آنریری میجر منٹگمری لارنس، کے، جو رائٹ آنریبل سر ہارڈنگ جی سی، بی شہنشاہ انگلشیہ کے آنریبل پریوی کونسل اور ایسٹ انڈیا کمپنی کے نام سے تمام امور کی نگرانی کے احکام کے ماتحت ہندوستان میں کام کر رہے ہیں اور مہاراجہ گلاب سنگھ والئی جموں کے مابین طے پایا۔

دفعہ نمبر ۱: سرکارِ انگلشیہ مہاراجہ گلاب سنگھ اور اُن کے ورثا کو تمام کوہستانی مع تمام علاقہ جموں و مشمولات کے، جو دریائے سندھ اور راوی کے مشرق و مغرب کے درمیان ہے، مع علاقہ چمبہ کے، ماسوائے علاقہ لاہور کے جو سرکارِ انگلشیہ کو مطابق دفعہ نمبر ۴ عہدنامہ لاہور ۹ مارچ ۱۸۴۶ء کو ملا ہے، با اختیارِ خود مستقل طور پر عطا کرتے ہیں۔

دفعہ نمبر ۲: اس علاقہ کے مشرقی حدود کو، جو دفعہ نمبر ۱ کی رُو سے مہاراجہ گلاب سنگھ کو دئے گئے ہیں، کمشنر متعین کریں گے۔ جنہیں برطانوی گورنمنٹ اور مہاراجہ گلاب سنگھ اس مقصد کے لئے نامزد کریں گے اور اس کی تخصیص و پیمائش ایک علیحدہ مسودہ میں کر دی جائے گی۔

دفعہ نمبر ۳: علاقہ جات مقبوضہ کے عوض مہاراجہ گلاب سنگھ حکومتِ انگلشیہ کو ۷۵ لاکھ روپے نانک شاہی ادا کریں گے۔ ۵۰ لاکھ نانک شاہی روپے استحکام عہدنامہ کے وقت ادا کئے جائیں گے۔

دفعہ نمبر ۴: مہاراجہ گلاب سنگھ کے علاقوں کی حد کو کسی وقت بھی انگریزی حکومت کی رضامندی کے بغیر تبدیل نہیں کیا جائے گا

دفعہ نمبر ۵: سرکارِ انگلشیہ اُن تمام مسائل اور جھگڑوں کا، جو دربارِ لاہور یا دوسری کسی ہمسایہ سلطنت سے مہاراجہ گلاب سنگھ یا اُن کے وارثوں کے درمیان واقع ہو، خود فیصلہ کرے گی۔ اور مہاراجہ گلاب سنگھ کو سرکارِ انگلشیہ کے فیصلوں پر کاربند رہنا ہوگا۔

دفعہ نمبر ۶: مہاراجہ گلاب سنگھ اس حکم کا ذمہ دار ہے کہ وہ اپنی ذات، اپنے ورثا اور اپنی تمام فوج اور حکام سلطنت کے ساتھ انگریزی فوج میں شمولیت اختیار کرے گا۔ جب کہ

وہ علاقہ کوہستانی کے اندر مصروف کار ہو یا ان علاقہ جات میں جو اس کے مقبوضات سے وابستہ ہوں۔

دفعہ ۷: مہاراجہ گلاب سنگھ اس امر کا ذمہ دار ہے کہ وہ سرکارِ انگلشیہ کے حکم کے بغیر اپنی ملازمت میں سلطنتِ انگلشیہ کے کسی باشندے کو یا کسی غیر ملک یا ریاستہائے متحدہ امریکہ کے کسی باشندے کو لے گا اور انہیں بحال رکھے گا۔

دفعہ ۸: راجہ گلاب سنگھ اس امر کا ذمہ لیتا ہے کہ وہ منتقلہ علاقہ جات کے ضمن میں دفعہ ۵، ۶ اور دفعہ ۷ کی شرائط ملحوظ رکھے گا اور ایسا ہی سرکارِ انگلشیہ اور دربارِ لاہور کے مابین علیحدہ طور پر ۱۱ مارچ ۱۸۴۶ء کو طے شدہ عہد نامے کی پابندی کرے گا [مذکورہ شرائط جاگیرداروں کے بقایا خراج اور قلعوں کے اثاثہ سے متعلق تھیں جن کا انتقال مطلوب تھا]

دفعہ ۹: برطانوی حکومت مہاراجہ گلاب سنگھ کو بیرونی دشمنوں کے خلاف اپنے علاقہ جات کے دفاع اور حفاظت کے لئے امداد دیا کرے گی۔

دفعہ ۱۰: مہاراجہ گلاب سنگھ سرکارِ انگلشیہ کی شہنشاہیت کا اقرار کرتا ہے اور اس ملوکیت کے صلہ میں سرکارِ انگلشیہ کی خدمت میں سالانہ ایک تنومند اسپ تازی، بارہ پشم دار بکریاں مسلم نسل کی (چھ نر اور چھ مادہ) اور تین جوڑے کشمیری جاموار

شالوں کے پیش کیا کرے گا۔

(نوٹ): ۱۳ مارچ ۱۸۸۴ء کو برطانوی گورنمنٹ اور گلاب سنگھ کی باہمی رضامندی سے آئندہ مہاراجہ گلاب سنگھ سے بارہ بکریوں کے بدلے دس پونڈ پشم اپنی اصلی حالت میں چار پونڈ عمدہ سیاہ، چار پونڈ خاکی، چار پونڈ سفید اُون کا، جیسے کہ وہ لیہہ سے کشمیر لائی جاتی ہے اور سفید سُوت کی تین بہترین قسموں میں سے ہر ایک کا ایک ایک پونڈ نذرِ سرکار کیا کرے گا۔

اس دس دفعات پر مشتمل صلح نامہ کا تصفیہ آج فریڈرک کری اور آنریری میجر ہنری منٹگمری لارنس نے رائٹ آنریبل سر ہنری ہارڈنگ کے احکام کے ماتحت حکومت انگلشیہ کی طرف سے مہاراجہ گلاب سنگھ نے بہ نفسِ نفیس کیا ہے اور معاہدہ مذکور پر آج رائٹ آنریبل سر ہنری ہارڈنگ جی، سی، بی گورنر جنرل کی مہر تصدیق ثبت کر دی گئی ہے۔

مقام تحریر امرتسر واقعہ ۱۶ مارچ ۱۸۴۶ء مطابق ۱۷۔ ربیع الاول ۱۲۶۲ھ

دستخط: ہنری ہارڈنگ (مہر)

دستخط: ایم، ایم، لارنس

دستخط: ایف، کری

دستخط: گلاب سنگھ

اس بیع نامہ کے سلسلے میں یہ چند نکتے قابل غور ہیں:۔

(الف) کشمیر اور اس کے ملحق علاقہ کی قیمت ۷۵ لاکھ روپے مقرر ہوئی ہے جس میں ۵۰ لاکھ روپے بوقتِ معاہدہ اور ۲۵ لاکھ روپے بعد میں دینے کا وعدہ ہے۔

(ب) ۷۵ لاکھ روپے کی کوئی بھی رسید کسی بھی سرکاری ریکارڈ میں شامل نہیں ہے اور نہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے رجسٹروں میں جمع کی مد میں شامل ہے۔

(ج) ایک رسید کا مسودہ مسٹر سی، گرے نے ردّی کاغذوں میں پایا تھا۔ جو اب بھی لاہور کے محافظ خانہ میں محفوظ ہے (سول اینڈ ملٹری گزٹ" ۱۲-اپریل ۱۹۳۹ء) یہ رسید ۷۵ لاکھ روپے کی ہے حالانکہ معاہدہ کی رُو سے گلاب سنگھ کو ۵۰ لاکھ روپے ادا کرنے تھے اور باقی بعد میں۔

(د) اصل رسید کے بارے میں یہ وثوق کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ وہ دنیا کے کسی بھی محافظ خانہ میں نہیں ہے اور نہ اس کا اندراج کسی بھی رجسٹر میں ہے۔

(ک) ہنری ہارڈنگ نے ملکہ وکٹوریہ کے نام اپنے خطوط میں لکھا ہے کہ کشمیر سیاسی اور فوجی مصلحت کی بنا پر گلاب سنگھ کو دیا گیا۔

(ل) ایسٹ انڈیا کمپنی برطانوی ہند اور روس کے درمیان ایک بفر (BUFFER) قائم کرنا چاہتی تھی اور انہیں چینیوں کا بھی احساس تھا۔ اور وہ پہاڑی علاقوں کے راجوں کی مڈبھیڑ سے بھی

خائف تھے۔ اس لئے انہوں نے اس زرخیز پہاڑی علاقہ کو راجہ گلاب سنگھ کے حوالہ کرکے اپنے مقبوضہ علاقہ کو محفوظ کیا۔

اس واقعہ کی تصدیق "تاریخ راجگان جموں و کشمیر" مصنفہ ٹھاکر کاہن سنگھ بلوریہ نے اپنی تصنیف کے صفحہ ۱۷۵-۱۷۴ پر اس طرح کی ہے کہ "انگریزوں نے کشمیر کے بدلے گلاب سنگھ سے ہزارہ، کوہاٹ، اور نمک کی کانوں کا علاقہ کھیوڑہ تبادلے میں حاصل کیا۔" اور دربارِ لاہور کے معاہدے سے بھی اس امر کی تصدیق ہوتی ہے کہ مہاراجہ گلاب سنگھ نے کشمیر کے بارے میں پہلے ہی سے انگریزوں سے سازش کر رکھی تھی۔ جس کے نتیجہ میں معاہدہ لاہور اور معاہدہ امرتسر عالم وجود میں آئے۔

بعد ازاں مہاراجہ نے ضلع اٹک اور ڈلہوزی کے کچھ علاقوں کو برضا و رغبت خود چھوڑ دیا اور اس کے عوض میرپور کا علاقہ، جس میں اُس وقت مسلمان نوابوں کی حکومت تھی، اپنے بیع نامہ میں شامل کرا لیا۔ اس طرح کل رقم میں ۲۵ لاکھ روپے کم کر وا کر ۴۱ لاکھ انسانوں کی سرزمین سنکیانگ سے لے کر دریائے سندھ تک کا سارا علاقہ بمعہ سر بفلک پہاڑوں، ہرے بھرے جنگلات، سونا بکھیرنے والے دریاؤں، بل کھاتی ہوئی نغمہ ریز ندیوں، صاف و شفاف چمکیلی جھیلوں، خوش ذائقہ اور زندگی بخش چشموں، لہلہاتے ہوئے زرخیز کھیتوں اور جنت نشان میووں سے لدے ہوئے باغات، زیرک، ذہین، خوبصورت اور خوش سیرت باشندوں کو غلامی کی بدترین زنجیروں میں جکڑ کر ان کے گھر بار، مال مویشی، عزت و آبرو اور متاع و اسباب حتیٰ کہ ان کی آنے والی نسلوں کو بھی ذاتی مال سمجھ کر راجہ گلاب سنگھ کو فروخت کیا۔

دربارِ لاہور کے ریاستی گورنر شیخ محی الدین وفات پا چکے تھے اور کشمیر میں اُن کا لڑکا شیخ امام الدین بحیثیتِ گورنر کشمیر اقتدار سنبھالے ہوئے تھا۔ جوں ہی اُسے اس خرید و فروخت کا علم ہوا، اُس نے کشمیر کے تمام چھوٹے چھوٹے راجاؤں کو بغاوت پر اُکسایا۔ راجوری، میرپور، پونچھ اور اوڑی کے راجواڑوں کے دوش بدوش کشمیر کے شال بافوں نے بھی علمِ بغاوت بلند کیا۔ کشمیریوں نے مائی سمہ اور درگجن کے مقامات پر ڈوگرہ فوج کے خلاف زبردست جنگ لڑی۔ جس میں پانچ ہزار ڈوگرہ سپاہی کام آئے یا بھاگ گئے۔[1] کشمیری فوجوں نے اُن کا تعاقب کیا اور اُن کو شنکر آچاریہ (تختِ سلیمان) کی پہاڑی کے قریب مارا۔ ڈوگرہ فوج کے دو نامی جرنیل دیوان لکھپت رائے اور وزیر رتنو اس معرکہ میں کام آئے۔[2] کشمیریوں کو اسلحہ فراہم کرنے میں نواکدل کے بندوق سازوں نے اہم پارٹ ادا کیا۔ اور یہ کشمیریوں کی صدسالہ قبل جد و جہدِ آزادی کی آخری یلغار تھی۔ جس کو راجہ گلاب سنگھ نے انگریزی فوج اور سکھ پلٹن کے بل بوتے پر راجوری کے راجہ مرزا نصرت اللہ کو شکست دے کر تار پیڈو کیا۔ لیفٹیننٹ ایڈورڈ ۱۵ اکتوبر ۱۸۴۶ء کے خط میں ہنری لارنس کو کشمیر کے حالات سے باخبر کراتے ہوئے لکھتا ہے

---

[1] تاریخ کشمیر حصہ سوم مصنفہ محمد الدین فوق صفحہ ۸۴

[2] جموں اخبار ۹ ستمبر ۱۸۴۶ء

شیخ امام الدین کی بیگم، جو ایک اعلیٰ خاندان سے تعلق رکھتی ہے، نے اپنے خاوند سے کہا ہے کہ جب تک نہ ڈوگرہ فوج کو کشمیر سے باہر نکالو گے، تم میرے پاس نہیں آسکتے۔ وہ بڑی بہادر اور جوشیلی عورت ہے جو نظریاتی طور پر اس بات کی قائل ہے کہ کشمیر میں مسلمانوں کی اکثریت ہے، اس لئے یہاں مسلمانوں کی حکومت ہونی چاہیئے۔

مرزا نصرت اللہ کی شکست کے بعد شیخ امام الدین، جس کو کشمیریوں سے کوئی ہمدردی نہ تھی، اپنے اقتدار کو بحال رکھنے کے لئے انگریزوں کو یہ کہنے کے لئے کہ "مجھ سے لاکھوں روپے لے لو اور کشمیر میرے حوالے کر دو"[1] جالندھر چلا گیا۔ جہاں اُسے گرفتار کر کے لاہور بھیجا گیا۔

اس کے بعد راجہ گلاب سنگھ شوپیان کے ملک کوں کی کشمیریوں سے غداری کی وجہ سے اپنی فوجوں کو چور راستے سے سری نگر تک پہنچانے میں کامیاب ہوا۔ اور اس آخری معرکہ میں کشمیری حریت پرستوں کو شکست دے کر ۹ نومبر ۱۸۴۶ء کو انگریزوں کی وفاداری کے نعرے لگاتا ہوا بقولِ لیفٹیننٹ ایڈورڈ "اب تیز تلوار ہی کشمیر کا فیصلہ کرے گی" کہتے ہوئے ایک فاتح حکمران کی حیثیت سے سری نگر میں دوبارہ داخل ہوا۔

مہاراجہ گلاب سنگھ کے دورِ حکومت میں کشمیری شال بافوں نے ۲ جون

---

[1] لائف ہسٹری لیفٹیننٹ ایڈورڈ صفحہ ۶۴

۱۸۴۷ء کو پہلی صنعتی ہڑتال کی۔ (داغ شال ایک خاص قسم کا محصول ۱۷۷۹ء میں افغان گورنر نے کشمیری شال بافوں پر عائد کیا تھا) پنڈت راجہ کاک در، جو مہاراجہ کے محکمۂ داغ شال کا انچارج وزیر تھا، کے مظالم کے خلاف احتجاج کرنے کے لئے شالباف مہاراجہ گلاب سنگھ سے ملے اور اُسے پنجاب کی طرف ہجرت کرنے کی اجازت مانگی۔ مشتعل ہجوم نے پنڈت راجہ کاک در کا بُت بنا کر سرِ بازار جلایا۔ مہاراجہ گلاب سنگھ نے مشتعل ہجوم کو دیکھ کر اُن کے رہنماؤں کو اطمینان دِلایا اور بہتر موقعہ شناسی کا ثبوت دیا۔

۱۶؍ اگست ۱۹۴۷ء کو مہاتما گاندھی نے اس عہدنامے کو بکری پتر کا نام دیا۔ "کشمیر چھوڑ دو" تحریک کے دوران آنجہانی پنڈت جواہر لال نہرو نے اس عہدنامہ کو ریاستی عوام کی غلامی کا سند نامہ کہا۔ جناب شیخ محمد عبداللہ نے اسے بیعنامۂ امرت سر کے نام سے پُکارا۔ مہاتما سردار بُدھ سنگھ نے اس معاہدے کو دو ڈاکوؤں کے درمیان خرید و فروخت کا نام دیا۔ مولانا محمد سعید مسعودی نے بیعنامۂ امرت سر کو نیلامی کے مال کے سند نامہ سے تشبیہہ دی اور حکیم مشرق علّامہ اقبال نے یوں کہا ؎

دہقاں و کشت و جوئے و خیاباں فروختند
قومے فروختند و چہ ارزاں فروختند

سکامیر

تاریخِ لداخ کا جائزہ لینے سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۶؍ اگست ۱۸۴۹ء کے کچھ عرصہ بعد ہی مہاراجہ گلاب سنگھ نے لداخ پر حملہ کرنے کے لئے انگریزوں سے خفیہ صلاح و مشورہ کر کے جرنیل زورآور سنگھ کے ماتحت پانچ ہزار سپاہیوں کی معیت میں لداخ کے بادشاہ اجات محمود خان تسپال نمیگل پر حملہ کیا۔ پشکیوم کے میدان میں زبردست مقابلہ ہوا۔ جس میں لداخیوں کو شکست ہوئی۔ اس معرکہ میں اجات محمود خان تسپال نمیگل کے ساتھ راجہ درجے نمیگل، راجہ چھچھوت، راجہ بانگے کھالم گرفتار ہوئے جنہیں جرنیل زورآور سنگھ کے حکم سے قتل کیا گیا۔ رحیم خان جس کی آتش بیانی نے لداخی راجوں کو بادشاہ کی امداد کے لئے اُکسایا تھا، گرفتار کر کے زبردستی اُس کے مُنہ میں افیون ٹھونس دی گئی اور اُس کا دایاں ہاتھ کاٹ کر زخم پر اُبلتا ہوا تیل ڈالا گیا۔ اُس کی زبان اور کان کاٹ کر سپاہیوں کو دئے گئے اور اُن کا تمسخر اُڑانے کے لئے اُسے فوج کے دائرے میں لایا گیا۔ اُنہوں نے اُس کو تھپیڑ مارے اور تھوکا۔ ان مصائب کو برداشت کرتے ہوئے وہ دو دِن بعد مر گیا۔ اس معرکہ میں ۲۳ ڈوگرے سپاہی مارے گئے۔ ساٹھ زخمی ہوئے۔ بارہ سو لداخی قیدی بنائے گئے اور ۴۰۰ لداخی پانی میں ڈبو دئے گئے۔ تاوانِ جنگ کے طور پر جرنیل زورآور سنگھ نے عورتوں کے سونے چاندی

کے زیورات اور ہیرے اُن سے چھین لیے۔ ہانلے اور تاشی گونگ کی مونسٹری "گھُمپا" سے سونے اور چاندی کی مورتیاں چُرائی گئیں۔ ۲۱۳ لداخیوں کو درختوں سے لٹکا کر پھانسی دی گئی۔ اور بادشاہ اجبات محمود خان تسپال نمگیل کو قیدی بنا کر تبت کی طرف بڑھنے لگا۔ مگر راہ میں لداخ کے اس اسیر بادشاہ سے خوف محسوس ہونے لگا جس کی بنا پر اُسے قتل کیا گیا۔

لداخ کو خالی پا کر مقامی لوگوں نے بلتستانیوں کے ساتھ مل کر علمِ بغاوت بلند کیا۔ سنہ ۱۸۴۵ء کے خاتمہ پر لداخیوں کو سکا میر (جس کے نام پر آج بھی لداخی فخر سے سر اونچا کرتے ہیں) نامی ایک لیڈر ملا۔ اس کی جادو بیانی اور سِس تل میر کی جنگی سوجھ بوجھ نے مل کر تمام لداخیوں کو بغاوت پر آمادہ کیا۔ ڈوگرہ غلامی سے نجات حاصل کرنے اور عملی جدوجہد کے لئے ان لیڈروں نے اپنے عوام کو اُکسانے کی ابتدائی کوشش شروع ہی کی تھی، سکا میر جرنیل زورآور سنگھ کے ہاتھوں گرفتار ہوا۔ بغاوت کو فرو کرنے کے لئے اس کا دایاں بازو کاٹ کر کھلی برج پر لٹکایا گیا۔ اور اُس کے دائیں کندھے پر اُبلتا ہوا تیل ڈالا گیا۔ اُس کی زبان کاٹی گئی۔ اور جب وہ شدتِ کرب سے نڈھال ہو کر جان دے رہا تھا تو اُس کو پھانسی پر لٹکایا گیا۔ جس کے بعد سرحدی علاقہ کے لوگوں نے پھر کبھی ڈوگرہ حکومت کے خلاف بغاوت یا سرکشی کا عزم تک نہ کیا۔

سنہ ۱۸۶۱ء میں ریاست میں جو پہلا اخبار جاری ہوا، وہ جرمن مبلغ میرون مشن کی زیرِ ادارت لیہہ سے جاری ہوا۔ جو مہاراجہ پرتاپ سنگھ کے دورِ حکومت میں بند کیا گیا۔ یہ پندرہ روزہ اخبار تھا۔ جو "لداخی اخبار" کے نام سے عیسائیت کا پرچار کرتا تھا۔

رنبیر سنگھ

مہاراجہ گلاب سنگھ ۲۵ ساون ۱۹۱۴ بکرمی بمطابق اگست ۱۸۵۸ء کو چھیاسٹھ برس کی عمر پا کر سرینگر میں وفات پا گئے۔ اس کے بعد ان کا تیسرا بیٹا میاں پھینول جو ۱۸۲۹ء میں پیدا ہوا تھا، مہاراجہ رنبیر سنگھ کے لقب سے تخت نشین ہوا۔

مہاراجہ رنبیر سنگھ کی حکومت ریاست کی تاریخ میں تباہ کُن نتائج کا باعث بنی۔ سکھ جاگیردارانہ نظام نے، جو پہلے ہی بدتر تھا، ڈوگرہ حکومت کو جگہ دی۔ جس میں مہاراجہ گلاب سنگھ نے ساری زمین کی ملکیت کا حق حاصل کیا اور تمام ریاست کی اقتصادی حالت درہم برہم ہو کے رہ گئی۔ یہ حالت اس وجہ سے اور بھی ابتر ہو گئی کہ مہاراجہ گلاب سنگھ نے جو رقم انگریزوں کو دی تھی، مہاراجہ رنبیر سنگھ نے وہ بھاری ٹیکسوں اور دوسرے ذرائع سے پوری کرنا شروع کر دی۔ یہ مطلق العنانیت لوگوں کی ایک بڑی تعداد کو غلامی کی سطح پر لے آئی۔ ۶ جون سنہ ۱۸۶۶ء کو کوئی چار ہزار کارگیروں کا قافلہ کشمیر سے

لاہور کی طرف تلاشِ معاش کے لئے روانہ ہوا۔ اور ان ہی لوگوں کی اولاد آج کل پنجابی کشمیری کہلاتے ہیں۔ کشمیریوں میں آج بھی وزیر پنّوں کا حصّہ مشہور ہے۔ وزیر پنّوں، مہاراجہ رنبیر سنگھ کے خاص الخاص وزیروں میں شمار کئے جاتے تھے۔ اس عہد میں گلگت سامان لے جانے کے لئے بیگار کا سلسلہ شروع کر دیا گیا تھا۔ جب بیگار میں پکڑے ہوئے کشمیری دیہاتی، راستہ میں دم توڑ دیتے تھے تو اُن کے وارثوں کو ان کی لاشیں حوالہ کرنے کے بجائے اُن کا بوجھ منزلِ مقصود تک پہنچانے کی ذمّہ داری اُن کے رشتہ داروں پر ڈالی جاتی تھی اور یہ سب وزیر پنّوں کی زیرِ نگرانی کیا جاتا تھا۔ بیگار کی مصیبت سے چھٹکارا پانے کے لئے لوگوں نے اپنی جائز و ناجائز آمدنی میں سے ایک مخصوص حصّہ اُٹھا کر وزیر پنّوں کو پیش کرنا شروع کیا۔ رفتہ رفتہ رشوت ستانی کی یہ ایجاد کشمیریوں کے لئے دستور بنا۔ بے دردی اور ظلم کے اس حصّہ کو وزیر پنّوں کا حصّہ کہا جاتا تھا۔

رابرٹ تھروپ

رابرٹ تھروپ پہلا غیر ملکی باشندہ ہے جس نے مہاراجہ رنبیر سنگھ کے دورِ حکومت میں کشمیر کے لئے اپنی جان دے دی۔ ۱۸۳۳ء میں ایک انگریز لیفٹیننٹ کرنل تھروپ، سیاحت کی غرض سے کشمیر آیا۔ اور توسہ میدان کے دِل فریب مرغزاروں کی سیر کرتے ہوئے اُسے راجہ

دائم راٹھور، جو کہ کشتواڑ کے شاہی خاندان سے تھی، کی حسین و جمیل بیٹی سے آنکھیں چار ہوئیں اور اُس پر فریفتہ ہوا۔ کرنل حبیب اللہ خان، جو کہ راجہ دائم راٹھور کا ماموں زاد بھائی اور مہاراجہ گلاب سنگھ کی فوج میں کرنل تھا، کی وساطت سے جانی کا نِکاح کرنل تھروپ سے ہوا۔ شادی سے قبل لیفٹیننٹ کرنل تھروپ نے اسلام قبول کیا۔ شادی کے کچھ عرصہ بعد کرنل تھروپ جانی کو لے کر انگلستان چلا گیا۔

رابرٹ تھروپ ان کا تیسرا بچّہ ہے جس نے لندن میں علمی تعلیم پائی اور ننھیال کی کشش نے اُسے افریقہ کے گرد چکّر کاٹنے اور ہندوستان کی سرزمین پر قدم رکھنے پر مجبور کیا۔ کچھ عرصہ بمبئی اور دہلی کی سیاحت کے بعد وہ ۱۸۶۵ء میں کشمیر پہنچا۔ اس میں شک نہیں کہ رابرٹ تھروپ اپنی ماں کی زبانی کشمیر کے قدرتی مناظر، کشمیریوں کی زبوں حالی اور مطلق العنانیت کے واقعات سُنتے ہوں گے۔ ان دنوں غیر ریاستی باشندوں کو ریاست میں داخلہ کے لئے خصوصی اجازت نامے حاصل کرنے پڑتے تھے اور وہ دو مہینوں سے زیادہ یہاں قیام نہیں کر سکتے تھے لیکن رابرٹ تھروپ اس عزم کے ساتھ ریاست میں داخل ہوا تھا، اُس وقت تک واپس نہیں لوٹوں گا جب تک اس بڑے قید خانے کے مظلوم باشندوں کا صحیح خاکہ دُنیا والوں کے سامنے پیش نہ کروں گا۔

انہوں نے اپنی تصنیف "مِس گورنمنٹ اِن کشمیر" کے دیباچہ میں لکھا ہے کہ "اُن کے لئے جو انسانوں پر ظلم و استبداد کو ناپسند کرتے ہیں۔

اور اُن لوگوں کے لئے جو اخلاقی، مذہبی اور سماجی اعتبار سے اعلیٰ ہیں، جبر پسند نہیں کرتے، میں اُن کی اطلاع کے لئے لکھ رہا ہوں۔"

"مِس گورنمنٹ اِن کشمیر" میں اہلِ کشمیر کی زبوں حالی اور حکومت کی چیرہ دستیوں کا مکمل خاکہ کھینچتے ہوئے اُنہوں نے لکھا ہے کہ جو کچھ بھی کسان اُگاتا ہے اُس میں سے راجہ سے لے کر معمولی ہرکارہ تک بتدریج حصہ دار ہے۔ تحصیل دار، تھانیدار، کاردار، مُقدم، پٹواری، شک در، سرگول، ترگ دار، ہرکارہ اور ایسے ہی دوسرے سرکاری، نیم سرکاری کارندے غریب اور مظلوم کسانوں کا خُون چُوس رہے ہیں۔ ہر ۳۲ ترک[1] پیداوار میں مندرجہ ذیل کاٹ چھانٹ ہوتی ہے:۔

حکومت کا حصہ	۲۰ ترک	۷ سیر
سرگول "	۔	۱ ۱/۲ "
شک در "	۔	۱ "
ترگ دار "	۔	۳/۴ "
ہرکارہ "	۔	۱ ۱/۲ "
پٹواری "	۔	۱ ۱/۲ "
کاردار "	۔	۱/۲ "
میزان	۲۰ ترک	۶ ۳/۴ سیر

[1] ترک کشیری پیمانہ ہے جو برابر ہے کیلوگرام کے

غیر انسانی قسم کے ٹیکسوں کے بوجھ سے عوام کی کمر دبی جا رہی ہے۔ اور اگر یہ سلسلہ یُوں ہی جاری رہا تو وہ دِن دُور نہیں جب اُن کی کمر ٹُوٹ جائے گی۔ ان ٹیکسوں کی تفصیل بتاتے ہوئے مسٹر رابرٹ تھروپ نے کہا ہے کہ مندرجہ ذیل ٹیکس بھی کشمیریوں کو ادا کرنے پڑتے ہیں۔

(الف) رسدات :۔ اناج کا سالانہ ٹیکس جو چار آنے سے سوا روپیہ فی کس عائد ہوتا ہے۔

(ب) میوہ ٹیکس :۔ اخروٹ، بادام، سیب، خوبانی اور دوسرے میوؤں کی کُل قیمت کا ۳/۴ حصہ

(ج) ٹیکس حیوانات: سالانہ ۲ یا ۳ بکریاں یا گوسفند

(د) ٹیکس اسپاں : گھوڑوں کا ٹیکس

اس کے علاوہ کھانے پینے کی چیزیں مثلاً دُودھ، تیل، مرچ، مکھن، شہد وغیرہ پر بھی ٹیکس ادا کرنا پڑتا ہے۔

جام وار شال بنانے والے کاریگروں کا تذکرہ کرتے ہوئے رابرٹ تھروپ کہتا ہے کہ "خواہ شال باف مزدور اندھا ہو جائے، وہ اُس وقت تک چھُٹکارا حاصل نہیں کر سکتا ہے جب تک کہ وہ اپنی جگہ کسی دوسرے کو مہیا نہ کرے۔ اس طرح اُن کی حیثیت ایک یرغمال کی سی ہے۔ چاہے وہ بیمار ہو جائے یا موت و حیات کی کش مکش میں مُبتلا ہو، اُسے کارخانہ کی تنگ و تاریک کوٹھڑی چھوڑنے کی اجازت نہیں مِل سکتی ہے اور وہ کشمیر کی بہاروں کی کھُلی ہوا میں سانس نہیں لے سکتا۔

حکومت، رابرٹ تھروپ کی حرکات و سکنات سے بے خبر نہ تھی لیکن اُسے انگلستان کا باشندہ سمجھ کر اُس پر ہاتھ ڈالنے سے کترا رہی تھی۔

—— اور پھر ۲۲ر نومبر ۱۸۶۸ء کو اُسے کوہِ سلیمان پر مُردہ پایا گیا۔ اُس کی موت کیسے وقوع پذیر ہوئی؟ یہ ایک سربستہ راز ہے جس کی گرہ آج تک نہ کھُل سکی۔ گمان ہے کہ اُس کا گلہ گھونٹ لیا گیا ہو! رابرٹ تھروپ شیخ باغ سری نگر کے عیسائی قبرستان میں دفن ہیں اور اُس کی قبر پر یہ عبارت کندہ ہے :—

رابرٹ تھروپ عمر ۳۰ سال ۲۲ر نومبر ۱۸۶۸ء
جس نے اپنی زندگی کشمیر پر قربان کردی۔

رابرٹ تھروپ کشمیر کا وہ پہلا غیر ملکی ہمدرد اور دوست ہے جس نے اپنی ماں کی چیختی چلاتی اور سسکیاں بھرتی ہوئی سرزمین کی پکار کو باپ کے نوآبادیاتی حکمرانوں کے کانوں تک پہنچانے کے لئے وہ سب کچھ کیا جو ایک انسان دوست کرسکتا ہے!

پہلی یلغار

سکھ دورِ حکومت میں شال بافوں کی حالت بدتر ہوگئی تھی۔ مہاراجہ گلاب سنگھ نے اُن کی بڑھتی ہوئی بے چینی کو دیکھ کر غلہ کی وقتی ضرورت کو پورا کیا۔ لیکن اُن کے مصائب کا ازالہ نہ ہوسکا۔ پنڈت راج کاک در داروغہ (انچارج منسٹر) نے صراف کدل کے قریب ایک وسیع عمارت میں

اپنا دفتر قائم کر کے شال بافوں اور کارخانہ داروں سے داغ شال کے نام پر سختی سے ٹیکس وصول کرنا شروع کیا۔ اور وزیر پنوں کی رشوت ستانی نے شال بافوں کو منظم طور پر احتجاج و فریاد کرنے پر مجبور کیا۔ رسول شیخ ٹینکی کدل، قدہ لالہ، عبلی پال اور سونہ شاہ رہنماؤں کی سرکردگی میں شال بافوں کا ایک وفد دیوان کرپارام سے ملا۔ اس موقعہ پر پنڈت راج کاک در اور وزیر پنوں، جن سے شال بافوں کا وفد اس سے قبل قاضی گنڈ میں ملا تھا، دیوان کرپارام کو باور کرانے میں کامیاب ہوچکے تھے کہ دراصل یہ مزدور اُس کی جان کے درپے ہیں۔ اس خبر کو پاتے ہی دیوان نے وفد سے نہ ملنے کا اظہار کیا۔ اس سے مزدوروں کی بے چینی اور بڑھ گئی۔ چنانچہ ۲۹ر اپریل ۱۸۶۵ء کو پہلی بار صنعتی مزدور ایک منظم جلوس کی صورت میں میدانِ ذال ڈگر سری نگر میں جمع ہوئے۔ دیوان کرپارام نے کرنل بیجے سنگھ کو ان بھوکے، قلاش اور نہتے مزدوروں کے محاصرہ کا حکم دیا اور ان کو پل حاجی راتھر کی طرف دھکیل دیا گیا۔ اس فوجی نقل و حرکت اور دہشت ناک مظاہرے سے سینکڑوں افراد زخمی ہوئے اور ۲۸ اشخاص دریا میں دھکیل کر شہید کئے گئے۔ یہ واقعہ جہاں ہندوستان کے صنعتی مزدوروں کی بیداری کا پہلا باب کھولتا ہے وہاں تحریک حریت کشمیر کے یہ پہلے گمنام شہید ہیں۔ شہدا کی ان ۲۸ لاشوں کو رات پھر خفیہ طور دریا سے نکال کر اگلے دن مزدوروں نے پھر جلوس نکالا اور یہ طے پایا کہ

انہیں مہاراجہ رنبیر سنگھ کے سامنے پیش کر کے دادرسی کا مطالبہ کریں گے۔ لیکن اس موقعہ پر دیوان کرپا رام نے وزیر پنوں، دیوان بدری ناتھ اور کرنل بیجے سنگھ کو ہدایت دی کہ وہ جلوس کی راہ روک لیں اور انہیں کسی صورت میں آگے بڑھنے دیں اور منتشر کریں۔ جس میں وہ کامیاب ہوئے اور اسی شام کو ان کے رہنماؤں کو گرفتار کر کے شیر گڑھی لایا گیا۔ جہاں انہیں تازیانوں کی سزا دی گئی اور پھر طوق اور بیڑیاں پہنا کر قید کر لیا گیا۔ رسول شیخ اور علی پال نے اسی حالت میں جموں جیل میں ٹی، بی کے عارضہ میں مبتلا ہو کر جان دے دی۔ قدہ لالہ اور سونہ شاہ کو بھی زندہ نہیں چھوڑا گیا۔

ریزیڈنسی

۱۸۸۶ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی نے روسی خطرے کا بہانہ بنا کر مہاراجہ رنبیر سنگھ سے گلگت میں پولیٹیکل ایجنسی قائم کرنے کی اجازت حاصل کی۔ کچھ عرصہ بعد مہاراجہ رنبیر سنگھ نے انگریزوں کو گلگت ایجنسی بند کرنے کو کہا۔ اگرچہ انگریزوں نے مہاراجہ کی ہدایت مان لی، مگر کچھ مدت گزرنے کے بعد انگریزوں نے پھر ریزیڈنسی قائم کرنے کی اجازت چاہی جسے مہاراجہ نے تسلیم نہ کیا۔ اور نہ ہی ایجنسی قائم کرنے کی اجازت دی۔

ان واقعات پر تبصرہ کرتے ہوئے پادری رجب علی سابق ایڈیٹر

اخبار "وکیل الاخبار" کوکب کی تصنیف "ریاست جموں و کشمیر کے تعلقات انگریزی گورنمنٹ سے" کا مندرجہ ذیل اقتباس کشمیر کے اندرونی حالات اور برطانوی ڈپلومیسی کو سمجھنے کے لئے درج کیا جاتا ہے:۔

"کشمیر میں ریزیڈنسی قائم کرنے کی بڑی وجہ یہ ہے کہ کشمیر روس کی حملہ آوری کے لئے ہندوستان کا تیسرا دروازہ ہے۔ کشمیر میں انگریزی فوج کا کیمپ ضرور قائم ہوگا۔ کیونکہ یہ امر بہت سے حالات پر منحصر ہے۔ ہاں البتہ اس سے کشمیر کی رعایا، جو دنیا میں گویا بے خدا ہیں، آسودہ ہو جائے گی۔ دربار جموں و کشمیر ایک ایسا دربار ہے جہاں چھانٹ چھانٹ کر متعصب لوگ بھرتی کئے جاتے ہیں۔ ہائے افسوس! چند نقمہ خور اردو اخباروں کے سوائے کشمیریوں کی حالت کو، جو وہاں کے مقہور و مظلوم کس مپرسی رعایا ہے، کون نہیں کہہ سکتا ہے کہ وہ گویا اس دنیا میں بے خدا ہیں۔ یہ مانا کہ انگریزی اخباروں والے بہت زیادتیاں بھی کرتے ہیں اور یہ بھی صحیح کہ "واں کا حال بیان کرتے ہیں بے پر اڑاتے ہیں" کا مقولہ صادق اور چسپاں ہے۔"

پھر بھی ان زیادتیوں سے بھی قطع نظر کر کے دیکھا جائے تو پھر بھی کشمیر کی حالت افریقہ کے وحشیوں کی حالت سے ذرہ بھی کم نہیں ہے اور اگر اور بھی سچ پوچھنا چاہتے ہیں تو ان بدنصیب اور ازلی سیاہ بختوں پر تو نہ صرف آج سے بلکہ ہمیشہ ہی سے آفت رہی۔ اور یہ خطہ ہر ایک جابر اور ظالم قوم کی شکارگاہ بنا رہا۔ ہندو راجاؤں کی بربادی کے بعد مسلمانوں نے ان کا وہ حال

کیا کہ کسی مُلک اور کسی قوم کی تاریخ میں اُس حال کا پتہ تک نہیں ملتا۔ اگر چغتے آئے تو صرف بادشاہوں اور امیروں کے لئے۔ واں کے باشندے لونڈی اور غلام بنائے گئے۔ بلکہ بادشاہوں اور امیروں کے چرکٹوں تک کے واسطے، واں کے رہنے والے لونڈی اور غلام بنائے گئے۔ جب چغتوں کا دَور خدا خدا کر کے ختم ہوا تو اُن سے بھی زیادہ تُند مزاج اور خُودسر حکمرانوں یعنے سدوزیوں اور پھر بارکزیوں کا منحوس عہد آیا۔ انہوں نے کشمیریوں کو لونڈی غلام بنانے میں حد ہی کر دی۔ گویا یہ قوم اسی کام کے لئے دُنیا میں آئی تھی۔ مگر خدا کی حمد اور ستائش ہو کہ اُن کا دَور بہت ہی جلد رفع اور دفع ہوا۔ مگر ان ہیماروں کی شومیٔ اعمال نے سِکھ گورنمنٹ کی صورت پکڑی جو خصلت و عادت میں بارکزیوں سے کسی پہلو سے بھی کم نہ تھے۔ مگر جو نئی اور نرالی صورت کی آفت اب ہے، اُس کی نسبت یہ کہنا قریباً الہام ہے ؎

ہو چکیں غالب بلائیں سب تمام اِک مرگِ ناگہانی اور ہے

اب صرف اسی ایک پوائینٹ پر مطالبہ ہو تو ریاست جموں وکشمیر اور اس کے عالی جناب مہاراجہ صاحب بہادُر دام حشمتہم کا ذرا بھی پتہ نہ لگے!"

[از قلمی نُسخہ ۸۳ من تاریخ فخرونہ کُتب خانۂ آصفیہ حیدرآباد دکن ۱۸۸۷ء]

برطانوی قلابازی

مہاراجہ رنبیر سنگھ کی وفات کے بعد ۱۸۸۷ء میں مہاراجہ پرتاپ سنگھ سے برطانوی حکام نے دوبارہ ریزیڈنسی کے قیام کی اجازت مانگی۔ جس پر مہاراجہ پرتاپ سنگھ نے تخت سے دست بردار ہونا قبول کیا۔ لیکن ریزیڈنسی کے قیام کی اجازت نہ دی۔ اس پر برطانوی حکومت نے مہاراجہ پرتاپ سنگھ کو تخت سے دست بردار ہونے پر مجبور کیا اور اُس کی جگہ ایک کونسل قائم کر دی گئی۔ کونسل کی صدارت کے فرائض مہاراجہ پرتاپ سنگھ کے بھائی امر سنگھ کے سپرد ہوئی۔ امر سنگھ، مہاراجہ ہری سنگھ مرحوم آخری حکمران ریاست جموں وکشمیر کے والد اور ڈوگرہ فوج کے کمانڈر انچیف تھے۔ جن کی سازشوں کی وجہ سے مہاراجہ پرتاپ سنگھ کی زندگی اجیرن ہو گئی تھی۔ مہاراجہ پرتاپ سنگھ چونکہ خُود لاولد تھے، اس لئے انہوں نے پہلے اپنے چچا زاد بھائی راجہ نہال سنگھ والیٔ پونچھ کے لڑکے راجہ جگ جیت سنگھ کو اپنا مُتبنیٰ بنایا۔ لیکن بعد میں مجبوراً راجہ امر سنگھ کے لڑکے ہری سنگھ کو ولی عہد بنایا گیا۔

ریزیڈنسی کے قیام کے بعد ریاست کے وزراء کے اختیارات محدود کرنے کے لئے یکم اپریل ۱۸۹۰ء کو برطانوی حکومت نے کونسل کو بتا کہ تمہارے وزراء، جو پہلے نظم ونسق چلانے کے لئے آزاد تھے،

آئندہ وہ تمام امور کے متعلق ریزیڈنٹ سے پہلے منظوری حاصل کریں۔ اور اُس کے بعد ہی اُن پر عمل درآمد کیا جائے۔ ۱۸۹۱ء میں جوں ہی مہاراجہ پرتاپ سنگھ، ریزیڈنٹ کے ساتھ مل کر کام کرنے پر رضامند ہو گئے تو اُن کو کونسل کی صدارت سُپرد کی گئی۔ لیکن مہاراجہ سے زیادہ اختیارات ریزیڈنٹ کے پاس ہی رہے!

کمیونسٹ خوف

۲۳ دسمبر ۱۹۱۹ء کو برطانوی حکومت نے اپنے ریزیڈنٹ کی معرفت مہاراجہ پرتاپ سنگھ کو لکھا کہ حکومت ہند نے بالشویک پروپیگنڈا کی روک تھام کے لئے سخت اقدامات کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ اس لئے انہیں وہ پولیس کی معرفت ان علاقوں کی سخت نگرانی کرنا چاہتی ہے غرض ۱۹۲۲ء میں جب مہاراجہ پرتاپ سنگھ، حکومت برطانیہ کا ہر حکم ماننے پر آمادہ ہوا تو حکومت برطانیہ کے نمائندہ، وائسرائے ہند لارڈ چیمسفورڈ نے انہیں دوبارہ ریاستی گدی پر بیٹھنے کی اجازت دے دی۔ کونسل کو ختم کرنے کے ساتھ ساتھ مہاراجہ کو مشورہ دیا گیا کہ وہ اپنی گرفت کو ڈھیلا کر دے تاکہ حکومت کا انتظام کُلی طور پر درہم برہم نہ ہونے پائے۔ مگر مہاراجہ نے اپنی گرفت ڈھیلی کرنے کے بجائے صوبہ کشمیر میں بھی صوبہ جموّں کی طرح زمین کی ملکیت سرکاری پروانوں کے ذریعہ بارسوخ لوگوں کو بخشنا شروع کی۔ احکام نمبر ۵ اور نمبر ۶ کے

تحت جنہیں دوسرے الفاظ میں "پرتاپ کوڈ" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، قسم قسم کے عطیات دئے گئے۔ سرکاری حاکموں کے عطیہ جات، عطیہ جات موروثی، عطیات ہنوز وغیرہ وغیرہ۔ ان رعایت پانے والوں اور آراضی قابضوں کی بہت بڑی تعداد اُن لوگوں کی تھی جنہوں نے عطیہ جات اپنی اعلیٰ پوزیشن کی وجہ سے حاصل کئے تھے۔ پرتاپ کوڈ کے تحت یہ سارے عطیہ جات، شاہی گھرانے کی برادری، رشتہ داروں اور اثر و رسوخ رکھنے والوں کو دئے جاتے تھے۔

مسٹر شارپ

۱۹۱۵ء میں آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے وفد نے ریاستی عوام کے معیارِ تعلیم کو بلند کرنے کے لئے اپنی معروضات مہاراجہ بہادر کو پیش کرنے کی اجازت چاہی۔ مگر مہاراجہ کی حکومت نے اجازت دینے سے صاف اِنکار کیا۔ اس پر حکومت ہند نے مسٹر شارپ ایجوکیشنل کمشنر کو ریاست میں بھیجا۔ انہوں نے تعلیم کے بارے میں چند اہم اور مفید تجاویز پیش کیں۔ مگر ریاستی حکام کی سرد مہری کی وجہ سے اُن پر عمل نہ ہو سکا۔ نتیجہ کے طور پر اہل ریاست مروّجہ تعلیم سے بے بہرہ رہے۔

ریشم خانہ کی شورش

عطیہ جات کی اس بندر بانٹ اور مسٹر شارپ کی سفارشات کو نظر

انداز کرنے سے عوامی حلقوں میں بیداری کا جذبہ پیدا ہونے لگا۔ چنانچہ ۱۹۲۴ء کے موسم بہار میں ایک طویل خاموشی کے بعد کشمیری مزدوروں نے ریشم خانہ سری نگر کے احاطہ میں آنکھ کھولی اور مطلق العنان حکومت کے ظلم و ستم، رشوت ستانی، لوٹ کھسوٹ اور بے جا خواہشات کو پورا نہ کرنے کے خلاف ہڑتال کی اور اپنے مذکورہ مطالبات کے ساتھ انصاف کرنے کے لئے درخواستیں دیں۔ اس پر مزدور لیڈروں کو گرفتار کرلیا گیا۔ اور گورنر کشمیر پنڈت اننت رام نے مزدوروں کے مجمع کو خلافِ قانون قرار دے کر اُنہیں گولیوں کا نشانہ بنوایا۔ جس سے چند افراد زخمی ہوئے اور مجمع منتشر ہو گیا۔ پنڈت اننت رام جانتا تھا کہ اُس نے بے گناہ لوگوں پر لاٹھیاں برسائیں اور گولیوں کی بارش کرائی۔ اس خیال سے کہ کہیں اس ناروا ظلم و ستم کے خلاف شہر میں کسی قسم کی شورش برپا نہ ہو۔ چند معزز مسلمانانِ شہر، افسرانِ ریشم خانہ اور پولیس کو مدعو کیا۔ تاکہ شورش و شکایاتِ ریشم خانہ کی تحقیقات کے سایہ میں گناہوں کی پردہ داری بھی کی جائے۔

ان لوگوں کے سامنے مسٹر نگرکی ڈائریکٹر کامرس اینڈ انڈسٹریز نے جو کہ ریشم خانہ کا انچارج بھی تھا، لاکھ چھپانے کے باوجود اس بات کا اقرار لیا کہ مزدوروں کی شکایات جائز ہیں۔ کیونکہ ریشم خانہ کے کارخانہ میں نئی قسم کے اُبلنے والے برتن اِٹلین سسٹم پر لگائے جانے والے ہیں۔ جس کے بعد مزدوروں کی تخفیف کی جائے گی۔ اور حکومت بھاری تعداد

میں بیکار ہونے والے مزدوروں کے بارے میں کوئی فیصلہ نہیں کر پائی ہے۔ مزدوروں کی ایجی ٹیشن کی یہ ایک اہم وجہ ہے مگر اننت رام نے ان باتوں کی طرف کوئی دھیان نہ دیتے ہوئے ایجی ٹیشن کو لوہے کے ہونٹوں سے فرو کیا۔ لیکن جذبۂ انتقام دِلوں میں سُلگتا رہا۔

وقتِ نزع

مہاراجہ پرتاپ سنگھ کے آخری ایّام میں حکیم محمود خان کو دہلی سے سری نگر علاج کے لئے بلایا گیا۔ یہاں پہنچ کر حکیم صاحب کو معلوم ہوا کہ مہاراجہ صبح سویرے کسی مسلمان کی شکل دیکھنا پسند نہیں کرتے۔ اس لئے تیسرے پہر کو نبض دکھائیں گے۔ تیسرے پہر حکیم صاحب نے نبض دیکھی اور حال پوچھے بغیر نبض سے ہی جان گیا۔ شاہی خدام نے حکیم صاحب کے ہاتھ دُھلائے اور مہاراجہ پرتاپ سنگھ سمجھ گئے کہ یہ کس بیماری کا نسخہ ہے۔ مہاراجہ پرتاپ سنگھ کٹر قسم کا ہندو حکمران تھا۔ اُس کے پینے کے لئے چشمہ شاہی سے پانی آیا کرتا تھا۔ اور اگر راہ میں کہیں پانی لانے والوں پر کسی مسلمان کا سایہ پڑتا تھا تو وہ تمام پانی ناپاک تصور کر کے اُسے ضائع کیا جاتا تھا۔ اتنا ہی نہیں بلکہ اُس مسلمان کو گرفتار کر کے مارپیٹ کے علاوہ اُسے قید بھی کیا جاتا تھا۔

سنہ ۱۹۲۴ء میں کشمیر کے مشہور مؤرخ محمد الدین فوق نے جد جہد

پرتاپ سنگھ کو ایک درخواست پیش کی جس میں یہ خواہش ظاہر کی گئی کہ انہیں "کشمیر" نام کا ایک رسالہ سری نگر سے جاری کرنے کی اجازت دی جائے۔ اس درخواست پر مہاراجہ پرتاپ سنگھ نے نوٹ لکھتے ہوئے اپنے وزیر سے کہا کہ کوئی ایسا قانون بنایا جائے جس سے آیندہ اس قسم کی کسی درخواست پر غور ہی نہ ہو سکے۔ ان ہی دنوں ریزیڈنٹ نے ایک حکم نامے کے ذریعہ یہ اعلان کیا کہ پان اسلام ازم کی تحریک کے سلسلے میں کمال الدین حسین اور جو دوسرے اصحاب یہاں پر آئے ہوئے ہیں، اُن پر کڑی نظر رکھی جائے۔ قرآن شریف کی ترویج کے لئے مسلمانوں نے جو درخواست دی ہے، اُس کی بہ مشکل اجازت دیتے ہوئے مہاراجہ پرتاپ سنگھ نے انجمن کے اراکین سے کہا کہ اگر انجمن میں سیاست کا ذرا سا شائبہ بھی پایا گیا تو انجمن پر پابندی عائد کی جائے گی۔

---

(۴)

گردشِ زمانہ

مہاراجہ پرتاپ سنگھ کی وفات کے بعد ۱۹۲۶ء میں مہاراجہ ہری سنگھ تخت نشین ہوا۔ اور سب سے پہلا حکم جو مہاراجہ ہری سنگھ نے جاری کیا، وہ تھا کہ ریاست کے اندر یونین جیک نہ لہرایا جائے اور ریزیڈنٹ کو موسم سرما میں اپنا ہیڈ کوارٹر ریاست سے باہر لے جانے پر مجبور کیا۔ اس سے ارباب حکومت برطانیہ تلملا اُٹھے۔ بیگار کے قدیم رواج کو محض رسمی طور پر بند کرنے کا اعلان کیا اور ساتھ ہی زمین پر لوگوں کے حق کو برائے نام تسلیم کیا گیا۔ عملی طور پر کشمیری برابر بیگار کے ٹٹو اور جاگیردارانہ نظام کے غلام در غلام تھے۔ جلسہ، جلوس، تحریر و تقریر اُن دنوں بغاوت سے بھی زیادہ خوفناک جرم تھا۔ کشمیری عوام کو درخت بونے کی اجازت تو تھی مگر کاٹنے کے لئے حکومت سے اجازت لینا پڑتی تھی۔ فوج میں بھرتی ہونا درکنار، چھ انچ سے زیادہ لمبا چاقو رکھنے پر برسوں جیل کی ہوا کھانا پڑتی تھی۔

ریاستی انتظامیہ کے اس بدترین پہلو کو حکومت برطانیہ محض مصلحت

اندیشی کی بناء پر اپنے مفادات کے لئے نظر انداز کرتی رہی۔ حالاں کہ برطانوی ہند میں ریاست سے حالات کچھ زیادہ مختلف نہ تھے۔ مگر مہاراجہ ہ[illegible]نگھ نے ریاست میں یونین جیک کے لہرائے جانے پر جو پابندی عائد کی اُسے ایک چیلنج تصور کیا گیا۔ اور بھلا اس چیلنج کو انگریز خاموشی سے کب تک برداشت کرتے۔ اُنھوں نے پیر حسام الدین گیلانی منظفر آبادی، مشہور رقاصہ ملکہ پکھراج، نریندر ناتھ کول اور پنڈت گوانشہ لال کے علاوہ چند اور کشمیری پنڈتوں اور ریاست کے پولیٹکل ایڈوائیزر مسٹر ویک فیلڈ کے ذریعہ ایک سازش کو عمل میں لانا چاہا۔ جس کی رُو سے پونچھ کے راجہ جگت دیو سنگھ کو ریاست کی حکومت سونپنے کا خاکہ مکمل کرایا۔ مگر سازش کامیاب نہ ہو سکی اور بابو عمرا ؤ خان سُراغ رساں پولیس انسپکٹر نے بھیس بدل کر پونچھ کے ایک مندر میں، جس کا پُوجاری بھی اس سازش میں شامل تھا، کے ہاں جا کر ڈیرا ڈالا۔ اور پُوجاری سے تمام متعلقہ کاغذات حاصل کرنے میں کامیاب ہوا۔ بعدازاں اس واقعہ پر مہاراجہ ہری سنگھ عرصۂ دراز تک حکومت ہند سے خط و کتابت کرتا رہا۔ اُن دِنوں ریاست کا دیوان (وزیر اعظم) دلجیت سنگھ تھا۔

میمورنڈم

دوسری جانب کشمیری مسلمانوں کی بے کسی اور بے بسی کا فائدہ



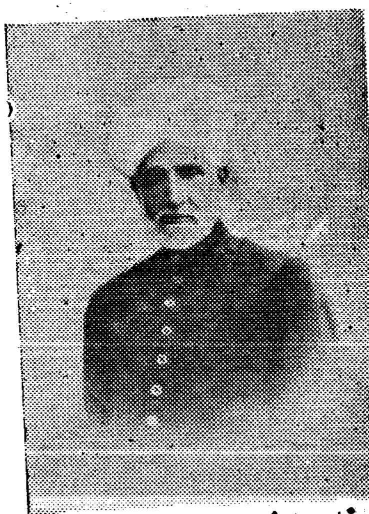
مولوی محمد عبداللہ وکیل



مستری یعقوب علی



حسین شاہ جلالی



جناب منشی شہاب الدین

اُٹھاتے ہوئے ریزیڈنٹ نے اپنے ہیڈ کلرک بابو سراج الدین کے ذریعہ کشمیر کے چند سرکردہ مسلمانوں کو، جن میں خواجہ سعید الدین شال، خواجہ مقبول پنڈت خواجہ نور شاہ نقشبندی، خواجہ حسن شاہ نقشبندی جاگیر دار، میر واعظ کشمیر مولوی احمد اللہ، میر واعظ کشمیر مولوی احمد اللہ ہمدانی، خواجہ سیّد حسن شاہ جلالی، خواجہ حسن شاہ ہمانذی اور چند دوسرے اکابرین شہر شامل تھے۔ ایک میمورنڈم وائسرائے ہند لارڈ ہارڈنگ کو پیش کرنے پر آمادہ کیا۔ جو اُن دنوں کشمیر کی سیر کو آئے تھے۔ میمورنڈم خواجہ عبدالعزیز ذیلدار کے مکان واقع خانیار میں مرتب کیا گیا۔ اس میں ریاستی مسلمانوں کی زبوں حالی کا نقشہ کھینچتے ہوئے مندرجہ ذیل مطالبات پیش کیے گئے:۔

(الف) زمین پر حقِ ملکیت

(ب) ملازمتوں میں مسلمانوں کی جائز نمایندگی

(ج) مکمل تعلیمی سہولیات

(د) بیگار کا خاتمہ

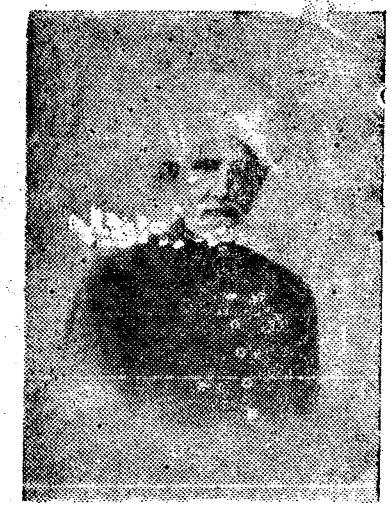
(س) مسجدوں اور دیگر مذہبی مقامات کی فوری واگذاری

وائسرائے نے اپنی فراخ دلی جتلا کر اس میمورنڈم کو مہاراجہ کے پاس بھیج دیا۔ جس کا لازمی نتیجہ تھا کہ مہاراجہ دستخط کنندگان سے سخت ناراض ہوگیا۔ چناں چہ خواجہ سعید الدین شال اور خواجہ نور شاہ کو ریاست بدر کیا گیا۔ حسن شاہ کی جاگیر ضبط کر لی گئی۔ دیگر









اکابرین میں سے اکثروں نے معافی مانگ کر خلاصی پائی۔

خواجہ سعید الدین شال کی جلاوطنی پر صوبہ کشمیر کے کونے کونے میں بغاوت کے آثار نمودار ہوئے اور ایک لاوا سا پھوٹ پڑا۔ حالاں کہ حکومت، ریشم خانہ کے مزدوروں کی مانگ کو اس سے پہلے بہت بری طرح کچل چکی تھی۔ اور جب کشمیری مزدوروں نے فوجی رسالہ کو جلسہ گاہ کی طرف بڑھتے ہوئے دیکھا تھا تو وہ جلسہ گاہ میں جوتیاں چھوڑ کر بھاگ گئے تھے اور پھر کبھی انہیں اپنی مانگ دہرانے کی جرأت نہ پڑی تھی مگر اب زمانہ قیامت کی چال چل چکا تھا کشمیریوں کے دلوں سے وہ خوف وہراس مفقود ہو چکا تھا۔ ان کے صبر کا پیمانہ چھلک رہا تھا۔ وہ مارنے اور مرنے پر تیار ہو گئے تھے۔

خواجہ سعید الدین شال کے لاہور پہنچانے کے بعد شہر سری نگر کے لیل و نہار غیر یقینی حالات کے درمیان گذرنے لگے۔ شہر کو فوج کے حوالے کیا گیا۔ سپاہیوں نے عام لوگوں پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑنے شروع کئے اور تقریباً نصف صدی کے بعد کشمیریوں نے اپنے آپ کو منظم کرنا شروع کیا۔ اور پہلی مرتبہ کشمیریوں نے اس ظلم و ستم کے خلاف اپنے مکانوں کی چھتوں پر چڑھ کر نعرے لگانے شروع کئے۔

غرض ظلم و ستم کی انتہا کے باوجود کشمیری عوام کے پائے استقلال میں لغزش نہ آئی۔ آخر حکومت نے مجبور ہو کر خواجہ سعید الدین شال کو واپس آنے کی اجازت دی اور اس کے ساتھ ہی دیوان ولی جیت

سنگھ کی جگہ مسٹر ویک فیلڈ ریاست کے وزیر اعظم مقرر ہوئے۔

سر ایلبین بینرجی کا تاریخی بیان

ظلم و تشدد کی اس طویل داستان پر ریاستی کابینہ کے صدر سر ایلبین بینرجی کا بیان گواہ ہے جو انہوں نے اپنے عہدہ وزارت سے مستعفی ہونے کے بعد ۱۵ مارچ ۱۹۲۹ء کو لاہور میں اخباری نمائندوں کے سامنے دیا۔ جس کا متن ذیل میں درج کیا جاتا ہے:-

(۱) "ریاست جموں و کشمیر کئی پہلو سے خسارہ میں کام کر رہی ہے۔ ریاست کی اکثر و بیشتر آبادی جو مسلمانوں پر مشتمل ہے نہایت ہی مفلوک الحال اور ناخواندہ ہے مسلمان نہایت ہی ناخوشگوار حالات کے زیر اثر گاؤں میں رہ کر غریبانہ زندگی بسر کر رہے ہیں۔ ان پر اندھی گونگی بھیڑوں (Dumb driven Cattle) کی طرح حکومت کی جا رہی ہے۔ حکومت کی مشینری سراپا ناقص اور غیر ذمہ دار ہے۔ عوام اور حکومت کے درمیان کوئی ربط و تعلق نہیں ہے۔ اور لوگوں کو اپنی شکایات پیش کرنے کا کوئی موقع نہیں دیا جاتا۔ حکومت کو لوگوں سے کوئی ہمدردی نہیں۔ ملک کا ذہین طبقہ کشمیری پنڈت جسے اپنی تعلیمی ترقی سے سرکاری ملازمتوں پر اجارہ داری حاصل ہے وہ بھی حکومت سے بدظن ہے۔ ریاست میں رائے عامہ اور پریس کی آزادی مفقود ہے جب تک رعایا اور حکومت کے درمیان باہمی تعاون موجود نہ ہو۔ تب تک اُن

ذرائع سے فائدہ اُٹھانا ناممکن ہے جو قدرت نے اس سرزمین کو عطا کر رکھے ہیں۔ گاؤں میں لوگوں کی اقتصادی زندگی اتنی پس ماندہ ہے جتنی کہ یہ ہو سکتی ہے کشمیر کی اعلیٰ اور معروف عام صنعتیں رُو بہ تنزل ہیں اور اُن کی امداد و حفاظت کا مسئلہ ضروری بن رہا ہے۔"

سر ایلبین بینرجی کے تاریخی بیان کے جواب میں حکومت کے ایماء پر مسٹر واتل نے حکومت کے وفاداروں خان صاحب جنرل سمندر خان، کرنل غلام علی شاہ، مرزا غلام مصطفیٰ وغیرہ سے ایک تردیدی بیان شائع کرایا جس میں مسٹر بینرجی کے بیان کو جھٹلانے کی ناکام کوشش کے ساتھ ساتھ واضح طور پر یہ کہا گیا کہ ریاستی مسلمان نہایت ہی پُرسکون زندگی بسر کر رہے ہیں۔ اور ہندوستان کی دوسری ریاستوں کے باشندوں کی نسبت فارغ البالی اور خوشحال سے ہم کنار ہیں۔

مسٹر بینرجی نے کشمیری مسلم رعایا کو مہاراجہ کی نظروں میں ذلیل کرنے اور خود مہاراجہ بہادر کے وقار کو ٹھیس پہنچانے کے لئے لاہور میں اخباری نمائندوں کے سامنے جو بیان دیا ہے اُس کے پسِ پردہ مسٹر بینرجی کی وہ ذاتی رنجش اور کینہ کارفرما ہے جو چند نام نہاد عوامی نمایندوں کے بے بُنیاد تردیدی بیانات سے عیاں نہیں ہوئی ہے۔

اس تردیدی بیان پر جہاں ریاست میں شدید نفرت و حقارت کا مظاہرہ کیا گیا وہاں بیرونِ ریاست میں مہاراجہ کی شخصیت مزاح کا موضوع بن گئی۔

اس موقعہ پر لالہ شیام لال کپور ایڈیٹر "گورو گھنٹال" کا تحریر

کردہ یہ واقعہ خالی از دلچسپی نہ ہو گا جس میں کشمیر کے فارغ البال اور خوش حال زندگی بسر کرنے والے عوام کا نقشہ یُوں کھینچا گیا ہے :۔

"چونکہ نواب صاحب (مالیر کوٹلہ) کا اِرادہ علاقہ کشمیر کی تمام پہاڑیوں کی سیر کرنے کا تھا، اس لئے آپ کی بار برداری کے لئے حکامِ ریاست (کشمیر) نے بہت سے مزدُوروں کا اجتماع کر رکھا تھا۔ ایک دِن آپ سفر پر روانہ ہونے کے لئے گھوڑے پر سوار ہونے ہی والے تھے کہ آپ کی نظر چند غریب مزدُوروں پر پڑ گئی جو آپ کے کیمپ کے ذرا تھوڑے فاصلے پر ڈیرا ڈالے ہوئے تھے۔ آپ ان سے باتیں کرنے کے لئے اُن کے قریب چلے گئے۔ دورانِ گفتگو اُن کو اس بات کا پتہ چلا کہ یہ ایک بارات کے ممبر ہیں جو شادی کے بعد دُلہن سمیت اپنے گاؤں واپس جا رہے تھے۔ مگر ان میں سے کئی ایک کو ہماری شنیدہ روایات کے مطابق معہ دُلہا کے بیگار کے لئے حکامِ ریاست نے گرفتار کر لیا اور یہ بیگاری آپ ہی کی بار برداری کے لئے ہے۔ یہ معلوم کرنے پر آپ کو بہت افسوس ہوا۔ اور حکامِ متعلقہ سے کہہ کر انہیں فوراً رہا کروایا۔"

["گورو گھنٹال" ۳ جنوری ۱۹۲۷ء]

اسی طرح پنڈت ایشور چندر جی شرما رسالہ "چاند" (ہندی) الہ آباد مئی ۱۹۳۰ء کے شمارے میں رقم طراز ہیں :۔

"یہاں (کشمیر) کے لوگ بڑے دُکھی ہیں۔ بہشت میں رہ کر بھی یہاں کے باشندے سُکھوں سے محروم ہیں۔"

(۵)

ریڈنگ رُوم پارٹی

۱۲ اپریل سنہ ۱۹۳۰ ریاست کی تاریخ میں ایک خاص اہمیت رکھتا ہے۔ اس دن علی گڈھ سے شیخ محمد عبداللہ ایم، ایس، سی۔ محمد رجب ایم، اے۔ ایل، ایل، بی۔ قاضی سیف الدین قادری بی، اے۔ بی، ٹی۔ غلام احمد مختار ایم، اے۔ بی، ٹی کی ڈگریاں لے کر واپس آئے۔ یہ وہ نوجوان تھے جنہیں علی گڈھ کے کھلے ماحول میں سیاسی آب و ہوا کے ساتھ اٹھکیلیاں کرنے کا پورا موقعہ ملا تھا۔ انہوں نے کشمیر سے دُور ہونے کے باوجود کشمیر کے مستقبل کے خاکے بنانے شروع کئے تھے۔ چناں چہ لاہور کے چند اخبارات نے کشمیریوں کی مظلومی کے بارے میں برائے نام مضامین تو ضرور شائع کئے۔ مگر ان مضامین کو زیادہ موثر بنانے کے لئے یہی نوجوان علی گڈھ میں تعلیم پانے کے دوران کام کرنے

[illegible]۔ اور یہ لوگ باہر سے ہی ایک نیم پختہ سیاسی تصوّر لے کر سری نگر میں وارد ہوئے۔ اُس وقت تک صوبہ کشمیر میں کوئی باضابطہ سیاسی جماعت یا ادارہ نہ تھا اور نہ ہی کسی شخص میں اتنی ہمت تھی کہ وہ کسی انجمن، یونین یا نیم سیاسی جماعت کی بُنیاد ڈالے۔ مگر ان تعلیم یافتہ نوجوانوں کی اس ٹولی کے ایک ممبر محمد رجب اور مولوی بشیر احمد نے ایک نیم خفیہ ریڈنگ روم سری نگر کے وسط محلہ سید علی اکبر صاحب کے ایک نیم خستہ حجرے میں قائم کیا۔ جس کے ایک حصہ میں محمد سکندر پوسٹ ماسٹر سکونت کر رہا تھا۔ اور یہ طے پایا کہ اخبار بینی کے جرم کے دوش بدوش خفیہ سیاسی مباحثہ کی سرگرمیاں اور اہلِ ریاست کو اقتصادی پس ماندگی سے نجات دِلانے کی خاطر انفرادی اور اجتماعی طور کوششیں جاری رکھی جائیں۔ چنانچہ ریڈنگ روم کو جاری رکھنے کے لئے ایک کمیٹی کا تقرر عمل میں لایا گیا۔ عام لوگوں سے چندہ جمع کر کے بیاسی روپے کی رقم اکٹھی ہوئی۔ ریڈنگ روم کے لئے زینہ کدل کے قریب ایک کمرہ کرایہ پر لیا گیا۔ کچھ عرصہ بعد ریڈنگ روم کو فتح کدل مفتی جلال الدین کے مکان میں تبدیل کیا گیا جہاں ریڈنگ روم کے اراکین کا باضابطہ انتخاب عمل میں لایا گیا۔ انتخاب میں محمد رجب صدر اور شیخ محمد عبداللہ سیکریٹری منتخب ہوئے اور مفتی جلال الدین، حکیم علی، پیرزادہ ماسٹر غلام رسول، پیرزادہ احمد شاہ قاضی، حکیم غلام مرتضیٰ وغیرہ ممبر چُنے گئے۔

اب کیا تھا، ریڈنگ روم میں باقاعدگی کے ساتھ میٹنگیں ہونے لگیں۔ جہاں یہ تعلیم یافتہ بے کار نوجوان اپنے مستقبل کے بارے میں طرح طرح کے منصوبے بنا رہے تھے وہاں ریاستی باشندوں خصوصاً مسلمانوں کے حقوق کے تحفظ اور بقا کے لئے غور و فکر ہونا شروع ہوا۔ ان نوجوانوں نے آنریبل سر این، ایل بنرجی سے، جو کچھ عرصہ قبل ریاست کے ہوم منسٹر بھی رہ چکے تھے اور اُن دنوں لندن میں "انڈین سٹیٹس" نام کا رسالہ ترتیب دے رہے تھے، رابطہ قائم کیا۔ اس کے نتیجہ میں رسالہ "انڈین سٹیٹس" ریڈنگ روم میں باقاعدگی سے آنے لگا۔ رسالہ میں کشمیر کے بارے میں خصوصیت کے ساتھ مضامین شائع ہونے لگے جن کی بدولت انگلستان کے باشندوں کو عوامی سطح پر پہلی بار کشمیر اور اہل کشمیر کی خستہ حالی کے واقعات سے آگاہ ہونے کا موقعہ ملا۔ اور اُن کی دلچسپی ریاست کی جانب بڑھنے لگی۔ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ کشمیر کے ان تعلیم یافتہ نوجوانوں نے ہندوستان میں اپنے قیام کے دوران ہندوستان کے بلند پایہ سیاسی لیڈروں اور سماجی کارکنوں سے تعلقات قائم کئے تھے اور یہی وجہ تھی کہ ریڈنگ روم کا قیام عمل میں آتے ہی مولانا ابوالکلام آزاد جیسے مفکر نے ریڈنگ روم کے قیام کو کشمیر کے درخشاں سیاسی مستقبل کا سنگِ بنیاد قرار دیا۔ اور آزاد سبحانی خطیب جامع مسجد کلکتہ جیسے بلند پایہ عالم نے خفیہ طور پر ریڈنگ روم پارٹی سے رابطہ قائم کیا اور سری نگر آکر

انہوں نے ریڈنگ روم کے اراکین کے ساتھ ملاقات کی اور پارٹی کے مرکزی دفتر پر آکر اپنے فاضلانہ خیالات سے ممبروں کو محظوظ کیا۔ اس کے علاوہ وادیٔ کشمیر کے تمام بڑے بڑے علماء سے مل کر انہیں ان نوجوانوں کی حمایت کا مشورہ دیا۔ یہ سب کچھ خفیہ طریقے سے ہوتا رہا۔ ان کے چلے جانے کے بعد جب روزنامہ "زمیندار" لاہور میں اُن کی واپسی کی خبر شائع ہوئی تو حکومت کشمیر کے ہوش و حواس خطا ہو گئے۔ کیونکہ آزاد سبحانی غیر ریاستی سیاست دان تھے جو غالباً دہائیوں سینکڑوں برسوں کے بعد پہلی مرتبہ، پہلا سیاسی ہمدرد بن کر یہاں آئے تھے اور کشمیر کی سیاسی زندگی کا مشاہدہ کر کے واپس چلے گئے تھے۔ یاد رہے کہ آزاد سبحانی، ہندوستان میں جمال الدین افغانی رح کی پان اسلامک تحریک کے سب سے بڑے مبلغ مانے جاتے تھے۔

بیداری

بات اسی دوران مہاراجہ ہری سنگھ، مہارانی کے ساتھ لندن گئے۔ اور گول میز کانفرنس میں شرکت کرنے کے بعد فرانس چلے گئے۔ مہاراجہ نے غیر حاضری میں ریاست میں کاروبارِ حکومت اور انتظامیہ چلانے کے لئے جملہ بااختیارات خود ساختہ کابینہ کے حوالے کر دیئے۔ کابینہ نے اپنی کارکردگی بجا لانے کی خاطر آئندہ سرکاری ملازمتوں کے لئے سِول سروس ریکروٹنگ رولز (Civil Service Recruiting Rules

نافذ کر دئے۔ جن میں قواعد و ضوابط کے ایسے گورکھ دھندے ایجاد کیے گئے جن کی موجودگی میں مسلمان تعلیم یافتہ نوجوانوں کو ملازمت میں لیا جانا مشکل سے مشکل تر بنا دیا گیا۔ اور غریب طبقہ کے تعلیم یافتہ اُمیدواروں کے لئے اپنی قابلیت اور ذہانت کے باوجود بھی ملازمتیں حاصل کرنا ناممکن بن گیا۔ اُس وقت جو چند مُسلم گریجویٹ تلاشِ روزگار میں ہاتھ پاؤں مار رہے تھے، سرکاری ملازمتوں میں مسلمانوں کا پہلے ہی سے فقدان تھا۔ ریکروٹمنٹ رُولز کے نافذ ہونے سے اُن کی اُمیدوں پر پانی پھیر گیا۔ یہ دَور مسلمانوں میں تعلیم کا ابتدائی دَور تھا۔ سِول سروس ریکروٹمنٹ رُولز کے تحت وہ اُمیدوار، جس کی عمر بائیس سال سے تجاوز کر گئی ہو، سرکاری ملازمت کا حق دار نہیں رہ سکتا تھا۔ عربی زبان کا امتحان نصاب سے اُڑا دیا گیا اور سنسکرت جیسی مُردہ اور فرسودہ زبان کو شامل کر لیا گیا۔ چار سِول سرجنوں کا ایک بورڈ قائم کیا گیا جس کے سامنے ہر ایک اُمیدوار کو اپنا جسمانی معائنہ کرانا لازمی تھا جو سرکاری ملازمت کا خواہش مند ہو۔ اُمیدوار کے لئے اچھے خاندان کا فرد ہونا لازمی قرار دیا گیا اور اگر اُن کے خاندان میں کسی موقعہ پر کسی فرد کو چھوت چھات کی بیماری نے حملہ کیا ہو، اُس کو بطورِ اُمیدوار نہیں لیا جا سکتا تھا۔ اِن کے علاوہ اور کچھ دوسری کڑی شرطیں تھیں جن کو پورا کرنا مسلمان اپنے تئیں دشوار سمجھنے لگے!

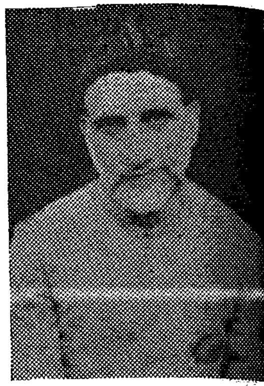
ان صبر شکن حالات کا مقابلہ کرنے کے لئے ریڈنگ روم کی طرف سے کابینہ کو ایک یادداشت بھیجی گئی جس میں ان تمام دشواریوں اور مشکلات کی وضاحت کی گئی۔ جو سرکاری ملازمت کے حصول میں ان سخت شرائط کی موجودگی میں درپیش تھیں۔ یادداشت میں سول سروس ریکروٹمنٹ رولز کو ناقابل عمل قرار دیا گیا۔ جونہی یہ خبر شہر میں پھیلی تو منشی اسد اللہ وکیل، خواجہ عبدالرحیم بانڈے، مرزا غلام مصطفٰی اور مفتی شریف الدین نے اپنے تئیں حکومت کے وفادار ثابت کرنے کے لئے حکومت کو یہ تجویز پیش کی کہ ان سر پھروں کے خلاف تعزیری کارروائی کی جائے۔ مگر کیبنٹ نے ان کی تجویز پر کوئی غور نہیں کیا۔ بجائے اس کے کابینہ کی جانب سے ریڈنگ روم پارٹی کو ایک چٹھی موصول ہوئی جس میں دو نمائندوں پر مشتمل وفد مقررہ تاریخ پر بھیجنے کی ہدایت ہوئی۔ تاکہ وہ یادداشت کی کابینہ کے ارکان کے سامنے وضاحت کر سکے اور کابینہ یادداشت پر غور کر سکے۔ کابینہ کے اس خط پر پارٹی کا ایک ہنگامی اجلاس طلب کیا گیا جس میں متفقہ طور پر شیخ محمد عبداللہ اور عبدالعزیز فاضلی کو کابینہ سے ملنے اور یادداشت کی وضاحت کرنے کے لئے منتخب کیا گیا۔

طویل بحث و تمحیص کے بعد کابینہ کے اراکین نے وفد کو یقین دلایا کہ وہ مسلمانوں کے حقوق پر غور کرے گی۔ تقریباً دو مہینے بعد کابینہ کی طرف سے اس یادداشت کا تحریری جواب ملا۔ ان دنوں شری رام چند کاک ریاست کے پولیٹیکل سیکرٹری تھے جن کے فوراً بعد متعلقہ خط و کتابت ریڈنگ روم پارٹی کے اہتمام سے شائع کر دی گئی۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ جہاں ایوان حکومت میں پہلی

مچ گئی۔ وہاں اسی مضمون کا ایک اور مراسلہ جموں کے نوجوانوں کی طرف سے کابینہ کو موصول ہوا۔ ساتھ ہی ریڈنگ روم پارٹی نے بڑی محنت اور نہایت رازداری سے مسلمان ملازمین کا تناسب ملازمت اکاؤنٹنٹ جنرل کے آفس کے ایک کلرک عبدالعزیز خان کے ذریعہ حاصل کیا۔ (جو بعد ازاں گلینسی کمیشن کے سامنے بھی پیش کیا گیا) اور نہایت ہی خفیہ طور پر اس کی کاپیاں لاہور بھیجی گئیں۔ جہاں غلام رسول مہر اور عبدالمجید سالک ایڈیٹر "انقلاب" نے "اخبار کشمیر" "اخبار مظلوم کشمیر" "اخبار کا تو" میں شائع کئے اور یہ اخبارات عبدالمجید قریشی کی وساطت سے ریڈنگ روم پارٹی کے زعما کو وصول ہونے لگے۔ عبدالمجید قریشی ان اخبارات کی سینکڑوں کاپیاں لے کر وقتاً فوقتاً خود سرینگر آیا کرتے تھے۔ اور سرینگر میں ان اخبارات کی ایک ایک کاپی ایک ایک روپیہ میں فروخت ہوتی تھی۔ ان اخبارات کے اکثر خریدنے والے ان پڑھ لوگ ہوا کرتے تھے۔ وہ نہیں جانتے تھے کہ ان میں کیا لکھا ہے مگر انہیں یقین تھا کہ ان میں ہمارے ہی فائدے کی باتیں ہوں گی۔ ان اخبارات پر حکومت کشمیر نے یکے بعد دیگرے پابندی لگادی مگر سلسلہ کو جاری رکھنے کے لئے ہر بار اخبار نئے نام سے یہاں آنے لگا۔

خفیہ تنظیم

یہی ایام تھے جب خواجہ غلام احمد عشائی (جو ۱۹۴۷ء کے بعد رجسٹرار جموں و کشمیر یونیورسٹی مقرر ہوئے) ریاستی حکومت نے ملازمت سے جبری طور پر سبکدوش کر کے ان کے حق میں انتیس ۲۹ روپے چھ ۶ آنے پنشن مقرر کی تھی۔ عشائی صاحب



جناب مفتی جلال الدین



جناب اکبر ڈار دربہ گام

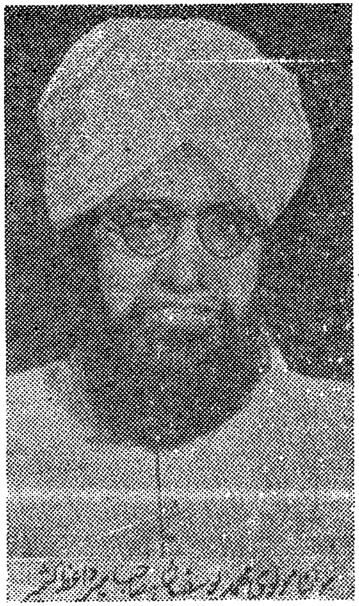


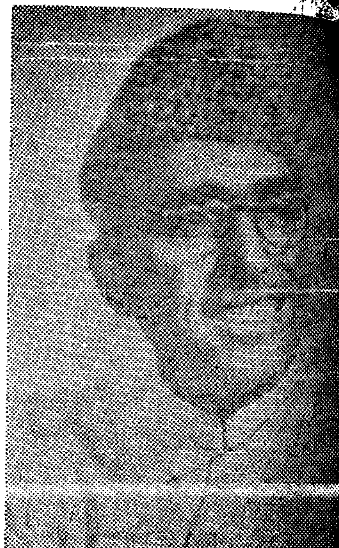
جناب اسد اللہ وکیل



میرواعظ غلام نبی ہمدانی

نے نوجوانوں کی سرگرمیوں کو صحیح طریقے سے پیش کرنے کے لئے اپنی سرکردگی
میں ایک خفیہ تنظیم کی بُنیاد ڈالی جس کو مسلم ینگ مینز ایسوسی ایشن کا نام دیا
گیا (یہاں یہ جاننا ضروری ہے کہ صوبہ جموں میں صوبہ کشمیر جیسی پابندیاں نہیں
تھیں مہاراجہ پرتاپ سنگھ کے دَورِ حکومت میں ریاست کا اکا دکا اخبار بھی
جموں سے شائع ہو رہا تھا۔ اور راجپوت سبھا کے ساتھ ساتھ ینگ مینز ایسوسی
ایشن نام کی مُسلم تعلیم یافتوں کی ایک مذہبی جماعت قاضی گوہر رحمان، اللہ
رکھا ساغر، غلام حیدر غوری، مولوی غلام حیدر شاہ وغیرہ نوجوانوں کی زیر
قیادت انجمن اسلامیہ کے ساتھ جموں میں مل کر کام کر رہی تھی۔ لیکن صوبہ کشمیر
میں ایسا ہونا ناممکن تھا جسکی وجہ سے خفیہ تنظیم کا نام تنظیم کی سرگرمیوں سے زیادہ
لئے زیادہ خفیہ رکھنا ضروری تھا) درحقیقت کینٹ کے تحریری جواب
میں "جواب الجواب" کا جو پمفلٹ شائع ہوا وہ غلام احمد عشائی کے ایماء پر ہی
اسی خفیہ تنظیم کے خفیہ برانچ نے ترتیب دیا تھا۔ اور اسی خفیہ تنظیم نے اپنے
خفیہ وجود کے ساتھ ہی اس امر کا اعلان کیا کہ ہمارا نصب العین مسلمانوں
کے حقوق کی نگہداشت کرنی ہے۔ اسکے کچھ دن بعد تنظیم کا دوبارہ انتخاب
عمل میں لایا گیا جس کے تحت غلام احمد عشائیؔ صدر، شیخ محمد عبداللہؒ سیکرٹری
منتخب ہوئے جو دوسرے ممبران چُنے گئے۔ اُن میں خواجہ علی محمد شاہ، حکیم علی،
حکیم محمد صفدر، خواجہ محمد رجب، حکیم غلام مرتضٰی، پیرزادہ غلام رسول، احمد
شاہ فاضلی، پیرزادہ غلام احمد، غلام حسن خان، غلام محمد خان، اور خواجہ حسن
اللہ وغیرہ شامل تھے۔

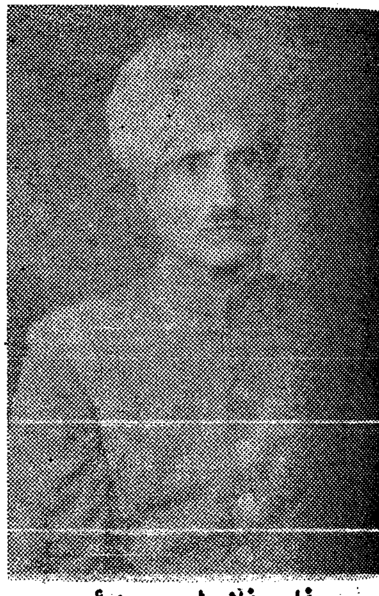




جناب شیخ محمد عبد اللہ



جناب غلام نبی گلکار



جناب غلام احمد عشائی

(۶)
دعوتِ عصرانہ

اوائل بہار میں فرانس سے یہ خبر موصول ہوئی کہ یوراج کرن سنگھ تولّد ہوئے ساری ریاست میں اس موقع پر جشنِ مسرّت کا اہتمام کیا گیا۔ رات بھر پُورے شہر کو بجلی کے قمقموں سے مُنوّر کیا گیا۔ اور جہاں برقی رَو میسّر نہ تھی وہاں دِیئے اور موم بتیاں جلا کر چراغاں کیا گیا۔ مہاراجہ ہری سنگھ کو مختلف اداروں کی طرف سے مبارک بادی کے پیغامات بھیجے گئے۔

اسی دوران پنڈت ملکاک در نے ہندو اور مسلمان جاگیرداروں کو مرزا غلام مصطفیٰ کے ہاں مدعو کیا جن میں پنڈت تارا چند ترچھل، مرزا غلام مصطفیٰ، خواجہ غلام محی الدین شال، پنڈت نندلال مٹو، پنڈت رگھوناتھ مٹو، خواجہ غلام محی الدین کاوسہ، منشی اسد اللہ وکیل، آغا سید علی شاہ، خواجہ نور شاہ، حکیم محمد علی، پنڈت امرناتھ کاک، پنڈت تارا چند وکیل، خواجہ سعید الدین شال وغیرہ شامل تھے۔ اُن لوگوں کے آگے یہ تجویز رکھی گئی کہ مہاراجہ بہادر کی واپسی اور یوراج کرن سنگھ کی ولادت کی خوشی میں ہم پر یہ اخلاقی فرض عائد ہوتا ہے کہ ان کے اعزاز میں ایک شاندار دعوت عصرانہ دی جائے چنانچہ اس کے لئے ایک کمیٹی مقرر کر کے آج ہی سے چندہ جمع کیا جائے۔

پنڈت بلکاک در کے اس مشورہ کو مسلمانوں کے بدلتے ہوئے ماحول نے قبول کرنے سے انکار کیا۔ اور اس پیش کش کو یہ کہہ کر مسترد کیا گیا کہ یہ ہماری شان و وقار کے خلاف ہے کہ اقلیتی فرقہ کے ایک فرد کی صدارت میں ہم مہاراجہ بہادر کو اپنے خلوص و محبت کا اظہار کریں حقیقت تو یہ ہے کہ مسلمان مہاراجہ بہادر کو اس مسرت اور شادمانی کے موقع پر اپنے مطالبات پیش کرنا چاہتے ہیں جبکہ آپ ہمیں ایسا کرنے سے روک رہے ہیں۔

اس خیال کو تقویت دینے کے لئے مسلمانوں نے خانیار میں نوجوان جاگیردار میر مقبول شاہ گیلانی کے ایماء پر زیارت دستگیر صاحبؒ میں ایک خاص جلسہ زیر صدارت محمد عبداللہ شورہ منعقد کیا جس میں قرار پایا کہ مہاراجہ ہری سنگھ کی واپسی پر انہیں ریاست کے مسلمانوں کی طرف سے علیحدہ استقبال کیا جائے اور انہیں دعوت عصرانہ دی جائے۔ اس جلسہ میں خصوصی طور پر شیخ محمد عبداللہ نے پنڈت بلکاک در پر زبردست نکتہ چینی کی، مسلم جاگیرداروں کے اس اجلاس میں تقریباً دو سو مسلمانوں نے شرکت کی جن میں میر واعظ مولوی محمد یوسف شاہ، مولوی عبداللہ وکیل، میر واعظ مولانا ہمدانی، منشی شہاب الدین، مختار شاہ عرائض نویس، قاضی مصطفیٰ شاہ کوٹھدار، خواجہ غفار بسو کوٹھدار، غفار بندو، عمہ جو ذیل دار پانپور، عمہ ملک پدامہ، مختیار بیگین، اکبر ڈار دد برگام، شیخ محمد عبداللہ، مرزا غلام مصطفیٰ اور دوسرے سرکردہ اصحاب شامل تھے اور اسی دن سے شیخ محمد عبداللہ عوام سے متعارف ہوئے

مہاراجہ ہری سنگھ کو سرینگر پہنچنے پر جونہی ہندوؤں اور مسلمان

جاگیرداروں کی اس اندرونی کشمکش کا علم ہوا تو اُس نے دونوں فرقوں کی دعوت
... ان کیا کہ سرینگر میونسپلٹی کی طرف سے تمام اکابرینِ شہر کو
دعوت عصرانہ دی جائیگی جس میں مہاراجہ ہری سنگھ مہمانِ خصوصی کی حیثیت
سے شامل ہوں گے۔ اور یہی دعوت ریاست جموں و کشمیر کے تمام باشندوں کی
طرف سے ہز ہائی نس کے ساتھ اُن کی وفاداری خلوص اور اظہار محبّت
کا عملی ثبوت تصوّر کیا جائے گا کچھ دن بعد مہاراجہ ہری سنگھ کا ایک دریائی
جلوس نکالا گیا۔ دریائے جہلم کے دونوں کناروں پر لوگ مہاراجہ کے استقبال
میں کھڑے تھے اور جوں جوں مہاراجہ کی کشتی قریب آتی تھی۔ کناروں پر کھڑے
لوگ یہ شعر بہ آوازِ بلند پڑھتے تھے ؎

دُعا ہے الٰہی رہے تا قیامت
ہری سنگھ صاحب بہادر سلامت

اُدھر انگریز مہاراجہ سے خار کھائے بیٹھے تھے کہ ہندوستان کے وفادار رعایا
میں یہ پہلا شخص ہے جو حکومت برطانیہ کو للکار رہا ہے اس لئے تاجِ برطانیہ
کے شاطروں اور متعصّب ہندوؤں نے ملکر مہاراجہ ہری سنگھ کے خلاف
محاذ قائم کر لیا۔ چنانچہ انگریزوں کے ایجنٹوں نے ہندوؤں میں یہ پروپگنڈا
شروع کیا کہ مہاراجہ کو ہندو دھرم کی کوئی عزت نہیں۔ وہ مسلمانوں کے اشاروں
پر ناچ رہا ہے (یہ نواب خسرو یار جنگ اور آفندی کی طرف اشارہ تھا)
اس سے انگریزوں کے دو مقصد حاصل ہوتے تھے۔ پہلا یہ کہ ہندو مسلمانوں
کے ساتھ بحیثیت حکمران زیادتی شروع کریں گے۔ دوسرا مسلمان مقابلے

پر اُٹھ کھڑے ہوں گے۔ اور ان پریشان کُن حالات میں گھیرے جانے کے
بعد مہاراجہ انگریزوں کی جھولی میں پکّے پھل کی طرح خود بخود گر جائے گا انگریز
جانتے تھے کہ دنیا میں مسلمان قوم ہر مصیبت کو خندہ پیشانی سے قبول کرتے
ہیں۔ مگر جہاں مسلمان کے دین تک بات پہونچی تو وہ فولاد کی تلوار بنا کر
پہاڑوں سے بھی جا ٹکراتا ہے۔ لہذا انہوں نے تہیّہ کر لیا کہ کشمیر میں اسی نازک
اور خطرناک نتائج کے حامل بنا پر فرقہ وارانہ اضطراب رکھا جائے۔
چنانچہ ٹھاکر کرتار سنگھ نے راجپوت سبھا جموں کے ارکان کو یہ کہہ کر
اُبھارنا شروع کیا کہ مسلمان اپنے مطالبات منوانے کے لئے جدوجہد
کر رہے ہیں اور بہت ممکن ہے کہ وہ اپنے مقاصد میں کامیاب ہو جائیں۔
اس لئے آج سے ہی ان کے خلاف مخالفانہ پروپگنڈا شروع کیا جائے
چنانچہ راجپوت سبھا نے مسلمانوں کے مطالبات کو فرقہ دارانہ قرار دے کر
ان کی مخالفت شروع کی اور یہاں تک کہا گیا کہ یہ تحریک مہاراجہ کو
گدّی سے اُتار کر مُسلم راج قائم کرنے کے لئے شروع کی گئی ہے۔ راجپوت
سبھا کے اس اقدام کو دوسری سبھاؤں نے بھی لبیک کہا۔ اسکے
ساتھ ہی یہ کوشش بھی کی گئی ہے کہ ہندو مسلم فرقہ وارانہ کشیدگی کو
اس قدر بڑھایا جائے تاکہ مُسلمانوں کے مطالبات منظور نہ ہوسکیں۔
ساتھ ہی ٹھاکر کرتار سنگھ کے تنخواہ یافتہ پنڈت گاشہ لال نے مسلمانوں
کے خلاف "پرنسلی انڈیا" اور "راجستھان" جیسے فرقہ پرست اخبارات
میں فرقہ وارانہ زہر کو اُبھارنا شروع کیا۔ اس قدر وسیع پیمانے پر پروپگنڈا

کرانے کے پس پردہ یہ راز کار فرما تھا کہ ریاست کے مسلم حلقوں نے ٹھاکر کرتار سنگھ کی فرقہ پرستانہ ذہنیت سے تنگ آکر اس کے خلاف محاذ کھڑا کیا تھا۔ ٹھاکر جی جہاں مسلمانوں کے خلاف جذبہ نفرت کو بھڑکا کر غیر مسلموں کی ہمدردیاں حاصل کرنا چاہتا تھا۔ وہاں "پرنسلی انڈیا" میں مسٹر ویک فیلڈ مسٹر ڈوبے مشیرِ مال، خان بہادر عبدالمجید خان کے خلاف زہر اُگلوانے سے بھی باز نہ رہا۔ تاکہ مسٹر ڈوبے کو ریاست کی ملازمت سے علیحدہ کرا کے مشیرِ مال کی گدی ٹھاکر کرتار سنگھ کے سپرد کی جائے۔

اس دور میں انگریزوں کی یہ زبردست کوشش رہی کہ کسی بہانے مہاراجہ ہری سنگھ کو تخت و تاج سے محروم کیا جائے اور اپنے وفادار غلاموں کو دی ہوئی اس یقین دہانی کو یکسر فراموش کرنے پر کمربستہ ہوئے جسے بالفاظ دیگر ٹیلر کمیشن کی رپورٹ بھی کہتے ہیں۔ رپورٹ کے یہ واضح الفاظ ملاحظہ ہوں:—

"اعلیٰ حکومت پر یہ فرض عاید ہوتا ہے کہ سرکشی کی صورت میں ریاستوں کو بچائے گی۔ ان عہدناموں اور سندوں کی ضمانت کی رُو سے رائج اور اُس وعدے کے مطابق عاید ہوتا ہے جو ملکہ معظمہ نے اس بارے میں کئے ہیں کہ راجوؤں، مہاراجوں اور نوابوں کے حقوق عزت اور شان کو بغیر ٹھیس پہنچائے جانے کے برقرار رکھا جائے گا۔ اسکے ساتھ ہی یہ فرض بھی ہے کہ راجوں، مہاراجوں، نوابوں کو ختم کرنے والی تمام کوششوں سے بھی محفوظ رکھا جائے اور یہ کہ ان کے

بجائے کوئی اور حکومت نہ بنائی جائے"

تاجِ برطانیہ کی خدمت گذاری کے صلہ میں ہندوستانی راجوں، مہاراجوں اور نوابوں کے ساتھ مہاراجہ ہری سنگھ کو بھی یہ انعام ملا تھا۔ مگر یونین جیک کے ریاست میں لہرانے پر پابندی عاید کرنے اور گلگت کو براہِ راست حکومت برطانیہ کے قبضہ میں نہ دینے کی پاداش میں عہد مغلیہ کے زوال کے قہر و غضب نے مہاراجہ ہری سنگھ کی اس معمولی لغزش پر زبردست انقلاب کو لانے کے لئے میدان ہموار کیا جا رہا تھا۔ آخر ۱۹۳۵ء میں تاجِ برطانیہ مہاراجہ ہری سنگھ سے گلگت کے متعلق باقاعدہ معاہدے کے رُو سے اس پر قابض ہو گئی۔ جہانگیر کے عہد حکومت میں جو پہلا انگریز ہندوستان کے ساحل پر اترا، اُس نے اپنے آنے کا مقصد عیسائیوں کی کھوج اور گرم مصالحہ کی تلاش ظاہر کیا تھا۔ مگر جوں جوں انگریزوں کے قدم جمتے گئے، انہوں نے ہندوستان کی سرزمین سے ہی عیسائیوں کو پیدا کرنا شروع کیا اور انگریزوں کے دورِ حکومت میں ان کی پیداوار نے دن دوگنی اور رات چوگنی ترقی کی۔

یہ تھا بائیبل ——— اور روٹی کا تصادم بھوک، بیماری، لاچاری اور قحط کے مارے جس ہندوستانی نے روٹی کی طرف نظر اٹھائی اُسکے حصہ میں بائیبل آئی اور جو لوگ اس بات پر آمادہ نہ ہوئے انہیں سائنٹیفک (Scientific) طریقے پر گرم مصالحہ بنایا جا رہا تھا۔ اور ایسا ہی کچھ مہاراجہ ہری سنگھ کے ساتھ ہو رہا تھا۔ اور اس مہم میں اُن کے ہم مذہب انگریزوں کا ہاتھ بٹا رہے تھے جو ایک جانب مہاراجہ کو مسلم رعایا کے جائز مطالبات رد کرنے

کامشورہ دے رہے تھے۔ اور دوسری جانب "ہندو راج خطرے میں ہے" کا نعرہ دے کر ریاست میں فرقہ وارانہ ماحول کو پیدا کر کے انگریزوں کے لئے راہ ہموار کرنے کی در پردہ سازشیں کر رہے تھے۔

مسلمان ان ریشہ دوانیوں سے بے خبر نہ تھے۔ ان میں بیداری کی ایک لہر پیدا ہوئی تھی۔ وہ مسٹر واتل، ٹھاکر کرتار سنگھ، پنڈت رام چند کاک کی مسلم کش پالیسی کے خلاف صف آرا ہوئے اور صوبہ جموں میں ینگ مین مسلم ایسوسی ایشن میدان عمل میں کود پڑی۔ ساتھ ہی وادی میں خفیہ تنظیم زور پکڑنے لگی۔ تنظیم میں مولوی محمد یوسف شاہ، مولانا احمد اللہ ہمدانی اور دوسرے روحانی پیشواؤں اور سماجی رہبروں نے شرکت اپنے لئے باعث فخر سمجھی مفتی جلال الدین کے مکان پر ایک ایسی ہی میٹنگ میں میر واعظ محمد یوسف شاہ صاحب نے یہ تجویز پیش کی کہ ہماری تنظیم اس وقت تک نامکمل ہے جب تک کہ ہم اپنے لئے کسی ایک کو اپنا لیڈر منتخب نہ کریں۔ ان کی رائے سے اتفاق کرتے ہوئے شیخ محمد عبد اللہ کو لیڈر منتخب کیا گیا جن کو بعد میں مولوی محمد یوسف شاہ نے عوام سے متعارف کراتے ہوئے کہا کہ شیخ محمد عبد اللہ ہمارے لیڈر ہیں۔ ان کی ہر بات میری اور پوری قوم کی بات ہے میں مسلمانوں سے اپیل کرتا ہوں کہ ان کی دی ہوئی ہدایات اور بتائے ہوئے پروگراموں کو عملی جامہ پہنایا کریں۔

دریں اثنا شیخ محمد عبد اللہ نے گورنمنٹ ہائی سکول باغ دلاور خان میں بحیثیت معلم ملازمت اختیار کی۔ مگر تقاریر کا سلسلہ برابر جاری

رکھا۔ ان تقاریر کا مقصد سوائے اس کے اور کچھ نہ ہوتا تھا کہ تعلیم یافتہ مسلم نوجوانوں کو حکومت کے اہم عہدوں پر تعینات کیا جائے۔ سرکاری ملازمتوں میں آبادی کے تناسب کے لحاظ سے نشستیں مخصوص کی جائیں۔ اظہار رائے کی آزادی، مذہبی مقامات کی واگزاری اور مسلمانوں کو مذہبی رسومات ادا کرنے پر جو پابندیاں عائد کی گئی ہیں انہیں منسوخ کیا جائے۔

(۷)

توہینِ قرآن

۲۹ اپریل ۱۹۳۱ء کے دن سرزمین کشمیر کے افق پر ایک ایسی سحر نمودار ہوئی جو لاکھوں صبحوں سے منفرد اور مختلف تھی۔ اس روز عید تھی۔ جموں کے دلکش شہر میں غیر معمولی گہما گہمی دکھائی دیتی تھی۔ لیکن وہ اس راز سے بے خبر تھے کہ وہ آج عید گاہ میں اپنی تحریک آزادی کا وہ سنگ بنیاد رکھنے جا رہے ہیں جس پر آئندہ ان کی بنیاد استوار کی جائے گی۔

عید کی نماز جموں شہر کے امام جی نے پڑھائی۔ نماز کے بعد خطبہ شروع ہوا۔ تو ایک ڈوگرہ سب انسپکٹر پولیس کو ٹھاکر کرتار سنگھ نے ڈپٹی انسپکٹر جنرل پولیس چودھری رام چند کی ہدایت سے آگے بڑھنے کا حکم دیا۔ جس

نے نہایت حکمانہ انداز میں امام صاحب کو خطبہ پڑھنا بند کرنے کو کہا۔ پولیس انسپکٹر کے خیال میں خطبہ، نماز کا حصہ نہیں تھا۔ بلکہ حکومت کے خلاف کوئی تقریر تھی۔ اس حرکت سے مسلمانوں میں غیض و غضب کی ایک لہر دوڑ گئی۔ اُنہوں نے اس مداخلت پر احتجاج کیا۔ خطبہ کی بندش کی خبر جموں کے کوہستانی علاقہ سے گذر کر وادیٔ کشمیر میں آ پہنچی۔ اور ساری مسلم قوم میں ایک زبردست اضطراب پیدا ہوگیا۔ یہ تھا تحریک حریت کشمیر کا حرفِ آغاز۔ اس کے چند دِن بعد جموں پولیس لائن میں لابھا رام ہیڈ کانسٹبل نے قرآنِ پاک کی توہین کی۔ اس کے بعد جموں سے پندرہ میل کے فاصلے پر موضع ڈگور میں مسلمانوں کو نمازِ جمعہ پڑھنے سے مناہی کی گئی۔ اِن واقعات سے وہ لاوا جو اندر ہی اندر پک رہا تھا، پھوٹ پڑا۔ اور اس زور سے پھٹا کہ نہایت مختصر مدت میں نہ صرف وادیٔ کشمیر بلکہ میرپور، پونچھ اور راجوری تک کے دُور دراز علاقوں کو اس دھماکے نے اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ جموں کے مسلمانوں نے فیصلہ کیا کہ چار آدمیوں کا ایک وفد سری نگر روانہ کیا جائے جو اپنے ساتھ کشمیر کے اکابرین کو شامل کر کے مہاراجہ ہری سنگھ کے سامنے اپنی شکایات پیش کرے۔ اس سلسلے میں جموں سے چودھری غلام عباس خان، مستری محمد یعقوب، سردار گوہر رحمان اور شیخ عبدالحمید وکیل وفد کے رکن بن کر سری نگر آئے۔ وقت کی نزاکت کو بھانپتے ہوئے حکومت کشمیر نے اعلان کیا کہ نمایندگانِ جموں کی آمد کے موقعہ پر شہر میں کسی قسم کا جلوس نہ نکالا جائے۔ چناں چہ مسلمانانِ کشمیر نے ان احکامات کی پوری پوری تعمیل

خانقاہ معلے سرینگر



تحریک آزادی کشمیر کی درس گاہ



قاضی عبدالغنی دلنہ



چودھری حمیداللہ

گیا اور وہ لوگ، جو نمایندگان جموں کے استقبال کے لئے جمع ہوئے تھے، پُرامن طور پر منتشر ہوگئے۔

اس امن پسندانہ طریقہ کار کو دیکھ کر جموں میں انگریز ڈپلومیسی نے ہندوؤں کے ذریعہ جوابی تحریک شروع کرائی اور انہوں نے بھی مہاراجہ سے ملنے کی خواہش ظاہر کی۔ اس سے مسٹر ویک فیلڈ کو موقعہ ملا کہ مہاراجہ ہری سنگھ کو مشورہ دے کہ دونوں وفدوں میں سے کسی کو بھی ملاقات کا موقعہ نہ دیں۔ نتیجہ کے طور پر مسلمان مہاراجہ کے خلاف اپنی انتہائی نفرت اور غصہ کا اظہار کریں گے۔ جس کی تاب نہ لاکر مہاراجہ برطانوی حاکموں کے سامنے ہمیشہ کے لئے سرنگوں ہوکے رہے گا۔

وادیٔ کشمیر میں توہینِ قرآن کی خبر جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی۔ غصہ و حقارت کے ملے جُلے جذبات نے حکومت کے خلاف ایک شدید ہیجان پیدا کردیا اور حالات تشویش ناک صورت اختیار کر بیٹھے۔

حکومت مرض کی صحیح تشخیص کرنے اور اُس کا صحیح حل سوچنے کی بجائے شیخ محمد عبداللہ کی بڑھتی ہوئی لیڈرشپ کو اپنے لئے خطرہ تصور کر بیٹھی۔ اور اُس کی تبدیلی کے احکام جاری کئے۔ ان دنوں محکمۂ تعلیم کے ڈائریکٹر ایک انگریز مسٹر ویک ڈرافٹ تھے۔ تبدیلی کے احکام جاری ہونے کے فوراً بعد شیخ محمد عبداللہ نے اُن سے ملاقات کی۔ اپنی سرگرمیوں اور حکومت کے کینہ کا مفصّل تذکرہ کیا۔ مسٹر میک ڈرافٹ نے اُن کی تبدیلی کے احکام منسوخ کئے۔ مگر حکومت نے دوبارہ اُن کی تبدیلی کے احکامات جاری کئے۔ اس بار

انہوں نے احتجاج کے طور پر اپنا استعفیٰ پیش کیا۔ اور خانقاہ معلّیٰ سری نگر کے احاطہ میں ایک عوامی اجتماع میں اپنے مستعفی ہونے کا اعلان کیا۔ اُن دنوں مولانا ظفر علی خان ایڈیٹر "زمیندار" لاہور کشمیر کے حالات کا مشاہدہ کرنے یہاں آئے تھے۔ وہ بھی اس اجتماع میں حاضر تھے۔ شیخ صاحب کی جرأت اور عزم راسخ سے متاثر ہو کر بے اختیار اُن کی زبان پر "شیرِ کشمیر" آیا اور اُسی وقت سے شیخ صاحب شیرِ کشمیر کہلانے لگے۔

توہینِ قرآن کے خلاف جموں کے مُسلم نوجوانوں نے ایک شتر قد پوسٹر شائع کیا۔ جو عبدالمجید قریشی کے ذریعہ خفیہ طور پر سری نگر لایا گیا۔ اور ریڈنگ روم کے ورکروں کے ذریعہ اس کو دیواروں پر چسپاں کرنے کی مہم شروع ہوئی۔ ان پوسٹروں کو چسپاں کرنے کے جُرم میں محمد اسمٰعیل نامی ایک شخص کو فتح کدل کے قریب گرفتار کیا گیا۔ یہ ریاست میں پہلی سیاسی گرفتاری تھی۔

کشمیر کے ان بدلتے ہوئے حالات سے صوبہ پنجاب کی دو نیم سیاسی و مذہبی انجمنوں مجلسِ احرار اور جماعت احمدیہ نے دلچسپی لینی شروع کی تھی۔ اُن دِنوں ریاست میں غیر یقینی حالات پائے جاتے تھے اور ان سے نپٹنے کے لئے حکومت نے مُسلم نمایندگان سے تبادلۂ خیالات کرنے کی خواہش ظاہر کی اور اس بات کا اعلان کیا کہ مُسلمان اپنا ایک نمایندہ وفد بھیج کر حکومت کے سامنے اپنی شکایات پیش کریں۔

مُسلم نمایندگان کا اِنتخاب

چنانچہ ۲۵ رجون ۱۹۳۱ء بروز جمعہ خانقاہ معلّیٰ کے صحن میں مُسلمانانِ کشمیر کا ایک عظیم الشان جلسہ منعقد ہوا جس میں شیخ محمد عبداللہ، میر واعظ محمد یوسف شاہ اور مولوی عبدالرحیم نے تقریریں کیں۔ اس اجتماع میں تمام مُسلم فرقوں کے نمائیندے شامل تھے۔ اُنہوں نے آئیندہ کے لئے اشتراکِ عمل کے لئے حلف لیا۔ اور گیارہ نمائندوں کا ایک وفد حکومت سے مُسلم شکایات کے لیے گفت وشنید کے لئے چُنا گیا۔ وفد میں وادیٔ کشمیر سے نو ممبر لئے گئے۔ جِن کے اسمائے گرامی یہ ہیں:۔ خواجہ غلام احمد عشائی، میر واعظ محمد یوسف شاہ، میر واعظ مولوی احمد اللہ ہمدانی، شیخ محمد عبداللہ، آغا سید حسین شاہ جلالی، خواجہ سعد الدین شال، مُنشی شہاب الدین اور صوبہ جموں سے چودھری غلام عباس خان، مستری محمد یعقوب خان، سردار گوہر رحمان اور شیخ عبدالمجید وکیل (اس موقعہ پر جماعت احمدی کی طرف سیّد ولی اللہ شاہ زین العابدین اور چودھری بشیر احمد (برادرِ اصغر چودھری ظفر اللہ خان) خصوصی طور پر اکابرینِ کشمیر کو مشورہ دینے کے لئے یہاں بھیجے گئے تھے۔ اور انہیں سیاسی مطالبات مُرتب کرنے کا کام سونپ دیا گیا تھا) اُن کے ساتھ ڈیوٹی پر تعینات مجسٹریٹ پنڈت ست لال رینہ اور انسپکٹر انچارج پولیس پنڈت سودرشن کول، سابقہ ڈی، آئی، جی، مسٹر ڈی، این کول کے والد بھی اس پارٹی میں شامل ہوئے۔

مسٹر عبدالقدیر خان

خانقاہِ معلّیٰ کا صحن لوگوں سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ اور لوگ اپنے گھروں کو لوٹنا ہی چاہتے تھے کہ اس اجتماعِ عظیم میں سے ایک اجنبی پنڈال پر آیا اور مسلمانوں سے خطاب کرنے لگا۔ (یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اُن دنوں کشمیر میں لاؤڈ سپیکر نام کی شئے سے لوگ نا آشنا تھے) اپنی تقریر میں اجنبی نے حکومت کی کم ظرفی اور عوام سے لاتعلقی پر نکتہ چینی کرتے ہوئے "اسلام ظالم کے بارے میں کیا رویہ اختیار کرنے کو کہتا ہے"، قرآن و حدیث کی روشنی میں اپنی فاضلانہ تقریر میں اس موضوع پر مفصّل روشنی ڈالی۔ اور سی، آئی، ڈی، ڈائری کے مطابق اُنہوں نے کہا:۔

"مسلمانو اب وقت آگیا ہے کہ اینٹ کا جواب پتھر سے دیا جائے۔
یادداشتوں اور گذارشوں سے ظلم و ستم میں فرق نہیں آئے گا۔
اور نہ توہینِ قرآن کا مسئلہ حل ہوگا۔ تم اپنے پاؤں پر کھڑے ہو جاؤ
اور ظلم کے خلاف لڑو" اُنہوں نے راج محل کی طرف اُنگلی سے اشارہ
کرتے ہوئے بتایا کہ اسکی اینٹ سے اینٹ بجا دو"

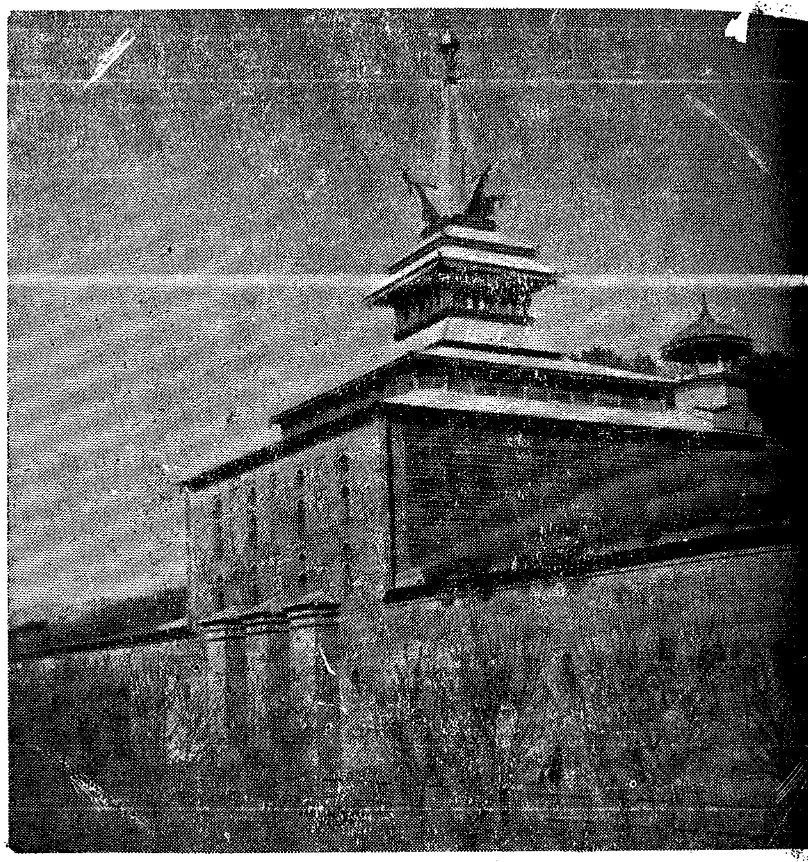
حکومت نے ان الفاظ کو بُنیاد بنا کر اُن کے خلاف مقدمۂ بغاوت دائر کیا۔ ڈیوٹی پر متعین انچارج پولیس انسپکٹر سے مہاراجہ نے تقریر کی رپورٹ ... اُس نے تقریر سے لاعلمی کا اظہار کیا جس پر اُسے معطل کیا گیا۔ تقریر کے بعد جلسہ گاہ سے لوگ گھروں کو لوٹے مگر ہر ایک کی زبان ...

... یہی سوال تھا کہ یہ کون شخص ہے؟ اکابرین چائے نوشی میں مصروف ... ہے۔ اور انہیں اجنبی کے عوام سے خطاب کرنے کی مطلق خبر نہ ہوئی۔ اِن ... گرفتاری کے بعد معلوم ہوا کہ یہ نوجوان ریاست رام پور کے پٹھان خاندان ... فرد ہے اور یہاں میجر بٹ نام کے انگریز کے ساتھ بطور خانساماں کے ... آیا ہے۔

۱۹۶۵ء میں خواجہ غلام محی الدین قرہ نے ہفت روزہ "محافظ" کے لئے ایک خصوصی انٹرویو دیتے ہوئے مجھ سے کہا "عبدالقدیر نام کا ایک پٹھان نوجوان جو کسی انگریز کے ساتھ یہاں آیا تھا۔ ۱۳ جولائی کے واقعہ سے قبل اکثر ہمارے پاس پیر عبدالاحد شاہ کی دُوکان پر ملنے آیا کرتا تھا۔ عبدالقدیر سے میری مُلاقات اسی دُکان پر ہوئی۔ اُن دنوں میرے علاوہ غلام محمد صادق، حسین خان، سُلطان ڈرپٹہ، ناصر خان اور مظفر خان (جو ۱۹۴۷ء میں جموں میں جج تھے۔ اور فرقہ وارانہ فسادات میں وہیں شہید کئے گئے) اس دُکان پر بیٹھ کر باہمی تبادلۂ خیالات کرتے تھے۔ ہندوستان میں جنگِ آزادی لڑنے والوں سے ہم بے حد متاثر ہو رہے تھے۔ اور عبدالقدیر خان ہماری گفتگو سے اثر لیتے گئے۔ اور اُسی اثر کا یہ ردِ عمل تھا جو خانقاہِ معلّیٰ میں اُنہوں نے شخصی نظام پر نکتہ چینی کی۔

حکومت نے مسٹر عبدالقدیر خان کو گرفتار کر کے زیرِ دفعہ ۱۲۴ ... سپیشل کورٹ استغاثہ اے، ڈی، ایم پنڈت کرشن لال کچلو کی عدالت میں دائر کیا۔ چونکہ ریاست میں اپنی نوعیت کا یہ پہلا سیاسی مقدمہ تھا۔ اس لئے عام لوگوں کو اس سے دلچسپی اور مُلزم کے ساتھ ہمدردی

جامعہ مسجد



جنگ آزادی کشمیر کی تربیت گاہ

پیدا ہو گئی اور مقدمہ کی کارروائی سننے کے لئے ہزاروں کی تعداد میں لوگ عدالت میں جمع ہو گئے۔ لوگوں کا جوش و خروش دیکھ کر حکومت کے حواس باختہ ہوئے۔ چنانچہ یہ فیصلہ کیا گیا کہ آیندہ مقدمہ کی سماعت سنٹرل جیل سری نگر میں کی جائے۔

پہلا سیاسی جلسہ

مسٹر عبدالقدیر کی گرفتاری کے بعد رائے زادہ تریلوک چند ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے خان صاحب غلام مصطفےٰ، خواجہ سعد الدین شال، منشی اسد اللہ وکیل، مولوی محمد عبداللہ وکیل، خواجہ غلام محی الدین گنگو، خواجہ غلام محی الدین کاوسہ، میر مقبول گیلانی، خواجہ عبدالرحیم بانڈے کو اپنے دفتر پر بلا کر کہا کہ وہ نوجوانوں کو سمجھا بجھا کر تقاریر کا سلسلہ بند کرائیں۔ جس سے وہ دانستہ طور پر مسلمانوں کو حکومت کے خلاف بھڑکاتے اور جذبۂ نفرت ابھارتے ہیں اور ساتھ ہی جامع مسجد کے دروازے پر، جو اُن دنوں حکومت کی تحویل میں تھی، نوٹس چسپاں کرائی کہ کوئی شخص بغیر اجازتِ ڈپٹی کمشنر مسجد میں تقریر یا جلسہ نہ کرے!

حکومت کی اس نامعقول روش نے جلتی آگ پر تیل کا کام کیا اور نوجوان لیڈروں نے شہر میں ڈھنڈورہ پٹوایا کہ شام کو توہینِ قرآن کے خلاف جامع مسجد میں احتجاجی جلسہ منعقد ہوگا۔ ۱۰؍ جولائی ۱۹۳۱ء کا یہ جلسہ ریاست کی تاریخ میں پہلا عام جلسہ تھا۔ جس کا افتتاح ایک نوعمر لڑکے نے مشہور انقلابی نظم پڑھ کر کیا۔ نظم کے چند اشعار

تمھیں سے اے مجاہدو جہاں کی ثبات ہے
شہید کی جو موت ہے وہ قوم کی حیات ہے
کو اکبِ بقا ہو تم جہاں اندھیری رات ہے
تمھیں سے اے مجاہدو جہاں کی ثبات ہے
یہ لفظ اِک عجب ہے رموزِ کائنات میں
کہ فرق ہے تمھاری اور عوام کی ممات میں
بقا ہو جس کی ذات کو وہ اِک خدا کی ذات ہے
تمھیں سے اے مجاہدو جہاں کی ثبات ہے
حیات بھی حیات ہے تو ممات بھی حیات ہے
شہید کی جو موت ہے وہ قوم کی حیات ہے
کٹیں جو گردنیں تو زندگی ہو قوم کی
بہے جو شہید کا لہو وہ قوم کی زکواۃ ہے

تقریباً ایک لاکھ مظلوموں کے اس احتجاجی جلسہ میں اس کے بعد شیخ محمد عبداللہ نے آغا حشر کاشمیری کی مشہور نعتیہ نظم[1] پڑھ کر سامعین کو محظوظ کیا۔ اور تقریر کرتے ہوئے توہینِ مذہب ایسی ناشایاں حرکات کی شدید مذمت کرتے ہوئے حکومت سے مانگ کی کہ وہ ان بدکرداروں کو سخت سے سخت سزا دے تاکہ آیندہ کوئی یہ جرأت نہ کر سکے کہ وہ مذہب جیسی مقدس شئے کو کھلونا سمجھ کر کسی بھی فرقہ کی دِلآزاری کا ارتکاب کرے۔ عبدالقدیر کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ ہمارے ایک بے کس، غریب الدیار بھائی نے جذبۂ اسلام

[1] آہ جاتی ہے فلک پہ رحم لانے کے لئے   بادلو ہٹ جاؤ دے دو راہ جانے کے لیے

سے سرشار ہو کر کوئی تقریر کی ہے۔ اُس کا مقدمہ عدالت میں ہے۔ ان حالات میں اُس پہ رائے زنی کرنا دانش مندی نہیں۔ ہماری دُعا ہے کہ خدا اُس پہ رحم اور اُس کی مُشکل آسان کرے۔ انہوں نے مسلمانوں کی شکایات کی وضاحت کی۔ اسی نوعیت کی تقریر خواجہ غلام نبی گلکار نے بھی کی۔ مولوی عبدالرحیم نے اپنی تقریر میں جذبہ مسلم آزاری کی مذمت کی۔ حکومت کے غیر ہمدردانہ سلوک، اہلِ ہنود کی جانب داری، توہینِ قرآن، عبادت گاہوں پر حکومت کے قبضہ، مسجدوں سے شالی سٹور اور بارُود خانہ کا کام لینا، اہل اسلام کو اعلیٰ عہدوں سے محروم رکھنا وغیرہ شکایات پر مفصل روشنی ڈالی۔

حکومت، نوجوانوں کی حق گوئی سے تلملا اُٹھی اور صورت حال سے نپٹنے کے لئے ڈپٹی کمشنر نے اکابرین شہر کی ایک خصوصی میٹنگ طلب کی۔ منشی اسداللہ وکیل، مرزا غلام مصطفےٰ، مفتی شریف الدین اور مولوی عبدالرحیم بانڈے نے اس امر پہ زور دیا کہ ان نوجوانوں کو قید کیا جائے۔ لیکن اکابرینِ شہر کی اکثریت نے اس تجویز کی مخالفت کی۔ مسلم نوجوانوں کو جوں ہی اس تجویز کی خبر ملی تو انہوں نے حضرت بل آثار شریف کے جلسہ عام میں ان کی مذمت کی۔

اا رجولائی کو شیخ محمد عبداللہ اور مولوی عبدالرحیم نے مسجد بتہ مالنہ میں تقریریں کیں۔ جہاں جنگِ بدر کی تمثیل پیش کی گئی۔ ۱۲ رجولائی کو شیخ محمد عبداللہ اور اُن کے ساتھیوں نے گاؤکدل کی مسجد میں تقاریر کیں۔ یہ جلسہ تقریباً بارہ بجے رات برخاست ہوا۔ اور لوگ ٹولیوں

میں اپنے گھروں کو لوٹتے ہوئے یہ شعر پڑھتے جا رہے تھے ؎

سرفروشی کی تمنّا اب ہمارے دِل میں ہے
دیکھ لیں گے زور کتِنا بازوئے قاتل میں ہے

۱۳ رجولائی ۱۹۳۱ء

مسٹر عبدالقدیر کا مقدمہ، جو ریاست میں پہلا سیاسی مقدمہ تھا، نے عوامی حلقوں میں مذہبی شکل اختیار کی۔ اس لئے عام لوگوں کو سماعتِ مقدمہ سے اور بھی زیادہ دلچسپی بڑھ گئی۔ حکومت کا یہ فیصلہ کہ آئیندہ مقدمے کی سماعت سری نگر سنٹرل جیل کے احاطہ میں ہوگی، عوامی تشویش کا باعث بنا۔ ۱۳ رجولائی ۱۹۳۱ء کے دِن مُلزم کی طرف سے بطور وکیل مولوی محمد عبداللہ وکیل، پیر قمرالدین وکیل اور غلام محمد بی، اے۔ ایل، ایل، بی پہلے ہی پہنچے تھے۔ اور مقدمہ کی کارروائی سُننے کے لئے نوجوانوں کی ایک خاصی تعداد سنٹرل جیل کے باہر جمع ہوگئی۔ وہ "اسلام زندہ باد"۔ "عبدالقدیر زندہ باد"۔ "نعرۂ تکبیر، اللہ اکبر" اور "انصاف زندہ باد" کے نعرے دے رہے تھے۔ اتنے میں سشن جج جیل کے بیرونی دروازے کے قریب پہنچا۔ ان کی کار کے ہمراہ تقریباً تین سَو اشخاص، جیل کے بیرونی احاطہ میں نعرے لگاتے ہوئے داخل ہوئے۔ سشن جج کے کہنے پر مولوی عبداللہ وکیل اور پیر قمرالدین نے لوگوں سے اپیل کی کہ وہ احاطہ جیل سے باہر نکل جائیں اور اپنے گھروں کو لوٹیں۔ اس پر مجمع احاطہ جیل سے باہر نکلا اور وعدہ کیا کہ نماز پڑھ کر چلے جائیں گے۔ لوگ نماز کی تیاریوں میں مصروف ہوئے۔ کوئی ایک بجے کا عمل تھا

کہ لوگ جیل کے سامنے بادام واری میں نماز کے لئے کھڑے ہو گئے۔ چند پولیس [illegible] لے کر دوڑے دوڑے آئے اور نمازیوں پر حملہ کر کے پانچ آدمیوں کو گرفتار کر کے لے گئے۔ اس پر لوگوں نے شور مچایا۔ اور اس بات کا مطالبہ کیا کہ اگر گرفتاریاں ہی کرنی ہیں تو ہم سبوں کو گرفتار کر دو۔ اور پولیس کی اس حرکت سے لوگوں میں کھلبلی سی مچی۔ اسی دوران پولیس نے جیل کی بیرونی پھاٹک کی دیوار کے ساتھ شکاریوں کی طرح گھات لگا کر نہتے انسانوں کا مرغابیوں کی طرح شکار کھیلا۔ سترہ فرزندانِ کشمیر جامِ شہادت نوش کر گئے اور پانچ زخمی حالت میں جامع مسجد پہنچائے گئے جو طبی امداد نہ ملنے کی وجہ سے جانبر نہ ہو سکے!

مجمع منتشر ہوا۔ حکومت کی اس بزدلانہ حرکت سے نفرت و حقارت کے ملے جلے جذبات نے کچھ نوجوانوں کو مشتعل کیا اور جیل کو آگ لگانے پر اکسایا۔ مگر وہ ناکام رہے۔ ایک اور ہجوم نے پولیس گارڈ پر حملہ کیا۔ ان کی چارپائیاں چھین لیں۔ جن پر شہداؑ اور زخمیوں کو جلوس کی صورت میں جامع مسجد پہنچایا گیا۔ یہ خبر آگ کی طرح تمام شہر کیا، وادی میں پھیل گئی اور سری نگر کا پورا شہر ماتم کدہ بن گیا۔ حکومت کے خلاف سخت جذبۂ منافرت پیدا ہونا لازمی امر تھا۔ فوری طور پر تمام دکانیں بند ہوئیں۔ سارا کاروبار معطل ہوا۔ اور لوگ جوق درجوق جامع مسجد پہنچنے شروع ہوئے۔ جامع مسجد میں جہاں شہداؑ پہنچائے گئے تھے، تل دھرنے کو جگہ نہ تھی۔ اس موقعہ پر حکومت نے فوج کو تاکیدی ہدایت دی کہ وہ شہداؑ کو مسلمانوں کے ہاتھوں سے چھین لے۔ چنانچہ

ملہ کھاہ کے قبرستان میں مسلمانوں اور فوج کے درمیان تصادم ہوا۔ مگر فوج اپنے مقصد میں ناکام رہی۔

جلوس، شہداؑ کو لے کر جامع مسجد پہنچ گیا تھا۔ فوج نے جامع مسجد کو گھیرے میں لے لیا۔ چند زخمی، طبی امداد نہ ملنے کی وجہ سے دم توڑ گئے اور شہداؑ کی صف میں شامل ہو گئے۔ ان میں سے ایک دم توڑتے ہوئے نوجوان کشمیری نے اہلِ وطن کے لئے یہ پیغام چھوڑا ——

"بے گناہوں کا خون رائیگاں نہ ہونے پائے۔ ہم نے اپنا فرض ادا کیا۔ اب کشمیر کی قسمت تم لوگوں کے ہاتھ میں ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ تم جھوٹی چمک دمک دیکھ کر اپنے فرائض اور حق و صداقت کے بلند آدرشوں کو بھول کر ذاتی مفاد کے لئے ایک دوسرے کا سر پھوڑنے لگو۔ اس سرزمین کو ضرورت پڑنے پر اپنے خون سے لالہ زار بنانے سے دریغ نہ کرو۔"

۱۳ جولائی سنہ ۱۹۳۱ء کے شہداؑ

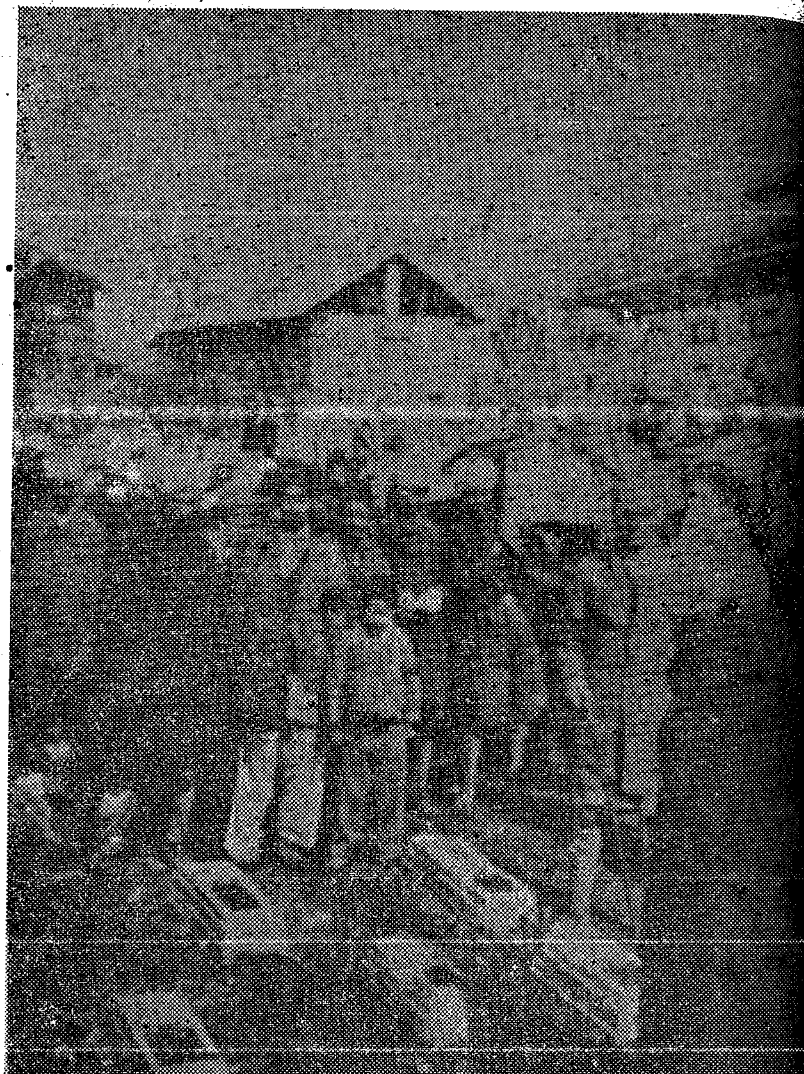
نام	عمر	سکونت
غلام محمد حلوائی	۲۵ سال	جامع مسجد
عبدالخالق شورہ	۳۳ "	وازہ پورہ
غلام نبی کلہ وال	۲۷	پاندان (نوہٹہ)
غلام محمد صوفی	۲۰	دریا بل
غلام قادر بٹ	۲۲	بہاؤالدین صاحبؒ

محمد رمضان	۱۹ سال	خانیار
محمد عثمان	۲۰	کلاش پورہ
غلام محمد نقاش	۲۲	کادی کدل
غلام رسول درزی	۲۳	احمدا کدل
امیر جو	۲۷	گوجوارہ
عبدالاحد	۲۳	گاؤ کدل
غلام احمد کالباف	۳۲	فتح کدل
امیر جو مکائی	۳۵	نواکدل
شعبان جو مکائی	۶۰	؍؍
سبحان خان	۲۲	نواب بازار
عبدالخالق	۳۰	واتل کدل
محمد اکبر	۳۳	نامعلوم
عبدالقادر	۲۶	؍؍

پولیس نے تحقیقاتی کمیشن کے سامنے اس امر کا اقرار کیا ہے کہ اس نے سنٹرل جیل کے باہر مجمع کو منتشر کرنے میں ۱۸۰ راؤنڈ چلائے اور ۳۲ اشخاص کو گرفتار کیا۔

لوٹ

اس موقعہ پر سامراجی ایجنٹوں نے اپنا کام کیا اور انہوں نے چند غلط کار غنڈوں کو اپنے ساتھ ملا کر موقعہ کی نزاکت سے فائدہ اٹھانے



چھوٹے چھوٹے ڈھیر مٹی کے قطار اندر قطار
راہ آزادی میں لڑنے مرنے والوں کے مزار

کی کوشش کی اور مسلمانوں کے جذبات کو ہندوؤں کے خلاف بھڑکا کر اپنے پاگل پن کا مظاہرہ کیا۔ چناں چہ وچار ناگ، بہوری کدل، زینہ کدل اور سری رنبیر گنج میں ان غلط کاروں نے ہندوؤں کی دکانوں کو لوٹنا شروع کیا۔ اس کے جواب میں ہندوؤں نے حبہ کدل، گنپت یار، کرالہ کھڈ بربرشاہ اور کئی دوسرے مقامات پر اس کا بدلہ لینا شروع کیا۔

مگر جوں ہی مسلم رہنماؤں کو اس واقعہ کی خبر ملی، انہوں نے فوری طور اس کی روک تھام کرائی اور ایسی حرکات کرنے والوں کی شدید مذمت کی۔ اس کے بعد شہر فوج کے حوالے کیا گیا۔ یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ وہ فوجی سپاہی جو امن و امان قائم رکھنے کے لئے مامور ہوئے تھے، مارشل لا کے نام پر زینہ کدل اور مہاراج گنج میں غنڈوں کی یہ حرکت دیکھ کر بجائے اس کے کہ اس کی روک تھام کرنے کی کوشش کرتے خود بھی اس لوٹ میں پنجابی ہندوؤں کے ساتھ شامل ہو گئے۔

لوٹ کی بنیادی وجہ یہ ہوئی کہ چند مسلمان شہید عبدالخالق کی نعش کو لے کر ان کے مکان واڑہ پورہ جا رہے تھے۔ اور دوسری چارپائی پر ایک اور زخمی کو لے کر طبی امداد کے لئے مہاراج گنج ہسپتال لے آئے تھے۔ تو مہاراج گنج کے پنجابی ہندوؤں نے ان کا تمسخر اڑانا شروع کیا۔ اور جب غم زدہ مسلمانوں نے انہیں دکانیں بند کرنے کو کہا تو انہوں نے اشتعال انگیز کلمات سنائے، اس شکر رنجی نے بلوؤں کی صورت اختیار کی۔ اور چند جذباتی مسلمانوں نے مشتعل ہو کر ہندوؤں کی دکانوں پر ہلہ بول کر ان کا مال نہ صرف سڑکوں پر پھینک دیا۔ بلکہ دریائے جہلم کی نذر بھی کیا۔ لالچی اوباشوں



فطرت انسان کو طوق غلامی ناپسند
نعرے آزادی کے لے لے کر اٹھے ہیں سر بلند

کرنے کی اجازت دیتی ہے۔ لیکن زعماء کا یہ اٹل فیصلہ ہے کہ یہ ایک ہی جگہ دفن ہوں گے۔ اور اُن کا جلوس جنازہ ان کے شایانِ شان نکالا جائے گا تمام لوگوں نے ان کی رائے سے اتفاق کیا۔

میر واعظ مولوی محمد یوسف شاہ نے بھی اس موقعہ پر تقریر کرتے ہوئے کہا کہ حکومت یہ نہیں چاہتی ہے کہ شہداء کے جنازے میں لوگ شامل ہوں۔ مگر میں حکومت کشمیر اور مہاراجہ ہری سنگھ سے کہنا چاہتا ہوں کہ شہداء کا جنازہ بڑی دھوم سے اُٹھے گا۔ اور ضرور اُٹھے گا۔ چاہیے اس کے لئے ہمیں اس سے بھی کتنی ہی بڑی قربانی کیوں نہ دینی پڑے۔ کیونکہ یہ ایک اسلامی فریضہ ہے۔

تقریر کے بعد جامع مسجد کے اندر ہی تابوت بننے شروع ہوئے برف اور ادویات کا انتظام کرایا گیا۔ تاکہ نعشیں خراب نہ ہونے پائیں۔ اُس وقت مہاراجہ کا وزیرِ خصوصی نواب خسرو یار جنگ جامع مسجد میں موجود تھے۔ جس نے بعد میں مہاراجہ ہری سنگھ سے کہا کہ اگر شہداء کے نمازِ جنازے پر اسی طرح پابندی عائد کی گئی تو ایک محشر بپا ہوگا۔ اس پر یہ طے پایا کہ فی نعش کے ساتھ آٹھ افراد جائیں گے۔ اس معاہدے کے تحت جونہی جامع مسجد کے بیرونی صحن میں شہداء کے تابوت لائن میں کھڑے کئے گئے۔ مسلمانوں کا بے پناہ ہجوم جمع ہوا۔ جسے دیکھ کر حکومت گھبرا گئی۔ اور اُسے ہجوم کو منتشر کرنے کی غرض سے ایک بار پھر جامع مسجد کی دیواروں کو گولیوں کا نشانہ بنانا پڑا۔

لوگوں میں سرفروشی کا عجیب جذبہ تھا۔ ایوانِ حکومت کے در و دیوار

.....چل رہے تھے۔ راہِ آزادی کے جان نثاروں کی سواری بڑی شان و شوکت کے ساتھ مزارِ شہداء درگاہ خواجہ نقشبندؒ کی طرف چل پڑی۔ اس موقعہ پر مولوی محمد یوسف شاہ نے فتوےٰ دیا کہ ان شہداء کو جنگ اُحد کے شہیدوں کی طرح دفن کیا جائے یہی وجہ ہے کہ ۱۳ر جولائی کے شہداء کی ایک قبروں میں دو دو کر کے سپردِ خاک کئے گئے ہیں۔

اسکے بعد شہر میں فوجوں نے اپنی دہشت گردی، بربریت کا مظاہرہ کرنے کے لئے شہر کے مختلف علاقوں میں گولی چلائی جس سے مائیسمہ، زینہ کدل، نواکدل، اور جامع مسجد کے احاطہ میں کئی اور افراد شہید ہوئے۔

شہر میں فوج کے ذریعہ عام لوگوں پر بے پناہ مظالم توڑنے سے عوامی حلقوں میں حکومت کے خلاف جذبۂ ناراضگی بڑھتا گیا۔ جسکی پاداش میں پورے اُنیس ۱۹ دن مکمل ہڑتال رہی۔ تمام کاروبار معطل رہا۔ اور ساری وادی شہرِ خموشاں میں تبدیل ہو گئی۔

کہتی ہے خلقِ خُدا تجھے غائبانہ کیا!

کشمیر کا یہ خونی ڈرامہ زیادہ دیر تک دُنیا والوں سے پوشیدہ نہ رہا۔ یہ حقیقت اپنی جگہ مُسلّمہ ہے کہ ہندوستان کے ہندو پریس نے محض اس لئے مہاراجہ کی حمایت شروع کی کہ وہ ہندو ہے اور پرجا مُسلمان ــــــــ مگر یہ نظریہ ہر ہندو کے بارے میں قائم نہیں کیا جاسکتا ہے۔ چناں چہ جب اس خونی ڈرامے کی خبر آنریبل ایل' این بنیرجی تک انگلینڈ پہونچی تو اُنہوں نے اپنے رسالہ "انڈین سٹیٹس" میں اہل

کشمیر کے بارے میں ایک ادارتی مضمون میں اس حقیقت کا اعادہ کیا۔

"گو کہ ہندوستان اور دُنیا کے گوشے گوشے سے لوگ کشمیر سیر و تفریح کے لئے جاتے ہیں۔ اور وہاں کے تازہ پھل، ہوا اور مقوّی غذاؤں سے شکم پُری کرتے ہیں۔ جھیل ڈل میں ہوس بوٹوں میں رہتے ہیں۔ نشاط اور شالامار باغ میں شراب کی محفلیں جاتے ہیں۔ گلمرگ میں برف کے تودوں سے کھیلتے کھیلتے کشمیر کی معصوم جوانیوں کو چھیڑنے سے بھی باز نہیں آتے۔ مگر اس قوم کے داغ ہائے جگر اور زنجیر ہائے غلامی کی طرف آنکھ اُٹھا کر دیکھنے کی کوئی زحمت برداشت نہیں کرتا۔

"ارضِ گیتی کے اس خِطّہ پر رہنے والوں کی بے بسی اور مظلومیت کی طرف کوئی دھیان نہیں دیتا۔ شاہی خاندان کے افراد اپنے راج محل میں عیش کوشی میں معروف ہیں۔ اور اُن کی بھوکی اور بیمار رعایا بیکاری اور زمانے کے ظالمانہ پنجوں میں مسل کر تڑپ تڑپ کر جان دے رہی ہے۔ وقت آگیا ہے کہ ان بے زبان انسانوں کو جن کے ساتھ حیوانوں جیسا سلوک کیا جاتا ہے۔ ایک متحدہ محاذ قائم کر کے ظالمانہ پنجوں سے رہا کرایا جائے۔"

قلمی پوسٹر

اس موقعہ پر جو پہلا قلمی پوسٹر جاری کیا گیا وہ میر عبدالاحد شاہ کی دکان پر لکھ کر امیراکدل کی مختلف جگہوں پر چسپاں کیا گیا اور اس جرم میں میر عبدالاحد شاہ، غلام محی الدین قرہ، غلام محمد صادق موجودہ ریاستی وزیر اعلیٰ پر پہلا سیاسی

مقدمہ زیر دفعہ ۱۲۴ الف رنبیر پینل کوڈ چلایا گیا۔ جس کو بعد میں حکومت نے واپس لے لیا۔

ہائے اس زُود پشیماں کا پشیماں ہونا!

وزیر اعظم مسٹر ویکفیلڈ اپنا مشن پورا کر کے چلا گیا۔ اور پنڈت ہری کشن کول جو کہ کشمیر کے اعلیٰ خاندان کا فرد تھا کی خدمات بحیثیت وزیر اعظم حاصل کی گئیں۔ حکومت نے ظلم و جبر اور مفاہمت کے تمام حربوں کو آزمایا۔ مگر ہڑتال نہ کھلی اور حالات بد سے بدتر ہوتے گئے۔ وزیر اعظم ہری کشن کول نے حالات سے مجبور ہو کر خواجہ نور شاہ نقشبندی تحصیل دار، خواجہ غلام احمد عشائی، میر واعظ یوسف شاہ، مولوی عبداللہ اور پنڈت روگھوناتھ مٹو تحصیل دار کو قلعہ میں بھیجا تاکہ سمجھوتہ کی کوئی صورت نظر آئے۔ اور گرفتار شدگان اس بات کی تحریری ضمانت دیں کہ آئیندہ وہ کبھی حکومت کے خلاف کوئی باغیانہ تقریر نہیں کریں گے لیکن ان لوگوں سے کوئی معاملہ طے نہ ہو سکا۔

آخر یکم اگست کی شام کے پانچ بجے وزیر اعظم مسٹر ہری کرشن کول، مولانا ابوالکلام آزاد (جو کہ کرنیل ہاکسر کی معیت میں کشمیر کے حالات کا جائزہ لینے سرینگر آئے ہوئے تھے) اور ایک مجسٹریٹ قلعہ ہری پربت جیل میں گرفتار شدگان سے ملنے گئے۔ جہاں پہنچتے ہی وزیر اعظم ہری کرشن کول نے شیخ محمد عبداللہ اور اُن کے ساتھیوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا "اگر تم لوگ جیل کی چار دیواری سے رہائی پانے کے خواہش مند ہو۔ تو وعدہ کرو کہ تم جیل سے

رہا ہو کر کوئی ایسی تقریر یا حملہ نہیں کہو گے جس سے دو قوموں کے درمیان نفرت پیدا ہو یا دوسرے فرقہ کے جذبات مجروح ہوں یا حکومت کے خلاف غیر وفاداری کے جذبات پیدا ہوں تو ہم اس شرط پر تم لوگوں کو رہا کریں گے۔

اِس کے جواب میں شیخ محمد عبداللہ نے کہا "ہم تقریر کرنے سے باز نہ آئیں گے لیکن ہم نے کبھی کوئی ایسی تقریر نہیں کی جس سے دوسرے فرقہ کے جذبات مجروح ہوئے ہوں یا فرقہ وارانہ آگ بھڑک اُٹھی ہو حکومت کی مرضی ہے ہمیں رہا کرے یا قید میں رکھے لیکن ہمیں بتایا جائے کہ ہم کس جُرم میں قید کئے گئے ہیں۔ ہم نے کونسی باغیانہ تقریر کی ہے جکی بنا پر ہمیں قید کیا گیا؟"

روزنامہ "انقلاب" لاہور کا رپورٹر اس واقعہ پر تبصرہ کر کے لکھتا ہے کہ مولانا آزاد جو حکومت کے مہمان تھے نے حق بات کہہ دی کہ حکومت کشمیر نے ان کو بلاوجہ گرفتار کر لیا ہے۔ انہیں غیر مشروط طور پر رہا کیا جائے شام کے چھ بجے وزیر اعظم اور اُن کے ساتھی واپس آئے۔ ۲۰ دن کی مکمل ہڑتال، شہر میں ملٹری راج قائم کرنے عوام پر ناروا سختیاں روا رکھنے اور داد گیری کے سلسلے جاری رکھنے کے بعد حکومت پر جب یہ واضح ہوا کہ ظُلم و جبر کے تمام حربے ناکام ثابت ہوئے۔ تو اکیس ۲۱ ویں دِن رات کے دس بجے مہاراجہ ہری سنگھ کے حکم سے تمام نظر بند رہا کر دئے گئے، ساتھ ہی مسٹر عبدالقدیر خان کو پانچ سال قید سخت کی سزا دی گئی۔ ڈیڑھ سال کی قید کاٹنے کے بعد انہیں ریاست کی حدود سے باہر نکال کر رہا کیا گیا۔

یہ وعدے وفا کے!

چند دن بعد مسلم نمائندگاں اور حکومت کے درمیان ایک سمجھوتہ ہوا۔

جس کو پابندی کے ساتھ عمل میں لانے کے لئے مُسلم نمائندگاں اور حکومت کی طرف سے وزیر اعظم نے دستخط کئے۔ غالباً دستخط کرتے وقت مسلم نمائندگان اس حقیقت کو فراموش کر بیٹھے کہ کوئی ٹھنگنا کسی دیو ہیکل اور مطلق العنان حکمران سے اپنے حقوق کیسے منوا سکتا ہے؟ شرائط اور پابندیوں سے بھرپور سمجھوتے کا متن درج ذیل ہے ——

(۱) جو ایجی ٹیشن آج تک جاری تھی، بالکل بند کر دی جائے گی یعنی مساجد یا کسی مذہبی مقام پر یا عام جلسہ میں ایسی تقریر نہ کی جائے گی جس سے حکومت یا مہاراجہ بہادر کی رعایا کے کسی فرقہ کے خلاف جذبہ نفرت پھیل جائے۔

(۲) جامع مسجد اور دیگر مساجد اور زیارتوں کے اندر یہ اعلان کیا جائے گا کہ ریاست کشمیر کی مسلم رعایا بیرونی عنصر سے اپنے کاموں کے متعلق اثر پذیر نہیں ہوتی اور وہ وفاداری میں اپنے حکمران ہز ہائنس کے لئے ثابت قدم ہے جس سے وہ اپنے جائز مطالبات پر ہمدردانہ غور کرانے کی پوری توقع رکھتی ہے۔

(۳) مسلم فرقہ کے ساتھ ہمدردی رکھنے والوں سے اپیل کی جائے گی کہ جب تک اُن مطالبات کا جو وہ پیش کرنے والے ہیں فیصلہ نہیں ہوتا، کوئی ایسی کاروائی نہ کی جائے جو اُس پُر امن فضا کو خراب کرے جو مطالبات پر غور کرنے کے لئے ضروری ہے۔

(۴) اس سمجھوتہ سے عام قانون میں جو اس وقت تک نافذ ہے۔ کوئی تبدیلی نہیں ہوگی۔

(۵) اس سمجھوتہ کے لئے ہم وزیر اعظم کی فیاضدلی کی قدر کرتے ہیں۔ جو انہوں نے ہماری معروضات سُننے میں دکھائی ہے۔ ہم اُس کی ہمدردی کے مشکور ہیں۔

(اس شرائط نامہ پر تمام جموّں وکشمیر کے گیارہ مُسلم نمائندوں کے دستخط ثبت ہوئے)

حکومت کی طرف سے یقین دِہانی

(۱) جب ایجی ٹیشن کے مکمل طور پر بند کئے جانے کا اعلان تمام شہروں اور گاؤں میں کیا جائے گا۔ تو افسرانِ حکومت وہ تمام احکام معطل کر دیں گے۔ جو گذشتہ دو ماہ کے اندر قانونِ مروّجہ کے تحت ایجی ٹیشن کو دبانے کے لئے عمل میں لائے گئے ہیں۔

(۲) ہائی کورٹ سے درخواست کی جائے گی کہ اُن تمام اشخاص کو ضمانت پر رہا کر دیا جائے جو سنٹرل جیل میں بلوہ کرنے کے جرم میں گرفتار کئے گئے ہیں یا جن کا عدالت میں چالان ہوا ہے۔ اُن کے مقدمات کی سماعت کو دلال کمیٹی کی رپورٹ شائع ہونے تک ملتوی کیا جائے۔

(۳) اُن ملازمانِ سرکار کے معاملات پر جو ایجی ٹیشن کے سلسلے میں برخاست، معطل، یا تنزّل کئے گئے غور ہوگا اور اگر وہ ضمانت دے سکیں کہ وہ ایجی ٹیشن میں حصہ نہ لیں گے اُن کو بحال کر دیا جائے گا۔

(حکومت کی طرف سے اس سمجھوتہ پر وزیر اعظم ہری کرشن کول نے دستخط کیے)

نمائندگان اور حکومت کے درمیان سمجھوتہ ہونا تھا کہ عوامی حلقوں میں اُن کی نسبت بدگمانی پیدا ہو گئی۔ اور عام مسلمانوں نے مسلم نمائندگان کے اس سمجھوتہ

پر کوسنا شروع کیا۔ ان میں یہ غلط فہمی پیدا کرائی گئی کہ ان لوگوں نے غداری کی ہے۔ اور اپنی مطلب براری اور جیل سے رہائی پانے کیلئے یہ سمجھوتہ کیا ہے۔ لوگوں کے ایک ہجوم نے شیخ محمد عبداللہ پر جو اُن دنوں ہوس بوٹ میں قیام پزیر تھے حملہ کیا۔ اُس پر اُنہوں نے عوام کے بھرے مجمع میں پوزیشن واضح کی اور لوگوں کے دلوں سے بدگمانی دُور کرنے کی کوشش کی۔ ادھر حکومت کو جب اس امر کا احساس ہوا کہ عوام یہ سمجھوتہ کرنے پر نمائندگان سے بیزار ہیں۔ تو اُس نے شرائط کو پورا کرنے میں تساہل برتنا شروع کیا اور نمائندگان کی پوزیشن عوام کی نظروں میں کمزور کرنے کے منصوبے ترتیب دینے لگی۔

اخبار الفضل قادیان اپنے ۶ ستمبر ۱۹۳۱ء کے شمارے میں اس واقعہ کو یوں بیان کرتا ہے:۔

"۲۸ اگست کو سرینگر کی جامع مسجد میں ساٹھ ہزار سے زائد مسلمان جمع ہوئے کیونکہ شرائطِ صلح سُنائی جانے والی تھیں۔ میر واعظ مولوی محمد یوسف شاہ صاحب جب سٹیج پر آئے تو لوگوں نے شور وغل سے آسمان سر پر اُٹھایا۔ انہیں شکایت تھی کہ اُن کے مشورے کے بغیر صلح کیوں کی گئی۔ وہ کہتے تھے کہ رہنما حکومت سے مل گئے ہیں۔ میر واعظ صاحب نے شرائطِ صلح کی وضاحت کی اور کہا حکومت کشمیر نے ہم سے التجا کی ہے کہ کچھ عرصہ تک ان شرائط پر کاربند رہیں۔ اور اس اثنا میں غور وفکر کے بعد وہ ہمارے مطالبات تسلیم کرے گی۔ میں خدا کے گھر میں کھڑا ہو کر عہد کرتا ہوں کہ مرتے دم تک قوم سے غداری نہ کروں گا۔ بعض کا خیال ہے حکومت ہمیں دھوکہ دے رہی ہے۔ اگر یہ صحیح ہو تو ہم اپنے

جانوں پر کھیل جائیں گے لیکن اپنا ایک ایک مطالبہ پُورا کر کے ہی رہیں گے۔ اور دُنیا پر ظاہر کریں گے کہ کشمیری بُزدل نہیں۔ شیخ محمد عبداللہ کے خلاف بھی بھی لوگوں کو سخت شکایت تھی۔ اور وہ ان کے خون کے پیاسے ہو رہے تھے۔ مگر اُنہوں نے بھی قرآنِ کریم ہاتھ میں لیکر قوم سے وفاداری کا اعلان کیا۔ اور شرائطِ صلح کی وضاحت کی اور بتایا کہ یہ صرف دو ماہ کے لئے ہے۔ اس پر لوگوں کا جوش قدرے ٹھنڈا ہوا۔[1]

مہاراجہ سے مُلاقات

اس سمجھوتہ کے بعد وزیرِاعظم ہری کرشن کول نے ایک خط کے ذریعہ مسلم نمائندگان کو اطلاع دی کہ مہاراجہ ہری سنگھ ۹۔ اگست کو شرفِ مُلاقات بخشیں گے۔ خط پر غور و خوض کرنے کے لئے مسلم نمائندگان کی ایک ہنگامی میٹنگ میں یہ طے پایا کہ شیخ صاحب اور چودھری غلام عباس خان ۱۶۔ اگست کو مسلمانوں کے نمائندوں کی حیثیت سے مہاراجہ سے مُلاقات کریں گے اور انہیں جائز شکایات کی طرف متوجہ کریں گے۔

وقتِ مقررہ پر جب مسلم نمائندے وزیرِاعظم سے مِلے تو انہوں نے کہا کہ تمہیں جو کچھ کہنا ہے۔ مجھ سے کہو ضروری سمجھوں گا تو مہاراجہ بہادر کے پاس تمہاری سفارش کروں گا۔ اُس کے جواب میں شیخ محمد عبداللہ اور چودھری غلام عباس نے بیک زبان ہو کر کہا۔ ہمیں تو حضور مہاراجہ بہادر نے یاد کیا ہے۔ ہم اُن سے مسلم شکایات اور اُن کے ازالہ پر تبادلہ خیالات کرنا چاہتے ہیں۔ اس پر پنڈت ہری کرشن کول

[1] ماخوذ از: ۔ اغ عمری شیر کشمیر۔ پیر محمد نیازی

نے بگڑ کر کہنے لگا۔ سرکار کے پاس یہ باور کرنے کے لئے کافی دلیلیں ہیں کہ تم حکومت کے خلاف باغیانہ تقاریر کرتے ہو اور ہمارے سی، آئی، ڈی کو جامع مسجد میں آنے سے روکتے ہو۔ اگر تم لوگوں نے اپنی احمقانہ روش تبدیل نہ کی۔ تو تمہاری مسجدیں مُقفّل کردی جائیں گی۔"

اُس پر شیخ صاحب نے کہا۔ "آج تک دُنیا میں بالشویک حکومت کے سوا کسی بڑی سے بڑی حکومت نے مسجدوں پر پابندی عائد نہیں کی جیسا کہ آپ ہمیں ڈرانا چاہتے ہیں۔ یہ دھمکیاں اور یہ طرزِ کلام مذہب میں مداخلت اور جلتی آگ پر تیل کے مترادف ہوگا۔ کیا آپ کو اندازہ نہیں کہ کن شعلوں سے آپ کھیلنے کی سعی فرماتے ہیں۔ آپ کو اپنی جارحانہ پالیسی بدلنی پڑے گی۔ اور حکومت نے آپ جیسے قسم کے آدمی کو وزیرِاعظم کا عہدہ دے کر جہاں مسلمانوں کے جگر پر ایک زبردست اور گہرا زخم لگایا ہے۔ وہاں اپنی نااہلی اور کمزور سوجھ بوجھ کا بیّن ثبوت دیتے ہوئے ہمالیہ پہاڑ سے بھی بڑی غلطی کی ہے۔ اور اِس طرح حکومت نے مسلمانوں کے دیرینہ زخموں پر نمک پاشی کی ہے۔ اس کے بعد مسلم نمائندگان کا یہ وفد واپس آیا۔ اور کشمیر کا ذرّہ، ذرّہ پکار اُٹھا۔

چھپا کر آستیں میں بجلیاں رکھی ہیں گردوں نے
عنادلِ باغ کے غافل نہ بیٹھیں آشیانوں میں

وزیرِاعظم ہری کرشن کول اور مسلم نمائندگان کی یہ گفتگو ریاست کے چپّہ چپّہ میں عوامی موضوعِ سخن بنی۔ رہنماؤں کی گرفتاری اور رہائی کو نوجوانوں نے اپنی فتح سمجھا۔ ان کی ہمّت، جرأت اور حوصلے بڑھ گئے۔ انہوں نے اپنی سرگرمیاں پہلے کی نسبت تیز کردیں۔

حکومت کی اس مسلم کُش پالیسی کو دیکھ کر اسلام آباد میں پنڈت رگھو ناتھ مٹو تحصیل دار نے پیغمبرِ آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ اقدس میں گستاخی کی اور مسلمانوں کے دریافت کرنے پر اُس نے کہا کہ میں نے ایسا مہاراجہ کے حکم سے کیا۔

ہندوستانی پریس سے اپیل

اس پر طرہ یہ کہ ہندوستان بھر میں ہندو مہاسبھا کے پلیٹ فارم سے لے کر کانگریسی پنڈال تک تمام اخبارات ہماری اس معصوم تحریک کے خلاف ہو گئے۔ اُنہوں نے بڑی بڑی شہ سُرخیوں کے ساتھ کشمیر کے بارے میں من گھڑت، بے بُنیاد اور لغو افسانے گھڑنے شروع کئے۔ مثلاً "کشمیر میں ہندوؤں کا قتلِ عام"۔ "لُوٹ مار"۔ "مسلمان غلاموں کی بغاوت"۔ "ہندو ریاست پر مسلمانوں کا حملہ"۔ جن کا مندرجہ ذیل اقتباسات سے صحیح اندازہ کیا جاسکتا ہے:

"ریاست جموں و کشمیر میں مسلمانوں کو ہندوؤں سے زیادہ حقوق حاصل ہیں۔ اس حالت میں مسلمانوں کا بغاوت کیلئے تیار ہو جانا ایک سازش کا نتیجہ ہے ——— ضرورت ہے کہ اس سازش کا قلع قمع کیا جائے اور اسکے جو بیج اس وقت کشمیر میں پھوٹ رہے ہیں۔ اُن کو اکھاڑ باہر پھینکا جائے۔"

[بحوالہ "ملاپ" از "انقلاب" ۱۷ جولائی ۱۹۳۱ء]

"مسلمانوں کو اس ریاست میں سب سے زیادہ سہولتیں اور مراعات

حاصل ہیں۔" ("ملاپ" ۲۶ ستمبر ۱۹۳۱ء)

"کشمیری مسلمان تو مہاراجہ کو معزول دیکھنا چاہتے ہیں کشمیر کی حکومت پر خود قابض ہونا چاہتے ہیں۔ مہاراجہ کی صلح ان سے اُس دن ہوگی جس دن وہ تخت سے دستبردار ہونے کو تیار ہوں گے۔"

["پرتاپ" ۲۸ ستمبر ۱۹۳۱ء]

"کشمیر میں جو شورش شروع کی گئی ہے۔ وہ محض شکایات دُور کرنے کے لئے نہیں بلکہ حکومت کا تختہ پلٹنے کے لئے ہے۔"

["ملاپ" یکم اکتوبر ۱۹۳۱ء]

"کشمیر اِس وقت سنکٹ میں ہے۔ اس پر غلاموں نے شورش کر رکھی ہے۔"

["ملاپ" یکم نومبر ۱۹۳۱ء]

"ہندوستان کے ہندو اگر اس ہندو ریاست کو بچانا چاہتے ہیں۔ تو انہیں آرام طلبی کو چھوڑ کر جدوجہد کرنی ہوگی، ورنہ بعد میں جموں و کشمیر کے ہندوؤں کیلئے آنسو بہانا بے سُود ہوگا۔ وقت ہے جاگو، سنبھلو اور راکھشوں کے چُنگل میں پھنسی ہوئی ہندو سلطنت کو بچاؤ۔"

["ملاپ" ۴ نومبر ۱۹۳۱ء]

"کشمیری پنڈتوں، ڈوگروں اور دوسرے ہندوؤں کو اس وقت مِل کر ایک راستہ اختیار کرنا چاہیئے اور باہر کے ہندو لیڈروں سے مشورہ کر کے نہ صرف اپنے آپ کو بلکہ اپنی ریاست کو بھی محفوظ کر لینا چاہیئے۔"

["ملاپ" ۱۵ نومبر ۱۹۳۱ء]

"کشمیر کے حالات پر مسلمان اخبارات شور برپا کرتے ہوئے جو شکایات اس ہندو ریاست کے خلاف شائع کر رہے ہیں۔ وہ تمام حق پرستوں کو معلوم ہے بالکل بے بنیاد ہیں۔"

[ہندو ۱۴ اکتوبر ۱۹۳۱ء]

غرض اس قسم کی ہزاروں باتیں پھیلائی گئیں۔ ہندو پریس کے غلط پروپگنڈا کا یہ اثر ہوا کہ ہندوستان بھر میں ہماری تحریک کے متعلق غلط قسم کی قیاس آرائیاں شروع ہوئیں اور ایک شور قیامت بپا ہوا۔ ہندوستانی پریس کے اس مخالفانہ رویہ کی ایک جھلک شیخ محمد عبداللہ کی اس اپیل سے بخوبی ظاہر ہوتا ہے۔ جو روزنامہ "انقلاب" لاہور کے ۳۰ ستمبر ۱۹۳۱ کے شمارہ میں شائع ہوئی۔

"جو لوگ دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ دیسی ریاستوں کے حالات اور اندرونی معاملات میں دخل دینا اپنی کانگریسی پالیسی کے خلاف سمجھتے ہیں۔ میں اُن سے پوچھنا چاہتا ہوں کیا کانگریس کا نصب العین یہی ہے کہ اگر دیسی ریاستوں میں مسلمانوں پر ظلم و ستم ڈھائے جائیں۔ تو کانگریسی آنکھوں پر پٹی باندھے اور اگر کسی ہندو کو ذرہ بھر شکایت ہو تو تاروں پر تاریں کھڑکنے لگیں۔ اور ہندو پریس زمین و آسمان ایک کر دے کیا کانگریس کے حواری مسلمان ہمیں انسان تصور نہیں کرتے۔ ہندو اخبارات کانگریس کے حامی رہ کر بھی ہمارے زخموں پر نمک پاشی کر سکتے ہیں۔ اور کانگریسی مسلم علم برداروں کا یہ حال ہے کہ اُلٹا ظالم کی حمایت کریں۔ کیا کانگریس کا نصب العین یہی ہے کہ ضرور ظالموں کی حمایت کی جائے۔ کیا گاندھی جی

یہی منشاء و مقصود سامنے رکھ کر لندن گئے ہیں؟ اس سے صاف ظاہر ہے کہ اگر آزادی مل گئی تو مسلمانوں کو کوئی کتوں کی طرح بھی نہ پوچھے گا۔"

نوکری کی تلاش میں چند بے کار تعلیم یافتوں کی اس ایجی ٹیشن نے بے مثال سیاسی تحریک کا رنگ اختیار کر لیا۔ اور آثار و قرائن سے اس تحریک میں انقلابی رنگ نمایاں طور پر دکھائی دینے لگا۔ اب کشمیر کے عوام مذہبی آزادی کے علاوہ حکومت میں اپنا جائز حصہ چاہتے تھے۔ وہ ذلت، بے کاری اور غلامی سے اپنی آخری لڑائی لڑنے کے لئے میدان میں کود پڑے تھے۔ اس سلگتی ہوئی آگ کے شعلے ایوانِ حکومت سے ٹکرا کر سب سے پہلے سرزمین پنجاب کے رہنے والوں کا موضوعِ سخن بن گئے۔ جوں جوں تحریک زور پکڑتی گئی۔ اہل پنجاب نے خصوصی طور پر اس میں دلچسپی لینی شروع کی اور وہ محسوس کرنے لگے کہ وقت آگیا ہے کہ کشمیر کی مطلق العنان حکومت سے اہل ریاست کے لئے کچھ مراعات حاصل کرنے میں کشمیریوں کی امداد کی جائے۔

وزیر اعظم سے ملاقات

لبوں پہ خشکی نظر میں حسرت جو بات تھی ترجمانِ غم تھی
اسی تکلف میں رہ گئے ہم وہ حال پوچھیں تو ہم بتائیں۔

مسلم نمائندگان نے حکومت اور حکمرانوں کی روش کو دیکھ کر دوبارہ تقاریر کا سلسلہ شروع کیا۔ اس سے حکومت لرز اٹھی اور موقعہ کی نزاکت کو محسوس کرتے ہوئے۔ حکومت نے نمائندگان کو مطلع کیا کہ وہ[1] ۲۱ ستمبر ۱۹۳۱ء کو فیصلہ کن

۱۔ ماخوذ از سوانح عمری شیر کشمیر۔ میر محمد نیازی

جواب دے گی۔ اور ساتھ ہی اپنی انصاف پروری کا اعلان بھی کرے گی وزیراعظم
ہری کرشن کول نے اس سلسلے میں میر واعظ یوسف شاہ اور شیخ محمد عبداللہ
کو اپنی کوٹھی پر طلب کیا۔ جہاں پہلے ہی سے گورنر کشمیر اور پولیس کے بڑے افسر
موجود تھے۔ وزیراعظم مسٹر کول نے شیخ محمد عبداللہ سے مخاطب ہو کر کہا "تم بڑے
بدمعاش ہو اور اپنی شرارت سے باز نہیں آتے"۔ اس کے جواب میں شیخ محمد
عبداللہ نے کہا "جناب پیشتر اس کے آپ سے کوئی بات دریافت کروں، میری
درخواست ہے کہ آپ براہِ مہربانی اپنے ناشائستہ اور اخلاق سے گرے ہوئے
الفاظ واپس لیں۔ تقریباً ڈیڑھ ماہ قبل آپ نے مجھے اور میرے رفیق چودھری
غلام عباس سے متکبرانہ لہجہ میں کہا تھا۔ "میں نے ننکانہ صاحب میں سکھوں کی
تحریک کو تباہ و برباد کیا جس کا تصور آتے ہی اب بھی سکھ قوم کے بدن میں لرزہ
طاری ہوتا ہے۔ مسلمان میرے سامنے کیا حیثیت رکھتے ہیں۔ تمہاری مسجدوں کو
مقفّل کر دیا جائے گا۔ اور تمہاری احمقانہ تحریک کو کچل کے چھوڑ دوں گا۔"
...." آج آپ نے اس سے بھی بڑھ کر ناشائستہ الفاظ استعمال کئے جنہیں میں
اور میری قوم کبھی برداشت نہیں کر سکتی میں نے آج تک کوئی بدمعاشی نہیں کی۔
بلکہ مسجدوں میں جا کر لوگوں سے التجا کر رہا ہوں کہ وہ موجودہ شرائطِ صلح پر کاربند
رہیں میں تو لوگوں کو قرآن شریف کا وعظ سناتا ہوں۔ حالانکہ حکومت اعلانیہ
شرائطِ صلح کی خلاف ورزی کرتی ہے۔"

وزیراعظم نے جواب دیتے ہوئے کہا "تم بکواس کرتے ہو۔ تمہارے خلاف
سی، آئی، ڈی، کی جو رپورٹیں ہم تک پہونچی ہیں وہ ہمیں مجبور کرتی ہیں کہ تمہاری

قوم کو کچھ سبق سکھائیں کیونکہ تم لوگ اپنی کمینہ حرکات سے باز نہیں آتے۔"
اس کے جواب میں شیخ صاحب نے کہا کہ سی، آئی، ڈی کی شکایات اور
رپورٹیں بالکل غلط اور گمراہ کن ہیں میں نے ہزار بار حکومت کے نمائندوں
اور خود مہاراجہ بہادر سے التجا کی تھی کہ وہ خود بہ نفسِ نفیس تشریف لا کر میری
تقریریں سنیں ہمارے خلاف شکایات کرنے والا وہ طبقہ ہے جس نے میری
قوم کے خلاف گذشتہ دنوں یہ جھوٹا الزام لگایا تھا کہ مسلمانوں نے ایک پنڈت
مذہبی نوجوان سے ہلاک کر دیا خفیہ پولیس کے اہلکار میری اور میری قوم کے خلاف
غلط شکایات کرتے ہیں۔ ایسا کرنے والے برادرانِ وطن سے کوئی باز پرس
نہیں کی جاتی۔ مگر خدا جانے ہم سے خدا واسطے کا بیر کیوں رکھا جاتا ہے؟ باقی رہا
مجھے اور میری قوم کو آپ کچھ سبق پڑھانے کا ارادہ رکھتے ہیں، اس کے جواب
میں صرف اتنا کہوں گا کہ آپ کے ارادے حکومت کی جڑیں کھوکھلی کریں گے۔
عرصے ہوئی کشمیر ہمیں نشانہ ستم بنائے ہوئی ہے گذشتہ جگر خراش واقعات کا
اعادہ کرنا میں پسند نہیں کرتا لیکن مسلمانوں کے خون سے ہولی کھیلنا حکومت
کشمیر کے حق میں سخت خطرناک ہوگا۔ اور میں یہ مشورہ دوں گا کہ مسلم رعایا
کی تالیفِ قلوب کرنے کی بالکل کوشش نہ کریں۔ یہ قوم جس طرح آج تک
وفادار چلی آئی ہے پہلے سے بھی زیادہ مہاراجہ بہادر اور اُس کی حکومت کی
مرہونِ منت ہوگی۔ لیکن آپ بھی کچھ اس قوم کی ضرور اشک شوئی کریں۔
مسلمانوں کو جن کی آبادی ۹۷ فیصدی ہے بڑی آسانی سے مالوس رکھا جا سکتا
ہے۔ میری خواہش ہے کہ راعی اور رعایا کے تعلقات بہتر بنائے جائیں۔"

اس پر وزیر اعظم نے کہا۔ تم بہت مکار ہو، میں تم کو گرفتار کراتا ہوں۔ اور دیکھوں گا کہ تم اور تمہاری قوم میرا اور حکومت جموں وکشمیر کا کیا بگاڑ سکتی ہے؟ اس کے بعد پولیس افسر سے مخاطب ہو کر کہا کہ میر واعظ کے سوا اس کے تمام ساتھیوں کو جہاں بھی ہوں گرفتار کر لیا جائے۔"

اس کے جواب میں شیخ محمد عبداللہ نے کہا۔ آپ یاد رکھیئے کہ قید ہونے یا کسی اور سزا کی مجھے پروا نہیں۔ میرے کئی ہزار ساتھی قید ہونے کیلئے تیار ہیں۔ آپ جیل کے دروازے کھول دیں اور دیکھیں کہ کس طرح وہ اور کن لوگوں سے بھر جائیں گے۔ مگر میں آپ سے یہ کہہ دیتا ہوں کہ آپ حکومت کے ہرگز خیر خواہ نہیں ہیں۔ بلکہ آپ دونوں بھائیوں (دیا کرشن کول۔ ہری کرشن کول) نے ریاست کو ناقابل تلافی نقصان پہنچایا ہے۔ اور آج ایک بار پھر اس نازک موقع پر مسلمانوں کی غیرت کا امتحان لینا چاہا ہے۔ آپ کو دل سے یہ خیال نکال لینا چاہیئے کہ چند سرکار پرست اور کانگریسی مسلمان آپ کے دوست ہیں اور حکومت ہند کے سرکاری حلقوں میں آپ کا کافی اثر و رسوخ ہے۔ دنیا کی حکومتیں ایسی حکومت کو کیا سمجھیں گی جن کی سلطنت کی ایک ریاست میں مسلمانوں کو حیوانوں اور جانوروں کی طرح ذبح کیا جاتا ہے۔ مظلوموں کی آہ ضرور کچھ رنگ لا کر رہے گی۔ اور ہماری حمایت پر کوئی ایسی جماعت پیدا ہو گی جس کو دیکھ کر آپ کی حکومت دنگ رہ جائے گی۔"

شیخ محمد عبداللہ کی گرفتاری کے ساتھ ان کے دوسرے تمام قریبی

ساتھیوں کو پابندِ زندان کیا گیا اور حکومت نے ان پر دباؤ ڈالنے کی خاطر روزانہ چھ چھٹانک اُون کاتنے کی مشقت لینے کا حکم صادر کیا۔

دار و رسن کی آزمائش

یہ خبر بجلی کی طرح وادی میں پھیل گئی۔ اور دبی ہوئی تحریک میں جدت پیدا کرنے کے لئے پہلی بار وار کونسل کا اعلان ہوا۔ جس کے ذریعہ تحریک کو منظم اور مؤثر بنانے کے لئے پروگراموں کی تفصیل شائع ہونے لگی۔ وار کونسل کے تحت پہلے ڈکیٹیٹر کی حیثیت سے مفتی جلال الدین عوام کے سامنے آئے۔ جنہیں حکومت نے گرفتار کر لیا۔ اگلے دن بخشی غلام محمد نے جامع مسجد میں ہزاروں لوگوں کے سامنے اپنے تئیں گرفتاری کے لئے پیش کیا۔ اور تقاریر کا سلسلہ جاری ہوا جن میں حکومت پر وعدہ شکنی کا الزام عائد کرنے کے علاوہ رہنماؤں کی فوری رہائی کا مطالبہ ہونے لگا۔ اخبار "الفضل" قادیان کا نامہ نگار "سرینگر میں قیامت کبریٰ" کے عنوان سے اس واقعہ کا نقشہ یوں کھینچتا ہے:-

> جب ۱۱ ستمبر کو شیخ محمد عبداللہ صاحب اور ان کے لفٹیننٹ مولانا جلال الدین صاحب گرفتار کر لئے گئے۔ تمام رات مسلمانوں نے اپنے محبوب لیڈر کے غم میں جاگتے گذاری۔ صبح ہوتے ہی مسلمان جامع مسجد میں جمع ہونے شروع ہو گئے۔ آٹھ بج کر پندرہ منٹ پر وہاں فوج جا پہنچی۔ اور مسجد کی مشرقی بلندی پر کھڑی ہو گئی۔ نو بجے فوج اور پولیس نے مسجد کو گھیر لیا۔ مگر لوگوں کے آنے کا تانتا اسی طرح بندھا رہا۔

اور تقریباً ۲۵ ہزار مسلمان نو بجے تک مسجد میں جمع ہوگئے۔ نو بجکر دس منٹ پر چالیس رسالہ کے سوار مسجد کے سامنے جا کھڑے ہوئے۔ مسجد کے باقی دروازے بند کردئے گئے۔ صرف جنوبی دروازہ کھلا رہا۔ لوگ اس کثرت سے آرہے تھے کہ راستہ چلنا دشوار تھا۔ رسالہ نے آتے ہی بغیر کسی قسم کی اطلاع دینے کے مسلمانوں کے اس مسکین ہجوم میں گھوڑے دوڑائے۔ اُن کی اس سفاکانہ حرکت سے مسلمانوں میں شور و غل پیدا ہوا۔ اور مسجد کے اندر لوگ دروازے کی طرف دوڑنے لگے۔ باہر جو مسلح ملٹری کھڑی تھی۔ اُس نے گولیوں کی بوچھاڑ مسجد کے اس دروازے پر شروع کردی۔ جو انسانی اجسام سے بھرا پڑا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مسجد کے اس دروازے کے سامنے خون کا دریا بہتا ہوا نظر آنے لگا۔ جس میں سینکڑوں زخمی اور کئی مقتول نہا رہے تھے۔ باقی ہجوم نے انہیں اُٹھا کر مسجد کے اندر پہنچایا۔ چار[1] بے بس مُسلم دم توڑ چکے تھے۔ اور پندرہ[15] سے زیادہ کی حالت نہایت نازک تھی۔ باقی جو چلنے پھرنے کے قابل تھے اور جن کے زخم چنداں خطرناک نہ تھے اُن کا کوئی شمار ہی نہیں۔ ڈرامہ کا یہ ٹریجک سین پانچ منٹ میں ختم ہوگیا پھر رسالہ وہاں سے ہٹا دیا گیا۔ اور مسلمان یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ اس ناجائز حرکت کی کمان ٹھاکر کرتار سنگھ گورنر کشمیر کر رہا تھا۔ اور مسٹر سدرلینڈ ایڈوائزر کھڑا دیکھ رہا تھا۔

بارہ[12] بجے کے قریب گاؤکدل کے پاس عورتوں اور بچوں کا مخلوط

---

[1] ان میں سے تین[3] کے نام یہ ہیں۔ (۱) نصیر الدین عمر ۲۰ سال چنکرال محلہ (۲) رسول جو عمر ۳۰ سال وزگجن (۳) اسد گلکار عمر ۳۰ سال زیر پرستان

جلوس نکلا۔ پولیس نے ان پر بے تحاشا ڈنڈے چلائے۔ اور رسالے نے بھالوں کی نوکیں مستورات کو زخمی کرنے میں استعمال کیں۔ آخر مسلح پولیس نے فائر کیا۔ جس سے سینکڑوں مستورات شدید مجروح ہوئیں۔ اور بہت سے معصوموں کو رسالہ نے گھوڑوں کی سموں کے نیچے روند ڈالا۔

اُسی وقت بسنت باغ سے مردوں کا ایک جلوس نکل رہا تھا۔ ملٹری نے اس پر بے تحاشا گولیاں چلائیں جس سے آٹھ مسلمان شہید ہوئے۔ زخمیوں کی تعداد کا اندازہ نہیں لگ سکا۔ اکثر زخمیوں اور مقتولین کو فوج نے اپنے قبضہ میں کرلیا۔ صرف ایک لاش مسلمانوں کے قبضے میں آئی۔ جسے اسی وقت جامع مسجد میں پہنچایا گیا۔ ان واقعات کے بعد مسلمان ازسرِ نو جلوس مُرتب کرنے میں مصروف ہوگئے۔

سب سے پہلے شیخ محمد عبداللہ صاحب کی جگہ مسٹر غلام محمد صاحب کو ڈکٹیٹر منتخب کیا گیا۔ اسی اثنا میں مسجد میں سٹیٹ انسپکٹر جنرل پولیس اور فوج کے بڑے بڑے افسر جمع ہوگئے۔ رسالہ مسجد کے دروازے سے ہٹا لیا گیا۔ اور مسلمان آزادی سے مسجد کے اندر باہر آنے جانے لگے۔ شہر کی طرف مردوں اور عورتوں کے بے شمار جلوس آنے شروع ہوگئے اور یہ سلسلہ پانچ بجے تک جاری رہا۔ شام تک جلوس کے متعلق کچھ فیصلہ نہ ہوسکا۔ اور ملٹری باقی مقتولین کو واپس کرنے میں لیت و لعل کرتی رہی ——— آج کے حادثہ کا ایک روشن پہلو یہ تھا کہ غیر مسلم اصحاب نے مسلمانوں کے ساتھ پوری ہمدردی کا اظہار کیا۔



ہڑتال بھی مکمل رکھی۔ اور کسی مسلم کو ستایا بھی نہیں۔ غرض پچھلے ناخوشگوار واقعہ کی کوئی یاد تازہ نہیں ہوئی۔ ملٹری کی گولیوں سے مسجد کی دیواروں کے کچھ حصے شہید ہوئے۔ اور گولیوں کے نشانات کرتار سنگھ کے ماتھے کے لئے کلنک کا ٹیکہ بنکر ثبت ہو گئے۔

۲۳ ستمبر ۱۹۳۱ء رات کو نو بجے کے بعد کرفیو آرڈر بغیر اعلان کے جاری کر دیا گیا جبکہ دل بازار میں ایک مسلمان کو رات کے دس بجے ملٹری نے گولی کا نشانہ بنا کر قتل کر دیا۔ حالانکہ وہ اپنی دکان کے تھڑے پر سویا ہوا تھا۔ صبح چھ بجکر ۵ منٹ پر بے شمار ملٹری جامع مسجد کے اردگرد لاکر اُتار دی گئی۔ مشین گن اور توپیں مسجد کی طرف سیدھی کر دی گئی ہیں۔ ["الفضل" قادیان مورخہ ۲۹ ستمبر ۱۹۳۱ء]

کچھ وسوسے کچھ اندیشے

ہری کرشن کول نے قلمدان وزارت سنبھالتے ہی اپنے سیاسی وقار کو قائم کرنے کی خاطر لاہور ہائی کورٹ کے سابق جج مرزا ظفر کو ریاستی ہوم منسٹری کی گدی پیش کی۔ سر مہر شاہ کو گورنمنٹ آف انڈیا سے اُن کے سیاسی داؤ پیچ کے لئے مستعار لیا۔ لاہور کے با اثر تاجر عبد الحمید اور مولانا ظفر علی خان ایڈیٹر روزنامہ "زمیندار" کی دعوت خصوصی پر کشمیر لایا گیا۔ ان کے ذریعہ یہ کوشش کی گئی کہ شیخ محمد عبد اللہ، غلام احمد عشائی، مولوی محمد یوسف شاہ، چودھری غلام عباس خان اور دوسرے مسلم نمایندگان کو شیشے میں اُتارنے کی راہ ہموار کی جائے۔ ان سبھوں نے فرداً فرداً نمائندہ جماعت کے ہر ممبر سے اپنی ملاقات میں یہ خواہش کی کہ "ہم

تے ہیں کہ مہاراجہ کشمیر اور مسلم نمایندگان کے درمیان خوشگوار تعلقات قائم ہونا
بات ریاستی باشندوں کے لئے مفید اور کارآمد ثابت ہوسکتی ہے۔ لہٰذا بظاہر
تیاتی نسخہ میں اس بات کی پیش کش کی گئی کہ مسلم نمایندگان اگر چاہیں
کی خاطر تواضع کے لئے جاگیروں کی تازہ قسط اور نوکر شاہی میں اُن کے
اور شان کا خاص خیال رکھا جائے گا۔ مگر حق تو یہ ہے کہ مسلم نمایندگان
اس پیش کش کو ٹھکرایا۔ اور خصوصاً اس سلسلے میں شیخ محمد عبداللہؒ اور اُن
قریبی ساتھی بنہیں ہری کرشن کول کے ایک لفظ نے قید خانوں کے تنگ و
گوشوں میں پہنچایا۔ بہت ہی سخت جاں واقعہ ہوئے۔ یہاں یہ کہنا
بجا نہ ہوگا میر واعظ کشمیر مولانا محمد یوسف شاہ جو کہ اس وقت تک محض
ایک مذہبی پیشوا کی حیثیت سے تحریک میں حصہ لے رہے تھے۔ ان کے تعلقات
سے نہایت ہی دوستانہ رہے۔ غالباً یہی وجہ ہوئی کہ وزیر اعظم ہری کرشن
نے سوائے میر واعظ کے دوسروں کے نام اپنا نادر شاہی حکم جاری کیا۔
اس حکم نامہ کے ساتھ ہی وادیِ کشمیر کے باشندوں کے دلوں میں میر واعظ
بارے میں وسوسوں اور اندیشوں نے جگہ لینی شروع کی۔ اس طرح سے ہری
کول اپنے ابتدائی مرحلہ میں کامیاب ہوا۔ اُن پڑھ مسلمانوں کے دلوں میں
پڑا۔ نفاق کے ثمردار درخت سے ہری کرشن کول نے "پھوٹ ڈالو اور
حکومت کرو" کے پھل کو توڑنا چاہا۔ اور مسلم نمایندگان کو کمخواب و زربفت سے
سجائے محلوں کی پیش کش کرنے کے بارے میں سوچ ہی رہا تھا کہ ۲۲
کو اسلام آباد میں مسلمانوں نے ایک پُر امن احتجاجی جلوس نکالا جس کو
منتشر کرنے کے لئے حکومت نے گولی چلائی اور ۵ افراد شہید ہو گئے (۱۲)

سے ایجی ٹیشن کو مزید آنچ لگی۔

دلال کمیشن

اس عوامی یلغار کو روکنے کے لئے حکومت نے فوراً ریاستی چیف جسٹس سر برجور دلال کی سرکردگی میں ایک کمیشن کا اعلان کیا جو سری نگر، اسلام آباد اور شوپیان میں گولی چلانے کے واقعات کی چھان بین کرے گا۔

مسلمانوں نے اس کمیشن کا یہ کہہ کر بائیکاٹ کیا کہ جو شخص ریاستی حکومت کے زیر اثر ہو۔ اس سے کسی قسم کی بھلائی اور غیر جانب داری کی کیسے توقع رکھی جاسکتی ہے۔

مولانا محمد یوسف شاہ جو کمیشن کے نامزد مسلم ممبران میں شامل تھے انہوں نے حکومت کو ایک خط کے ذریعہ مطلع کیا کہ "مجھے سر برجور دلال اور اس کے کمیشن پر کوئی اعتماد نہیں۔ جو سرکاری افسر اسلام آباد اور شوپیان میں بے گناہ مسلمانوں پر گولی چلانے کے ذمہ دار ہیں۔ انہیں ابھی تک نہ تو تبدیل کیا گیا اور نہ معطل۔ فوج ابھی تک شوپیان اور اسلام آباد کی گلی کوچوں میں گشت کر رہی ہے۔ ان حالات میں اس کمیشن سے کوئی ذی ہوش کیسے تعاون کر سکتا ہے۔"

دلال کمیشن کے سامنے عوامی حلقوں کی طرف سے کوئی شہادت پیش نہ ہوئی۔ سر برجور دلال نے ایک خود ساختہ رپورٹ حکومت کے سامنے پیش کی جس کو پڑھتے ہوئے عوامی غم و غصہ کے پیش نظر حکومت نے خود ہی منسوخ

لینن نے اس قسم کی کشمکش کا کیا ہی خوب نقشہ کھینچا ہے ——

"سامراجی نظام اتنی دیر تک قوموں کو غلام رکھ سکتا ہے۔ جب تک وہ غلامی کو برداشت کرتے ہوئے مظلوموں کی سی خاموشی اور سکوت کی پالیسی پر عمل پیرا ہیں۔ اور جب انہیں اس بات کا احساس ہوتا ہے۔ وہ غلامی اور اسکے نشیب و فراز سے نفرت اور حقارت کرنے لگ جاتے ہیں۔ لا انتہا نفرت اور حقارت کے جذبات انہیں جدوجہد کا آغاز کراتی ہے۔ ان کا ہر قدم ہر لمحہ کامیابی کی طرف ہوتا ہے حکمران کے جبر، طاقت اور غلام قوم میں ہمیشہ ٹکر ہوتی ہے۔ ردِ عمل کے طور پر ہر دور میں غلام قوموں نے ہار کھائی مگر حکمران ظلم و استبداد جبر اور طاقت کی شکست کا ایک ہی لمحہ ہوتا ہے۔ اور جب وہ لمحہ غلام قوموں کے ہاتھوں میں آجاتا ہے پھر حکمران، حکمران نہیں رہتے۔ مگر غلام قوموں کی شکست ہمیشہ ان کو آزادی کی درس گاہ میں ایک نئے باب کا اضافہ کراتی ہے جس سے غلام قومیں پھر ترو تازہ ہو کر حکمران طاقت پر سرعت کے ساتھ حملہ آور ہوتی ہیں۔ یہی ہوتے رہا ہے۔ اور ہوتے رہے گا۔"

(۸)

نارڑوپلٹن

۲۴ ستمبر کو اس ظلم و استبداد کے خلاف مولوی محمد یوسف شاہ نے جہاد کا حکم دیتے ہوئے مسلمانوں سے کہا کہ وہ مسلح ہو کر خانیار میں جمع ہو جائیں۔ مسلم نمایندگان کی اس بے جا گرفتاری اور حکومت کی داوگیر پالیسی کے خلاف شہر میں پہلے سے ہی زبردست مظاہرے جاری تھے۔ حکومت کی اس مسلم کش پالیسی اور ظلم و جبر کے خلاف نفرت و حقارت کے جذبات نے شالیمار کے پرسکون فضاؤں سے سید میرک شاہ کاشانی جیسے درویش سیرت انسان کو بھی مجبور کیا کہ وہ زرہ بکتر باندھے اور ہاتھ میں ننگی تلوار لے کر گھوڑے پر سوار اپنے ہزاروں مریدوں اور عقیدت مندوں کے ساتھ (جو نارڑو اور لاٹھیوں سے لیس تھے) خانیار حضرت سید عبدالقادر جیلانیؒ کے آستانہ مبارک کے سامنے نعرہ تکبیر اللہ اکبر کے فلک شگاف نعرے دیتے ہوئے آئے۔ پروگرام کے مطابق بٹہ مالنہ سے خواجہ احمد اللہ قرہ تقریباً ایک ہزار نوجوان کشمیریوں کو (جو کلہاڑیوں، کدالوں، لاٹھیوں، چاقو اور تلواروں سے لیس تھے) کی قیادت کرتے ہوئے پہنچے۔ اور شہر سرینگر کے کونے کونے سے چھریوں، بلموں، بھالوں اور کدالوں سے لیس لوگوں نے آستانہ مبارک

کے صحن میں جمع ہونا شروع کیا۔ اس اجتماع میں ایک عدد بندوقوں کی بھی نمائیش کی گئی۔ تاکہ حکومت یہ باور کرے کہ ہمارے پاس بندوقیں بھی ہیں۔

خواجہ سعدالدین شال اور میر مقبول گیلانی نے خواص کے طعام کا انتظام کیا۔ اس اجتماع کا مطلب یہ تھا کہ لوگوں کو فوجی نقل و حرکت سے واقف کیا جائے۔ خواجہ سعدالدین شال کے باغ میں نارڑو اپ NARCHO UP کلہاڑی ڈاؤن KULHARI DOWN کے دوش بدوش نہایت ہی عجلت میں بندوق چھیننے کی تربیت بھی دی گئی۔ کیونکہ اندیشہ تھا کہ مہاراجہ کی فوجیں کسی بھی لمحہ آکر حملہ نہ کریں۔

حکومت اس یلغار کو بغاوت سے کم نہیں سمجھ رہی تھی۔ مگر پانی سر سے گزر چکا تھا۔ اس موقعہ پر مہاراجہ ہری سنگھ نے جس ہوش اور دانشمندی کا ثبوت دیا وہ قابل داد ہے۔ اُس نے فوج اور پولیس کو ہدایت کی وہ بارکوں اور تھانوں سے باہر نہ آئیں۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو یہ دن خون ریزی کے لحاظ سے ریاست کا بدترین دن کہلاتا۔ حکومت نے اس مسلح مجمع کی نہایت ہی خفیہ طور پر فوٹو لی جنہیں بعد از ان بطور اپنے بچاؤ اور اعلیٰ اقتدار کی مداخلت روکنے کے کام میں لایا گیا۔

حالات نے خطرناک صورت اختیار کرلی تھی۔ مہاراجہ ہری سنگھ نے بگڑتے ہوئے حالات پر قابو پانے کے لئے کا دوبارہ حکومت کو اپنے ہاتھوں میں لیتے ہوئے نواب خسرو جنگ، صاحب زادہ نورالدین، خواجہ سلام شاہ اور چیف آف دی ملٹری سٹاف بریگیڈیئر سدر لینڈ کو صورت حال کا جائزہ لینے اور نمایندگان کو اپنے سامنے پیش ہونے کے لئے خانیار بھیجا۔ تاکہ مہاراجہ

مسلم نمائندگان سے بات چیت کر کے اُن کے مطالبات کو اپنے کانوں سے سُننے۔ زیارت دستگیر صاحب پر پہنچ کر اُنہوں نے مسلم نمائندگان خواجہ سعد الدین شال، مولوی محمد یوسف شاہ، مولوی احمد اللہ ہمدانی، مولوی عبداللہ وکیل، آغا سید حسین شاہ جلالی وغیرہ سے مل کر انہیں اپنے نمائندے مہاراجہ کے پاس بھیجنے کی تجویز پیش کی اور عوام کے اس بھرے مجمع میں بھی یہی بات دہرائی ساتھ ہی عوام کو یقین دلایا کہ وہ ان کو اپنے ساتھ لے کر پھر آپ کے درمیان واپس لے کر آئیں گے۔ ورنہ عوام نمائندگان کو اُن کے ساتھ دینے کے لئے رضامند نہ تھے۔ انہوں نے عوام کو تلقین کی جو طریقہ کار اِس وقت وہ اختیار کئے ہوئے ہیں، ترک کریں۔ اور مہاراجہ کے وفادار رہیں۔ ورنہ اسکے بُرے نتائج نِکلیں گے۔ انہوں نے نمائندگان پر بھی واضح کر دیا کہ اگر آپ لوگوں کو حکومت سے کوئی شکایت ہے تو ہم انتظام کئے دیتے ہیں۔ آپ ہمارے ساتھ چلیں اور اپنے مطالبات مہاراجہ بہادر کے گوش گذار کریں۔ ان کے اس مشورہ پر مسلم نمائندگان کی ایک مختصر ہنگامی میٹنگ میں طے پایا کہ مہاراجہ ہری سنگھ سے ملاقات کرنے اور اپنی شکایات پیش کرنے کے لئے ان کے ساتھ تین افراد پر مشتمل وفد بھیجا جائے۔ چنانچہ مولوی محمد یوسف شاہ، سعد الدین شال اور مولوی محمد عبداللہ وکیل ان کے ساتھ راج محل گئے۔ جہاں دو گھنٹے دھوپ میں بٹھانے کے بعد مہاراجہ ہری سنگھ نے انہیں شرفِ مُلاقات بخشا۔ مہاراجہ پورے شاہی جاہ و جلال کے ساتھ ننگے سر ان کے سامنے آیا۔ تعظیماً یہ لوگ کھڑے ہو گئے۔ مہاراجہ نے ہاتھ کے اشارے سے انہیں بیٹھنے کو کہا۔ اور اُن پر ایک سرسری نظر ڈال کر سعد الدین شال کو مخاطب کرتے ہوئے کشمیری زبان

میں یُوں گویا ہوئے:۔

"کیا تم بغاوت پر اُتر آئے ہو؟ کیا تم لوگ میری حکومت کے خلاف جنگ کرنا چاہتے ہو۔ یاد رکھو! اگر میں چاہوں تم سبھوں کو ابھی اسی وقت اسی جگہ سر سے پاؤں تک کھال کھنچوا سکتا ہوں۔ اور مجھ سے کوئی پُوچھنے والا نہیں۔ مگر میں نے تخت نشین ہوتے وقت اعلان کیا ہے کہ میرا مذہب انصاف ہے اپنے اس قول کی خاطر تم لوگوں کو معاف کرتا ہوں۔ مجھے اپنی رعایا کے دُکھ درد کا پُورا پُورا علم ہے۔ وہ میرے بچّے ہیں میں بغیر جبر و دباؤ کے اُن سے خود ہی دریافت کروں گا۔ اور اُن کی شکایات کا ازالہ بھی کروں گا۔ مگر میں یہ پسند نہیں کروں گا کہ میری رعایا کو بغاوت پر اُکسایا جائے۔ میں ایسے لوگوں کو ایک ایک کر کے گولی سے اُڑا دوں گا۔ جاؤ اور اُن لوگوں کو جو خانیار میں جمع ہوئے ہیں اپنے گھروں کو واپس لوٹ جانے کو کہو۔ میں ایسے افراد کو جو ہماری حکومت کے خلاف بغاوت پھیلانے کی کوشش کریں گے۔ ایسی عبرت ناک سزا دوں گا کہ پھر کسی کو آنکھ اُٹھانے کی جُرأت نہ ہو گی۔"

یہ سب باتیں مہاراجہ ہری سنگھ نے ہاتھ میں پستول لے کر کہیں۔ مہاراجہ غصّہ سے بے قابو ہو گیا۔ اور دھمکیاں دے کر عوامی نمائندوں کو مرعوب کر رہا تھا۔ مولوی محمد یوسف شاہ نے مداخلت کرنی چاہی۔ اس پر سعد الدین نے مہاراجہ سے اجازت لے کر کہنا شروع کیا۔ "حضور والا مجھے صرف دو منٹ کی اجازت بخشی جائے۔ میں ان لسبوں اور ان کے حواریوں کو صفحہ ہستی سے نیست و نابود کر کے چھوڑوں گا۔" اس پر مہاراجہ کے وزیرِ خصوصی نواب خسرو جنگ نے مہاراجہ سے استدعا کرتے ہوئے انہیں یاد دلایا کہ ان لوگوں کو یہ کہہ کر یہاں

"لا گیا۔۔۔ مہاراجہ بہادر کے حضور میں اپنی شکایات پیش کریں ـــــــ

ان میں مسلمانوں کے مذہبی پیشوا میر واعظ بھی ہیں۔ اس پر یہ طے پایا کہ یہ لوگ واپس جاکر فوراً خانیار میں جمع شدہ اجتماع کو منتشر کریں۔ اور ماحول کو پُرسکون بناکر اپنے مطالبات ہیز ہائینس کے سامنے پیش کریں۔ شام تک نمائندہ وفد واپس آیا۔ اور عوام کو حقیقت حال سے واقف کراتے ہوئے اپیل کی کہ اپنے اپنے گھروں کو لوٹیں۔ آیندہ جو پروگرام ہوگا وہ اعلان کے ذریعہ مُشتہر کیا جائے گا۔

۱۹-ایل

۲۵ستمبر علی الصباح مہاراجہ ہری سنگھ نے تمام شہر میں فوجی نمائش کی اور ساتھ ہی ۱۹- ایل جس کو برما آرڈیننس بھی کہتے ہیں لاگو کیا۔ اُن دِنوں صوبہ کشمیر کا گورنر ٹھاکر کرتار سنگھ تھا۔ مہاراجہ ہری سنگھ نے اپنی تمام فوجی پلٹنوں کو اس مظاہرے میں شریک کیا جس کا مقصد یہ تھا کہ اہل کشمیر پر مہاراجہ کی عظمت اور برتری کا احساس ہو۔ شہر سری نگر کی کوئی سڑک، ایسی باقی نہ رہی جس پر مسلح افواج نے مارچ پاس نہ کیا ہو۔ اس مارچ پاس کے آگے آگے ریاست کا سُرخ و زرد رنگ کا جھنڈا تھا۔ جس کے آگے ہر راہ چلتے آدمی خصوصاً مسلمان کو "مہاراجہ بہادر کی جے" کہنے پر مجبور کیا گیا۔ اس سے عام لوگوں میں مہاراجہ کے جلال سے خوف زدہ ہونے کے بجائے ناراضگی اور بے چینی بڑھ گئی۔ ردِ عمل کے طور پر عوام نے "مہاراجہ بہادر کی جے" کے بدلے "مہاراجہ بہادر کی ـــ" کہنا شروع کیا۔ اس پر مارشل لا نافذ کیا گیا۔ جس کے تحت رات کو کرفیو اور دِن کو گرفتاریوں کا سلسلہ شروع ہوا۔ راہ چلتے لوگوں کو گرفتار کرکے دُور

دراز علاقوں کے جیل خانوں میں قید کیا گیا۔ اور ان قفس نشینوں کو باغیوں کا نام دیا گیا۔ بید زنی کے لئے سرینگر میں چار سنٹر مقرر کئے گئے۔ سنٹرل جیل سری نگر، مہاراج گنج پولیس سٹیشن، تھانہ کوٹھی باغ اور نمائش گراونڈ بٹہ مالنہ۔ ان مقامات پر نہتے لوگوں کو حیوانوں کی طرح پکڑ پکڑ کر لایا جاتا تھا۔ اور مارشل لا کے تحت اُن کے عُریاں جسموں کو کوڑوں سے داغدار بنایا جاتا تھا۔ کوڑوں کی تاب نہ لاکر اکثر اوقات ناکردہ گناہوں کے اسیر خاک و خون میں لت پت بے ہوش ہوجاتے تھے۔ تازیانوں کی تکلیف دِہ سزائیں پانے والوں میں، غلام محی الدین ہمدانی، حاجی محمد سُبحان، صدرالدین مجاہد، قریشی محمد یوسف، غلام محمد بانڈے اور دوسرے سینکڑوں سیاسی لیڈر و کارکُن آج بھی ہمارے درمیان موجود ہیں۔ ان میں سے اکثر لوگوں کی سیاسی زندگی کا آغاز ان ہی تازیانوں سے ہوا ہے۔ بید زنی کے علاوہ عام لوگوں پر جھوٹے مقدمے چلائے گئے۔ طبعی سزاؤں کے علاوہ بھاری جُرمانے اور جائیدادوں کی ضبطی کے لئے فرمان جاری ہونے لگے۔ مگر عوامی جوش و خروش میں اس قدر ظلم و ستم کے باوجود کوئی فرق نہ آیا۔ اس سخت گیرانہ اور تشدّدانہ اقدام کے خلاف نہ صرف اینگلو انڈین پریس' بلکہ سودیشی اور کانگریسی پریس نے بھی صدائے احتجاج بلند کیا۔ ان حالات پر تبصرہ کرتے ہوئے اخبار "ٹریبون" لاہور نے ۱۲ اکتوبر کی اشاعت میں لکھا ہے:۔

"سول اینڈ ملٹری گزٹ" کے نمایندے نے سرینگر سے اطلاع دی ہے کہ آرڈیننس کے ماتحت انصاف کی ایک عدالت مقرر کردی گئی ہے جس میں خلاف قانون حرکات کرنے والوں کو تحقیقات کے بعد عوام

کے سامنے بید زنی کی سزا دے کر مختصر طور انصاف کیا جاتا ہے۔

"ہم دل سے خواہش رکھتے ہیں کہ حکومت کشمیر کی نیک نامی کے لئے اس خبر میں کوئی صداقت نہ ہو۔ اگر یہ صحیح ہے۔ ملک بھر کی رائے عامہ اس انسانیت سوز حرکت کے خلاف زبردست صدائے احتجاج بلند کرے گی۔ بید زنی وحشیانہ سزا ہے۔ جو اگر حق بجانب قرار دی جائے تو صرف بدترین جرائم (جس میں عورتوں پر ضربات دی گئی ہوں) کے لئے عوام کے سامنے بید زنی کو کسی صورت میں اور کسی وجہ سے بھی حق بجانب قرار نہیں دیا جا سکتا۔ اگر یہ رپورٹ صحیح ہے۔ تو ہم چاہتے ہیں کہ مہاراجہ کشمیر اس لرزہ خیز فعل کو بند کرنے کے لئے جلد از جلد احکام صادر فرمائیں۔ حکومت کشمیر مشکلات میں واقعی پھنس گئی ہے ———— لیکن عوام کو بید زنی کی سزا کا مستحق قرار دینا کسی لغت بیان میں بھی جائز سزا تصور نہ کیا جائے گا۔"

اخبار "الفضل" قادیان کا نامہ نگار اس واقعہ کی وضاحت کرتے ہوئے یکم اکتوبر ۱۹۳۱ء کے شمارے میں "کشمیر میں کیا ہو رہا ہے" کے عنوان سے یوں بیان کرتا ہے:۔

"۲۶ ستمبر کو مسلمانوں کے چند ایک اور لیڈر گرفتار کر لئے گئے ہیں۔ شہر پر فوج کا قبضہ ہے۔ مہاراجہ بہادر نے ایک خاص اعلان کے ذریعہ تمام اختیارات فوج اور پولیس کو دے دیئے ہیں۔ تین سپیشل ججوں پر مشتمل ایک بنچ بنا دیا گیا ہے۔ جو دفعہ ۱۴۴ اور سپیشل نوٹیفیکیشن کی خلاف ورزی کرنے والوں کے

مقدمات کا فیصلہ کرے گا۔ سوائے یورپین سیاحوں کے کسی کو باہر نہیں جانے دیا جاتا۔ ڈاک خانہ میں تار نہیں لیئے جاتے خطوط کی نگرانی کی جاتی ہے۔ جامع مسجد کے قریب ریاستی جھنڈا نصب کر کے نماز پڑھنے کے لئے آنے والے مسلمانوں کو جبراً اسکی سلامی کرائی گی اور جنہوں نے سلام کرنے سے انکار کیا۔ اُن کو مارا پیٹا گیا ٹیکٹکی لگا دی گئی۔ اور سُنا گیا ہے بعض مسلمانوں کو اسکے ساتھ باندھ کر سزا بھی دی گئی ہے۔ ہندو اخبارات کا خیال ہے کہ ایک عجیب و غریب النسان پھر نمودار ہو گیا ہے۔ جو حکومت کو انتہائی تشدد کی تلقین کر رہا ہے۔ اور اس وقت تک کے حالات سے زیادہ خوفناک حالات کی پیشگوئی کر رہا ہے۔ ہر راہرو کو ملٹری کے آدمیوں کو سلام کرنے پر مجبور کیا جاتا ہے۔ ٹھاکر کرتار سنگھ گورنر نے اعلان کیا ہے کہ جو شخص دوکان نہ کھولے گا۔ اُسے چھ ماہ کی قید کی سزا اور تیس بید لگائے جائیں گے۔ پنڈتوں میں بھی حکومت کے خلاف بے چینی پائی جاتی ہے۔ اور وہ مظالم پر درد محسوس کر رہے ہیں۔ جن کا شکار مسلمانوں کو بنایا جا رہا ہے۔"

پنجاب میں احتجاجی جلسے

کشمیر میں ڈوگرہ فوجیوں کے ہاتھوں مسلمانوں کے قتل عام کے واقعات اور خبریں جب ہندوستان کے اخبارات میں شائع ہونے لگیں۔ تو ہندی

مسلمانوں میں عموماً پنجابی مسلمانوں میں خصوصاً ایک طرح کی سراسیمگی پھیلی
سارے پنجاب میں غدر کے سے آثار نمودار ہوئے۔ اور ان اطلاعات سے پنجا
میں ایک آگ سی لگ گئی۔ جگہ جگہ احتجاجی جلسے ہونے شروع ہو گئے جن میں
ریاست کے حالات خصوصاً ۱۳ جولائی کے المناک واقعہ پر تبصرہ ہونے لگا۔ اور
ظلم وستم سے مجبور کشمیریوں کو امداد فراہم کرنے کے لئے عہد و پیمان ہونے لگے ان
احتجاجی جلسوں نے حکومت کشمیر کے حواس باختہ کر دئے۔ یہ شعلے ابھی لاہور تک
ہی محدود تھے کہ حکومت کشمیر کے ظلم وستم کی داستانیں اور کشمیری مسلمانوں کی
مجبوریوں کے تذکروں نے صوبہ پنجاب کو اس تحریک کا مرکز بنا دیا۔ جس کا نتیجہ یہ
ہوا کہ کشمیریوں کی ہمدردی میں جلسوں اور جلوسوں کا ایک لامتناہی سلسلہ
قائم ہوا۔ ان جلسوں اور جلوسوں میں حکومت ہند سے مطالبہ کیا گیا کہ کشمیر
کے معاملے میں مداخلت کی جائے۔ مگر ان سرگرمیوں سے نہ حکومت ہند ہی اس
طرف متوجہ ہوئی اور نہ ریاستی حکومت کو ہی اتنی فرصت ملی کہ وہ اندرونی
آگ کو تہہ داماں دبا سکے۔ اور پنجابی مسلمانوں نے تہیہ کر لیا کہ وہ کسی بھی قیمت پر
کشمیری بھائیوں کی مدد کریں گے۔

پنجاب کے یہ احتجاجی جلسے کچھ بے مطلب بھی نہیں تھے۔ اور ان جلسوں
جلوسوں کی تہہ میں سیاسی اغراض و مقاصد بھی پوشیدہ تھے جنہیں حاصل
کرنے سے زیادہ وہ کشمیری خون جوش مارنے لگا تھا جو کہ ان مظاہرین کو آباؤ
اجداد سے میراث میں مل چکا تھا!

مہاراجہ رنبیر سنگھ کے دورِ حکومت میں قحط اور بیگار سے مجبور
ہو کر ہزاروں کشمیری اپنے اجداد کے اس خوبصورت ورثہ کو ہمیشہ کے لئے

... کر خصوصی طور پر خطۂ پنجاب میں آباد ہو گئے تھے۔ اپنی محنت، جفاکشی،
... داری سے انہوں نے نام پیدا کیا تھا۔ اور جونہی اُن کی مالی حالت
... ہو گئی، وہ تعلیم کی طرف توجہ دیتے گئے۔ جس کا لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ
... آنے والی نسل میں قابل فخر افراد پیدا ہوئے۔ جنہوں نے کشمیری
... کی خوبیوں کا سکہ دُنیا سے منوایا۔ ان میں حکیم مشرق علامہ اقبال
... بہادر سپرو، ڈاکٹر سیف الدین کچلو، آغا حشر کشمیری، رستم ہند غلام
... ری، رستمِ زماں امام بخش، کلّو پہلوان گاماں پہلوان، پنڈت جواہر لال
... اور خواجہ ناظم الدین جیسے ہزاروں ہستیاں نظر آتی ہیں۔ اور اُن کی
... ہی اور جوش و خروش سے سرزمین پنجاب میں دو عظیم پارٹیوں
... بل پڑی۔ اور یہی لوگ جن پر پنجابی مسلمان کا لیبل چسپاں ہوا
... بڑے ذوق اور شوق سے کشمیریوں کی مدد کے لئے اُٹھ کھڑے ہوئے۔

... میر کمیٹی

... ۲۴ جولائی کو میاں افضل حسین نے شملہ میں مسلمانانِ ہند کا ایک
... جلسہ سر ذوالفقار علی خان کی کوٹھی پر بُلایا۔ جس میں اُس وقت کے
... ہندوستانی مسلمانوں کے بلند پایہ رہنماؤں مولانا ابوالکلام آزاد، ڈاکٹر
... انصاری، مولانا شوکت علی، ڈاکٹر اقبال، نواب ڈھاکہ، شیخ صادق حسین امرتسری
... ڈاکٹر سیف الدین کچلو اور نواب کنجورہ نے شرکت کی۔ اور اس طرح کشمیر

... خواجہ ناظم الدین اور پنڈت جواہر لال گو کہ سرزمین پنجاب سے تعلق نہیں رکھتے
... مگر اُن کے کشمیری نسل سے ہونے میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔

کمیٹی کی طرح بیل پڑی۔ اس کے صدر مرزا میاں بشیر الدین محمود احمد خلیفہ جماعت قادیان اور سیکرٹری عبدالرحیم درد منتخب ہوئے۔ ابتداً میں اس کمیٹی نے اہل کشمیر کو تحریک چلانے کے لئے اقتصادی امداد دینا مناسب سمجھا مگر جوں جوں ریاستی حکومت کے جبر و ستم میں اضافہ ہوتا گیا۔ اہل کشمیر نے سینہ تان کر اُن کا مقابلہ شروع کیا۔ کشمیر کمیٹی نے یہ فیصلہ لیا کہ ریاست میں جتھے بھیجے جائیں پہلے پہل یہ جتھے سیدھے سری نگر پہنچے۔ لیکن بعد ازاں اُن کو کوہالہ کے مقام پر حکومت کشمیر نے آگے بڑھنے سے روکا۔ اُنہوں نے اعلان کیا کہ ہم مطلق العنانیت کا خاتمہ اور غلامی کی زنجیروں کو توڑنا چاہتے ہیں۔ اور کشمیریوں کی آزادی کے خواہش مند ہیں۔ .... اس سلسلے میں پورے ہندوستان اور برما میں ۱۴ اگست ۱۹۳۱ء کو کشمیر ڈے کے طور پر منایا گیا۔ دہلی، لکھنؤ، پونا، جالندھر، لاہور اور رنگون وغیرہ جگہوں پر جلوس نکالے گئے اور جلسے منعقد کئے گئے، سرینگر میں اس دن مکمل ہڑتال ہوئی۔ زیارت نقشبندؒ کے باہر قبرستان پر خواتین کا ایک جلسہ ہوا جس میں شیخ محمد عبداللہ، چودھری غلام عباس خان، یعقوب علی نے تقریریں کیں۔ یہاں سے فارغ ہو کر جامع مسجد میں مردوں کے جلسہ کی کارروائی شروع ہوئی۔ شیخ صاحب نے سورۂ آلِ عمران اور سورۂ بقرہ کی آخری دعائیہ آیات تلاوت کر کے جلسہ کی کارروائی مندرجہ ذیل غزل پڑھ کر شروع کی:-

آج تو نے اے فلک کیا حشر سامان کردیا
اُمتِ مرحوم کو بے جسم و بے جان کردیا

یہ اچانک حادثۂ ظلم و ستم توڑا ہے کیوں؟
مُلک کو ماتم کدہ اور اشک ریزاں کردیا
جن کو پالا خونِ دل سے ہم نے اے چرخِ کہن
خُون کے دریا میں تو نے اُن کو غلطاں کردیا
یورشِ ظلم و تعدی کی نہیں تھی انتہا
تب کے آگے محشرِ اسلام قربان کردیا
گلشنِ کشمیر کے رنگیں گلوں کو بے گناہ
آج کس بے درد نے مٹی میں پنہاں کردیا
مومنوں کی عورتیں بے آبرو کردی گئیں
دشمنِ اسلام نے برپا یہ طوفان کردیا
ہائے اے باغِ سلیماں دھوم تیری جگ میں تھی
ظالموں نے ایک دم خارِ مغیلاں کردیا
خونِ مسلم سے ہوئے رنگین گلزارِ ارم
قوم کو نوحہ کناں اور چشم گریاں کردیا
خونِ ناحق رنگ لائے گا شہداً کا ایک دن
حق نے بخشش سے تمہیں تو اہلِ رضواں کردیا

اس جلسے میں شہداً کے چھوٹے بچے اور بچیاں خاص اہتمام سے جمع کی گئی تھیں اور انہیں سٹیج پر لایا گیا۔ یہ ننھے ننھے بچے، بچیاں خاموش تھیں لیکن وہ بے زبان اور بے چارے لوگوں سے اپنی مصیبت بیان کرنے کی طاقت نہ رکھتے تھے۔ ان کی عمر چھ ماہ سے تین سال کے درمیان تھی اگرچہ



۱۹۳۱ء میں سیالکوٹ سے احراریوں کی روانگی کا ایک منظر

وہ خاموش تھے۔ لیکن ان بچوں کو دیکھتے ہی ان کے دلی جذبات لوگوں میں منعکس ہو گئے پھر کیا تھا۔ تمام مجمع زار زار رونے لگا۔ بچوں میں بچپن کی وجہ سے بے قراری نہ تھی۔ لیکن لوگوں کا ان بچوں کو دیکھتے ہی صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا اور ہر ایک کی آنکھیں پُرنم ہو گئیں۔ اور مسجد یکایک ایک ماتم کدے میں تبدیل ہو گئی۔ اس کے بعد شہدا[1] کے خون آلود کپڑے دِکھلائے گئے۔ جس سے لوگوں کی آنکھوں سے خون ٹپکنے لگا۔

اس جلسہ میں کئی ریزولیشن بالاتفاق رائے پاس کئے گئے۔ ایک قرارداد کے ذریعہ وزیراعظم ہری کرشن کول کے خلاف عدم اعتماد کا اظہار کیا گیا۔ اور اُس کی وزارت سے سبکدوشی کا مطالبہ کیا گیا۔

مجلس احرار

کشمیر کمیٹی کے ساتھ ہی پنجاب کی مجلس احرار نے بھی سید عطاء اللہ شاہ بخاری کی قیادت میں جتھہ بندی شروع کی۔ چناں چہ ان کی ایک بھاری جماعت سوچیت گڑھ کی سرحد کو عبور کر کے ریاست میں داخل ہو گئی۔ ریاستی حکومت نے مزاحمت کی۔ سینکڑوں احرار شہید ہوئے۔ مگر

---

[1] بعد ازاں شہدا کے یہ خون آلود کپڑے خفیہ طور پر سیالکوٹ بھیجے گئے۔ جہاں کشمیر کمیٹی کی زیر سرکردگی مرزا بشیر الدین محمود کی صدارت میں جلسہ عام جس میں ایک لاکھ سے زیادہ لوگوں نے شرکت کی۔ اور لہو آلود کپڑوں کو دِکھایا گیا۔ اور اسی جلسہ میں مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری نے مظلومینِ کشمیر کی حمایت میں مجلس احرار کی طرف سے جتھہ بھیجنے کا اعلان کیا۔

ریاستی سرحدوں سے باہر نکالنے میں حکومت کام یاب نہ ہوئی۔ ان ہی احراروں نے سوچیت گڈھ میں صرف دو دن میں ایک شاندار مسجد تعمیر کی جو مسجد احرار کے نام سے مشہور ہے۔ اب کشمیری اکیلے نہیں تھے۔ بلکہ اُن کے ساتھ پنجاب کے جان باز مجاہدین کی ایک بڑی جماعت حکومت کشمیر کی مطلق العنانیت کو ہوش میں لانے کے درپے ہوئی۔ جتھوں کی آمد سے کشمیریوں کے حوصلے بلند سے بلند تر ہوگئے اور اپنی جد و جہد کو اور بھی تیز کر دیا۔

احراروں کی آمد پر تبصرہ کرتے ہوئے "سول اینڈ ملٹری گزٹ" اپنی ۱۲ فروری ۱۹۳۲ء کی اشاعت میں لکھتا ہے ـــــ

"ہم نے متعدد مرتبہ احرار کی ایجی ٹیشن کی مذمّت کی ہے۔ لیکن اس حقیقت سے انکار نہیں ہو سکتا کہ اگر کشمیر کی مسلم اکثریت کی بے اطمینانی کے محکم وجوہ موجود نہ ہوتے۔ تو یہ ایجی ٹیشن ہر گز کام یاب نہ ہوتی۔"

سول نافرمانی

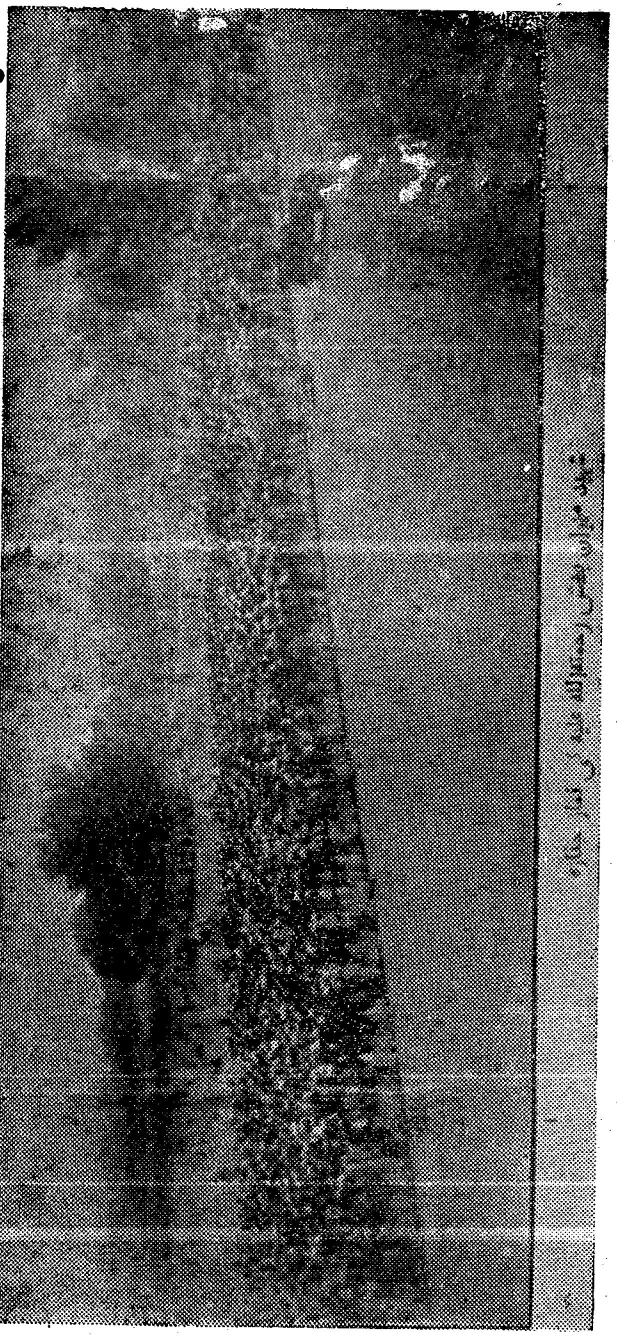
مظلومینِ کشمیر کی جد و جہد حقوق کی حمایت کے لئے پنجاب کی ان دو بڑی جماعتوں نے جہاں ہماری مدد کے لئے سر دھڑ کی بازی لگائی۔ وہاں آپس میں تکرار اور ایک دوسرے سے عناد کے بیج کو بونے سے بھی کوتاہی نہ کی۔ ان کی حرکات و سکنات سے یہ ظاہر ہونے لگا کہ اب یہ دونوں جماعتیں ایک دوسرے پر فوقیت حاصل کرنے اور ہندوستان کے سیاسی اکھاڑے میں اپنا وقار قائم کرنے کے لئے بڑھ چڑھ کر حصہ لینے لگیں۔ اور ریاستی

سرحدوں پر زیادہ سے زیادہ سرگرمیاں دکھانے میں مصروف ہوئیں
مرزا بشیر الدین محمود کے خلاف یہ پروپیگنڈا زور پکڑتا گیا کہ مرزا صاحب
غیر مسلموں سے زیادہ مسلمانوں کو حلقہ مرزائیت میں لانے سے دلچسپی رکھتے
ہیں۔ اس لئے ریاست جموں و کشمیر کے لوگ جہاں کی آبادی ۹۵ فیصد
مسلمانوں پر مشتمل ہے۔ اپنے فرقہ اور عقیدے کے پرچار کے لئے مفید تصور
کرتے ہیں۔ اس پروپیگنڈا کو بڑھاوا دینے میں مولانا ظفر علی خان ایڈیٹر
"زمیندار" لاہور نے نام پیدا کیا۔ درحقیقت مولانا مرزائیت کی آڑ میں
تحریک کو دبانے میں مہاراجہ کی حکومت کی امداد کر رہے تھے۔ جیسا کہ
کے واقعات سے ظاہر ہوا۔

احراروں کے بارے میں کہا گیا کہ لاہور میں مسجد شہید گنج کے واقعہ
پر انہوں نے مسلمان قوم سے غداری کی۔ اب کشمیر میں سرگرم عمل ہو کر ان
ہائے غداری کے الزامات کو دھو رہے ہیں۔

مرزا بشیر الدین محمود کے کشمیر کمیٹی کے صدر بننے کی وجہ سے ریاست
کے اندر عام طور پر اور ریاست سے باہر خاص کر اعتراضات ہونے لگے۔
یہاں تک کہا جانے لگا کہ شیخ محمد عبداللہ حلقہ بگوش مرزائیت ہوئے ہیں
آخر کار مرزا صاحب مستعفی ہوئے اور ان کی جگہ علامہ اقبالؒ صدر منتخب
کئے گئے۔

علامہ اقبالؒ کی آمد سے ایک نیا جوش اور ولولہ لوگوں کے دلوں میں
پیدا ہوا۔۔۔ ان کے آنے سے کشمیر کمیٹی اور مجلس احرار کے درمیان پس دل
پلتے ہوئے شرارے ٹھنڈے پڑ گئے۔ اور یک جہتی، اتحاد و اتفاق کی ایک



۱۹۳۱ میں کشمیر کمیٹی کے زیر نگرانی جلوس کے پہلے گروپ کا پہلا شہید

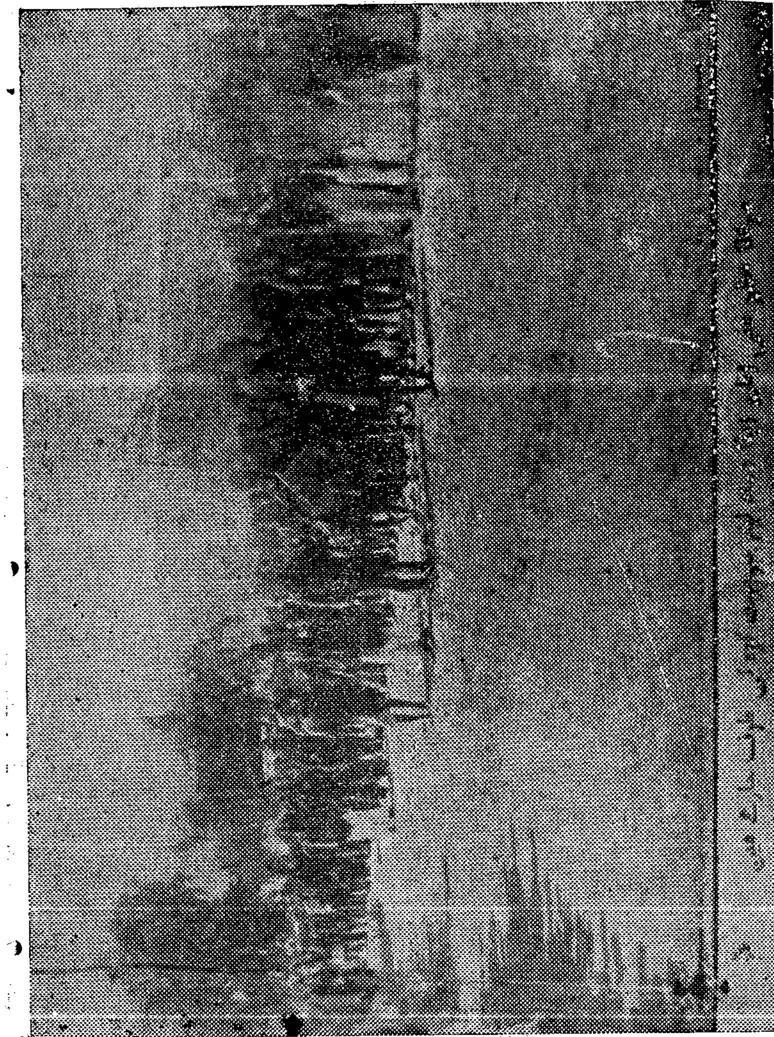
نئی فضا قائم ہوئی۔ ان کی جتھہ بندی اور تحریک سول نافرمانی امداد کشمیر کیلئے ایک یلغار سے کم نہ تھا۔ اُنہوں نے انقلابی ذہن کی وجہ سے کامل آزادی کا نعرہ لگایا۔ یہ ایک نہ بھولنے والی حقیقت ہے جس کا اندازہ اس امر سے ہوسکتا ہے کہ صرف ڈیڑھ ماہ کے قلیل عرصہ میں بیس۲۰ سے پچیس۲۵ ہزار تک مجاہدین نے ریاستی حکومت کے تقریباً صد سالہ نظام کو درہم برہم کر کے چھوڑا۔ ان میں ہزاروں قید و بند میں ڈالے گئے۔ سینکڑوں نے اپنے بہادرانہ خون سے لہو تشنہ سنگینوں اور گولیوں کے سامنے سینے سپر بنا کر عظیم الشان قربانیاں پیش کیں۔

سازش

ریاستی حکومت جب اس جدید امدادی تحریک اور راہِ آزادی کے مددگار پروانوں کی اس طوفانی جدوجہد کی تاب نہ لاسکی تو ایک سازش کے تحت سنگم برج کو آگ لگوائی گئی۔ مقدمہ تیار کیا گیا جس کا مقصد یہ تھا کہ شیخ محمد عبداللہ، عبداللہ بٹ خانیاری، عبدالغنی نوپس، عبدالحمید رشی، اور عبدالغنی مکرو کھنہ بل کو پھانسی دی جائے۔

اس سازش کے پس منظر میں ریاستی باشندوں کو آپ دیش دیتے ہوئے معاصر "ملاپ" لکھتا ہے:۔

"کشمیری مسلمانوں کو بھی دیکھنا چاہیئے کہ وہ کن ٹھگوں کے پنجہ میں پھنس گئے ہیں۔ اور کس طرح اپنے مہاراجہ کے خلاف ایک بھاری سازش کے پُرزے بنے ہیں۔ یہ حالات ان کی آنکھیں



کھولنے کے لئے کافی ہیں۔ کشمیری مسلمانوں کو اب پراشچت (کفارہ) کے طور پر اعلان کرنا چاہیئے کہ وہ کسی قسم کے حقوق کا مطالبہ فی الحال نہیں کرتے۔ جن حالات میں وہ اب ہیں۔ اسی حالت میں رہیں گے۔

["ملاپ" ۴ اگست ۱۹۳۱ء]

اس حقیقت کا انکشاف ٹربیونل کے چیئرمین چودھری نیاز احمد نے اپنے دائرہ احباب میں کیا۔ اور واقعہ کی اطلاع مرزا بشیر الدین محمود کو ولی اللہ زین العابدین کے ذریعہ پہنچائی گئی۔ مرزا بشیر الدین محمود نے وائسرائے سے خط و کتابت کی اور یہ طے پایا کہ سول نافرمانی کی تحریک واپس لی جائیگی۔ بشرطیکہ تمام اسیروں کو باعزت طور پر رہا کیا جائے۔ اپنی ان سرگرمیوں کی اطلاع اہل کشمیر کو مرزا بشیر الدین نے اشتہار نما خطوط کے ذریعہ دی۔ نتیجہ کے طور پر مہاراجہ ہری سنگھ کو دہلی طلب کیا گیا جہاں انہیں معلوم ہوا کہ سازش بے نقاب ہو گئی ہے۔

اس اصلیت کو چھپانے کے لئے ہری کرشن کول نے مسلم نمائندگان میں پھوٹ ڈالنے اور تحریک میں رخنہ پیدا کرنے کی دوبارہ کوششوں کو بروئے کار لانے کیلئے عبدالعزیز فاضلی اور مسیز زعمہ پنڈت، مامہ پنڈت کے ذریعہ میرواعظ محمد یوسف شاہ کو اپنی کوٹھی پر بلایا۔ جہاں مولانا کے جاہ و منصب اور مذہبی پیشوائی کا اعتراف کیا گیا۔ اور انہیں یقین دلایا گیا کہ مہاراجہ ہری سنگھ کے بعد اگر اس ریاست میں اور کوئی قابل احترام شخصیت ہے تو وہ آپ کی ذاتِ گرامی ہے۔ حکومت مسلمانوں کے مطالبات

ہے کب انکار کرتی ہے۔ البتہ اس پر غور کرنے کے لئے سازگار ماحول کی ضرورت ہے۔ اگر آپ چاہیں تو حکومت اسی وقت آپ کے کہنے پر شیخ محمد عبداللہ اور دوسرے اسیروں کو رہا کرے گی۔ مگر حکومت پر بھی چند ذمہ داریاں عاید ہوتی ہیں ــــــ میر واعظ وزیر اعظم ہری کرشن کول کی چکنی چپڑی باتوں میں آ گئے اور حامی بھر لی۔ اس پر وزیر اعظم نے ایک تار فارم منگایا۔ اور وائسرائے کے نام تار لکھا جس کا مفہوم تھا۔ یہاں کے حالات پُر سکون ہیں۔ ہم مہاراجہ بہادر کے وفادار ہیں۔ اور اپنے تمام اندرونی مسائل اُن کے ساتھ حل کرنا چاہتے ہیں۔ یہ تار میر واعظ کے دستخط سے وائسرائے ہند کو بھیجا گیا۔ چناں چہ اس کارنامے کے صلہ میں مہاراجہ ہری سنگھ نے میر واعظ کو چھ سو روپے سالانہ وظیفہ مقرر کیا۔ خلعت[۱] شاہی سے نوازا گیا۔ یہ سب کارروائی انتہائی رازداری سے کی گئی۔[۲]

۱۲ نومبر کو مہاراجہ نے اعلان کیا جس میں اس امر کا اقرار کیا گیا کہ موجودہ شکایات کی تحقیقات کے لئے مسٹر بی۔ جے۔ گلانسی سیکرٹری وائسرائے ہند کی خدمات حکومت نے مستعار لی ہیں اور عنقریب اُن کی سرکردگی میں ہندو مسلم نمائندگان پر مشتمل ایک کمیشن اپنا کام شروع کرے گا۔

---

[۱] خلعت شاہی میں ۷ گز والے انگلش مخمل کے تھان، چار تھان چینا سلک چاندی کی ایک طرائی اور ایک عدد دوسہ پشمینہ،

[۲] بعد میں عوامی غم و غصہ کے شدید ردِ عمل پر مولانا نے اس پیش کش کو جامع مسجد کے جلسہ عام میں "عطائے شما بلقائے شما" کہہ کر واپس کیا۔

ساتھ ہی مہاراجہ ہری سنگھ نے حکومت ہند سے استدعا کی کہ وہ ریاست کے باہر مجاہدین کی طوفانی تحریک کو دبانے میں میری امداد کرے اور اِسکے ساتھ ہی گلگت کے تحفہ کا وعدہ کیا۔ اندھے کو کیا چاہیئے۔ دو آنکھیں، وہ سفید آقاؤں کو مِل گئیں۔ جس چیز کی تاک میں وہ مدّتوں سے بیٹھے تھے خود بخود پکے پھل کی طرح اُن کی جھولی میں آگیا۔ سفید آقاؤں نے موقع کو غنیمت جانتے ہوئے ۲۴ نومبر کو کشمیر آرڈیننس جاری کر کے مجلس احرار اور کشمیر کمیٹی کی سول نافرمانی خلافِ قانون قرار دی اور مولانا مظہر علی اظہر کو دو سال قید سخت کی سزا دی گئی۔

حکومت ہند نے کشمیر آرڈیننس جاری کر کے مہاراجہ ہری سنگھ کو بیرونی طوفان سے نجات تو دلایا۔ مگر اندرونی طوفان کا تھم جانا ناممکن تھا۔ اس لئے حسب وعدہ مہاراجہ نے ڈرامائی انداز میں ۳ اکتوبر ۱۹۳۱ء کے دِن اپنی ۳۶ ویں سالگرہ کے موقع پر عفوِ عمومی کا اعلان کرتے ہوئے تمام سیاسی قیدیوں کو رہا کیا۔ اور شہر سے ملٹری اور دیگر ہنگامی قوانین ہٹا دئے۔

رہائی اور پھوٹ کے آثار

جونہی ریاستی حکومت عفوِ عمومی کا اعلان کر چکی۔ اس کو میر واعظ مولوی محمد یوسف شاہ کی سادہ لوحی کہا جائے یا سیاسی داؤ پیچ سے ناواقفی، وہ سمجھ گئے کہ یہ معجزہ اُن کے اُس برقعہ سے ظہور میں آیا جو

...رشن کول کے دولت خانہ پر والیرائے کے نام بھیجا گیا تھا۔ رفتہ رفتہ ...تے یقین کی صورت اختیار کر لی۔ رہائی کے بعد شیخ محمد عبداللہ اور اُن کے ...ے اسیر ساتھیوں نے مولانا سے ملاقات کی۔ مولانا جو اپنی سوجھ بوجھ پر پھولے ...تے تھے۔ اُنہوں نے شیخ صاحب کو مشورہ دیا کہ فی الحال خاموش رہیں۔ ...کہ آپ کی رہائی کے لئے حکومت نے یہ اہم شرط رکھی ہے۔ مولانا کی اِس ...کو شیخ محمد عبداللہ نے اپنے لئے ایک چیلنج تصوّر کیا۔ کیونکہ شیخ صاحب ...سے انتہا پسند واقع ہوئے ہیں وہ سمجھ گئے کہ میر واعظ ہدایت صادر کر کے ...لیڈر شپ مجھ پر ٹھونس رہے ہیں۔ اور یہ ایک حقیقت بھی تھی۔ اُس پر ...شیخ محمد عبداللہ نے جواب دیتے ہوئے کہا "میری رہائی تو کوئی خاص بات نہیں ہے۔ حکومت مجھے جیل میں رکھے یا جیل سے باہر۔ مگر ہم چاہتے ہیں ...اگر حکومت ہماری مصیبت کا ازالہ نہیں کرتی تو ہم سمجھانے کے طریقے استعمال کریں۔"

اس گفتگو کے استعاروں اور کنایوں سے مولانا یہ اندازہ کر چکے کہ ...محمد عبداللہ میری لیڈر شپ کو کسی صورت میں تسلیم کرنے کے لئے تیار ...نہیں۔ شیخ محمد عبداللہ نے تقریروں کا سلسلہ دوبارہ شروع کیا۔ اس پر ...واعظ مولوی محمد یوسف شاہ ناراض ہو گئے۔ اور اپنی ناراضگی کا اظہار ...ہر تبہ گاڑہ یار مسجد میں وعظ خوانی کے بعد ایک تقریر کے دوران مبہم ...الفاظ میں شیخ محمد عبداللہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا "بغیر داڑھی مونچھوں ...لوگ مسلمانوں کو گمراہ کر رہے ہیں۔ مسلمانوں کی پیشوائی کا اُن لوگوں کو ...حق ہے۔ جو سنّتِ محمدیؐ کی پیروی نہ کرتے ہوں۔" اور اسی تقریر میں مرزائیوں

ہ کرتا ہے، نکتہ چینی کرتے ہوئے اس زمرہ کے لوگوں کو مرزائیوں کے ایجنٹوں
نام سے پکارا۔

میر واعظ کی مقبولیت کا عوام میں اندازہ اس امر سے کیا جاسکتا ہے
کہ شیخ محمد عبداللہ سے کنارہ کشی کرنے کے بجائے عوام الناس نے مولانا سے
ہی ناطہ توڑا اور جامع مسجد تک ہی اُن کی وعظ خوانی کا احاطہ محدود کر دیا۔
مگر ساتھ ہی میر واعظ کا منہ بند کرنے کے لئے شیخ صاحب نے داڑھی رکھ لی۔
—— دوسری جانب میر واعظ کی اس گوہر فشانی سے حکمران طبقہ
میں مسرت کی لہر دوڑ گئی۔ ہری کرشن کول کے لگائے ہوئے درخت "پھوٹ
ڈالو۔ اور حکومت کرو" نے پھل دینا شروع کیا۔ مگر جماعت احمدی کے نمائندے
جو ریاست کے حالات کا بالغور مطالعہ کر رہے تھے۔ اور در پردہ اس تحریک کی
ہدایت کاری کے فرائض انجام دے رہے تھے۔ اُنہوں نے اپنے اثر و رسوخ
معاملہ فہمی اور دانائی سے حکومت کے اس حربے کو ناکام بنا دیا۔ پھوٹ اور
نفرت کی یہ سکیم آگے نہ بڑھ سکی۔ مگر کینہ نے دلوں میں جگہ پائی، ہوس نے
آب یاری شروع کی اور اندر ہی اندر پارٹی بازی کی آگ سلگتی رہی۔

دراصل میر واعظ محمد یوسف شاہ کو نہ شیخ محمد عبداللہ سے نفرت تھی۔
اور نہ شیخ صاحب ہی میر واعظ کو حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ ان دونوں میں
"کون بڑا ہے" پر ٹھن گئی تھی۔ پس منظر میں میر واعظ خاندان سے نفرت کرنے والے
پیرزادوں کا وہ طبقہ تھا جنہیں میر واعظ خاندان سے اصولِ وعظ خوانی پر شدید
اختلافات تھے۔ میر واعظ اہل اعتقاد نہ ہوتے ہوئے بھی درگاہوں اور خانقاہوں
میں جا کر وعظ خوانی کرتے تھے۔ جس سے اہل اعتقاد پیرزادوں پر اقتصادی

پڑتا تھا۔ مگر میر واعظ خاندان نے پچھلی ایک صدی سے کچھ ایسا اثر پیدا کیا تھا
کوئی بھی اُن کے خلاف آنکھ اُٹھا کر نہ دیکھ سکتا تھا۔ اختلافات کی بُو پاتے
ہی ان پیرزادوں نے پہل کی اور یقیناً اُنہوں نے شیخ محمد عبداللہ میں وسعت
کی گہرائی ناپی۔ یہ درست ہے کہ میر واعظ ہمدانی کے ساتھ ہمیشہ سے میر واعظ کی
نوک جھونک اور خاندانی رقابت چلی آ رہی تھی۔ مگر مقابلے کی طرح کھل کر نوبت
کبھی نہ آئی تھی۔ اب کیا تھا میر واعظ مولوی احمد اللہ ہمدانی نے شیخ محمد عبداللہ
کا ساتھ دینے کا اعلان کیا۔ یہ اعلان ہونا تھا کہ تمام پیرزادوں کا لشکر میر واعظ
مولوی محمد یوسف شاہ کے مقابلے پر میدان میں اُتر پڑا۔ ان اختلافات نے
بڑھ کر خراماں خراماں معرکہ آرائی کی صورت اختیار کر لی۔ اور پھر وہ بلووں میں
تبدیل ہوئے۔ اس طرح سے شیر کشمیر شیخ محمد عبداللہ اپنے حریف کو میدان سے
ہٹانے میں کامیاب ہو گئے۔ ان ہی دنوں انگریزی میں خط و کتابت کرنے کے
لئے اسلامیہ ہائی سکول کے ماسٹر پنڈت شام لال مدن کو میر واعظ کا پرائیویٹ
سکریٹری بنایا گیا۔

میموریل اور مسلم نمایندگان

مسلمانوں کے جذبات اور تحریک کی رفتار دیکھ کر حکومت جُھک
گئی اور مسلمانوں سے کہا گیا کہ وہ اپنی شکایات اور مطالبات کو پیش کرنے کے
لئے مہاراجہ کے پاس اپنا وفد بھیجدیں۔ مسلمانوں کا یہ وفد جو جموں و کشمیر کے مسلمانوں
پر مشتمل تھا۔ ۱۹۔ اکتوبر ۱۹۳۱ء کو طالع منزل میں مہاراجہ سے ملاقاتی ہوا۔ میموریل
خواجہ سعد الدین شال صدر مسلم نمایندگان کمیٹی نے پڑھا۔ میموریل کا متن

مندرجہ ذیل ہے ــــــــ

"مساجد اور دیگر متبرک مقامات اور اُن کی متعلقہ جائدادیں جو حکومت کے قبضہ میں ہیں۔ واگذار کردی جائیں۔ تحریر و تقریر کی آزادی اور لوگوں کو انجمنیں اور سوسائٹیاں بنانے کی اجازت دی جائے۔ ہر فرقہ کو مکمل مذہبی آزادی دی جائے اور تبدیل مذہب کے وقت نومسلم کی جائداد ضبط نہ کی جائے۔ سرکاری ملازمتوں میں مسلمانوں کو وہ حصہ دیا جائے جس کے وہ مستحق ہیں۔ ایک قانون ساز مجلس بنائی جائے جس کو ریاست کا نظم و نسق میں دخل دینے کا مکمل اختیار حاصل ہو۔ وزراء اپنے افعال کیلئے اسمبلی کے سامنے جواب دہ ہوں، ستر فیصدی ممبران منتخب شدہ ہوں اور رائے دہندگی کا معیار وسیع کردیا جائے، وزراء میں مسلمانوں کا عنصر مسلمانوں کی تعداد آبادی کے مطابق ہو، اگر قابل ریاستی مسلمان اس کے لئے نہ ملے تو بیرون ریاست کے مسلمان کو ترجیح دی جائے۔ شہروں اور قصبوں میں میونسپلٹیاں قائم کردی جائیں۔ ڈسٹرکٹ بورڈوں کو وہی اختیارات ہوں جو پنجاب میں ہیں۔ اور اُن میں پبلک کے منتخبہ ممبران کی اکثریت ہو۔ ہائی کورٹ جج ستر فیصدی مسلمان ہوں۔ مال گذاری کی تشخیص انہیں اصولوں پر ہونی چاہیئے۔ جو پنجاب میں مروج ہیں اور اس میں تخفیف کی جائے۔ ملازمتوں میں تقرری کا معیار کم سے کم قابلیت ہو۔ ہر ایک فرقہ کو اُن کی آبادی کے مطابق حقوق ملنے چاہیں۔ اگر تعلیم یافتہ مسلم نہ ملیں تو کم تعلیم یافتہ مسلموں کو زیادہ تعلیم یافتہ غیر مسلموں پر ترجیح دی جائے۔"

اس میموریل میں زمینداروں کے متعلق حق ملکیت کا مطالبہ محکمۂ جنگلات، مال اور شکارگاہ کے خلاف شکایات، رشوت ستانی کے انسداد کا

...لبہ، ملازمت پیشہ سرمایہ داروں کو چکوک اور جاگیریں نہ دینے کی درخواست، ...ائی اور بکروال ٹیکس کی کمی کا مطالبہ، کسٹم ڈیوٹی کے خلاف شکایات کے ...کی عرض داشت، مزدوروں کی ابتر حالت کو سنبھالنے، تعلیم کی ترویج کے ...مر شارپ کی سفارشات پر عمل درآمد کرنے اور صنعتی کالج کھولنے کے ...البات درج تھے۔ تمام سیاسی قیدیوں کی رہائی کا مطالبہ اور سیاسی شورش ...ارے گئے یا زخموں سے بے کار ہوئے اشخاص کے پس ماندگان کو معاوضہ ...کا مطالبہ، سیاسی مقدمات واپس لینے۔ آزاد کمیشن کے ذریعہ ایام شورش ...پولیس اور فوج کے رویہ کی تحقیقات کرنے کا مطالبہ بھی شامل تھا۔

اس میموریل نے دُنیا پر واضح کردیا کہ مسلمانوں کو حکومت کے خلاف ...ی طور پر جائز شکایات ہیں۔ اور اُن کا مقصد حکومت کا تختہ اُلٹنے کا نہیں ...مگر فرقہ پرست اخبارات محض حکمران طاقت سے ناجائز فائدہ اُٹھانے ...کی غرض سے اُس کی حمایت میں مسلمانوں کے خلاف پروپیگنڈا کرتے رہے۔

...ہاراجہ ہری سنگھ کا جواب

"حضور مہاراجہ بہادر نے اس میموریل کو جو آپ نے ابھی پیش کیا ہے۔ ...ل دلچسپی کے ساتھ سماعت کیا ہے۔ چونکہ اس کی ایڈوانس کاپی کل رات ...دیر سے پیش ہوئی تھی۔ اور چونکہ آپ نے اس میں بعض ایسے اہم امورات ...تذکرہ کیا ہے۔ جن کا بغیر غور و خوض کے فیصلہ کرنا ممکن نہیں۔ اندریں صورت ...حضور مہاراجہ بہادر آج مفصل جواب دینے سے قاصر ہیں۔ البتہ آپ کو یقین دلانا ...چاہتے ہیں کہ آپ کی عرض داشت پر غور کرتے اور اس کے متعلق احکام

صادر کرنے میں کوئی غیر ضروری توقف نہ ہوگا۔"

مابدولت کو یہ محسوس کرتے کمال مسرت ہوئی ہے کہ آپ نے حضور جناب کی اس خواہش کا کہ حالات کو اُن کے اصلی پُرسکون حالات پر برقرار جاوے جس کا اظہار کہ مابدولت نے اعلان عفوِ عمومی میں برموقعہ سالگرہ کیا وفاداری سے لبیک کہا۔

آپ نے جو اس عقیدت کا از سرِ نو اظہار کیا کہ مابدولت کی مسلم رعایا تخت کی وفادار ہے۔ اُس سے حضور ینِ جناب متاثر ہوئے ہیں۔ اور حضور یہ دلی کوشش کریں گے کہ رعایا اور راعی کے درمیان رشتہ الفت بدستور رہے۔ جن امور کا آپ نے ذکر کیا ہے وہ تین ضمنوں پر منقسم ہوتے ہیں۔

اول:۔ وہ امورات جن کے بارے میں آپ نے تحقیقاتی کمیشنوں کے تقرر کی تجویز کی ہے۔

دوم:۔ وہ امور جن کا تعلق زیادہ تر مابدولت کی مسلم رعایا سے ہے

سوئم:۔ وہ امور جن کا تعلق صرف مابدولت کی مسلم رعایا سے نہیں بلکہ غیر مسلم رعایا پر بھی مؤثر ہیں۔

۱۳/ جولائی کو گولی چلانے کے متعلق آپ کو علم ہے کہ اُس کمیٹی نے جس کے صدر سر برجور دلال تھے بعدِ تحقیقات اپنی رپورٹ پیش کر دی جو شائع ہو کر اس وقت زیر غور ہے۔ مورخہ ۲۲، ۲۳، ۲۶/ ستمبر کی گولی چلائے جانے کے واقعات کی تحقیقات کی غرض سے حضور ینِ جناب نے ابھی ابھی ایک کمیشن مقرر کیا ہے۔

امور متذکرہ ضمن دوم پر جلد غور کر کے احکام صادر کئے جائیں گے

دوبارہ ضمن سوئم۔ مابدولت اس چیز کو نظرِ پسندیدگی سے دیکھتے ہیں ...یا کو نظام حکومت میں شمولیت کا موقعہ دیا جائے۔ مگر ایسی سکیم کی ...لات غور و خوض کی محتاج ہیں۔ اور حضور ینِ جناب کا ارادہ ایک ایسی ...ن مقرر کرنے کا ہے۔ جو اس سوال کی بالتفصیل چھان بین کرے۔ یہ کمیشن ...ران سرکاری اور فرقہ متعلقہ کی غیر سرکاری نمائندگان پر مشتمل ہوگی۔ اور ...ن کا صدر ایک ایسا افسر ہوگا جس کا تعلق ان فرقوں میں سے کسی ایک ...ساتھ بھی نہ ہو، اس کمیٹی کے ممبران کے نام کی فہرست اور اُن امور کی تفصیل جو کمیٹی مذکور کو تفویض کئے جائیں گے عنقریب شائع کئے جائیں ... سرکاری ملازمتوں میں مختلف فرقوں کی نمائندگی کا سوال پہلے ہی زیر ...رہے۔ اور اس کے متعلق گورنمنٹ کی پالیسی کا اعلان جس قدر جلد ...ممکن ہوگا کیا جائے گا۔"

(۹)

مڈلٹن کمیشن

مطلق العنان حکومت نے کشمیریوں کے ان مظاہروں کو ناقابلِ معافی اقدامِ بغاوت قرار دے کر تحریک کی نوخیز کونپل کو مسل دینے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگایا۔ ظلم و تشدد کو بامِ عروج پر پہنچا دی۔ اور اس بات کی زبردست کوشش کی گئی کہ صدیوں سے خوابِ غفلت اور سلاسلِ غلامی کو سینوں سے لگائے ہوئے کشمیریوں کو قید و بند، جلاوطنی سے خوف زدہ کرکے انقلاب کی ناپختہ قوت کو ہمیشہ کے لئے زیر کیا جائے!

مگر کشمیریوں کے عزم اور استقلال نے جاگیرشاہی نظام کو اپنا رویہ تبدیل کرنے پر مجبور کیا۔ اور یہ نظریات کی تبدیلی کا ردِ عمل تھا کہ خود مہاراجہ ہری سنگھ بہرصورت کشمیری عوام سے صلح کرنے پر آمادہ ہوا۔ یہ حقیقت اپنی جگہ مسلّمہ ہے کہ سحر کسی مرغ کی آواز کا محتاج نہیں۔ وہ بانگ سُنے تو انگڑائی لے۔ جدوجہدِ آزادی کی اس سحر سے مطلق العنان حکومت بخوبی واقف تھی اور اب وہ

اپنی بقاؤ تحفظ کے لئے کشمیریوں کی رضامندی کی ضرورت کو محسوس کرنے لگی اور ان ہی خدشات نے اُسے دلال کمیشن کی یک طرفہ رپورٹ کو رد کرنے اور مڈلٹن کمیشن کے نام سے ایک نئے تحقیقاتی کمیشن کو وجود میں لانے پر مجبور کیا۔

مسٹر مڈلٹن کی سرکردگی میں کمیشن نے اپنا کام شروع کیا اور جگہ جگہ گھوم پھر کر حالات دریافت کرنے اور شہادتیں قلمبند ہونے لگیں۔

۲۴ ستمبر کو مائیسمہ بازار سرینگر میں فوج نے خواتین کے جلوس کو منتشر کرنے کے لئے گولی چلائی۔ جس میں کشمیر کی ایک بیٹی فضلی گھوڑ سوار فوجیوں کے سموں تلے روندی گئی۔ فقر علی ایک اور شخص کو، جو محکمہ بجلی میں ملازم تھا اور مسجد کے غسل خانہ میں وضو کر رہا تھا، اندھا دھند گولیوں کی آواز سن کر اس نے مسجد کی ۱ × ۱½ فٹ روشن دان، جس کے اوپر لوہے کی جال لگی تھی، جھانکا، گولی کا نشانہ بنایا گیا۔ اسی طرح محمد اسمٰعیل صوفی ولدِ خلیل صوفی کو بھی اُس کی دکان میں ہی گولی سے شہید کیا گیا تھا۔

عام لوگ ناخواندہ تھے اور مسٹر مڈلٹن کو اس واقعہ کی تمام تر تفصیلات سمجھانے میں انگریزی زبان سے ناآشنا ہونے کی بنا پر دشواری محسوس کر رہے تھے۔ اتنے میں کسی نے ایس، پی کالج کے ایک دیہاتی طالب علم کا تذکرہ کیا۔ فوراً چند جوشیلے نوجوان ایک کشمیری لڑکے کو اپنے ساتھ لے آئے۔ اس کے متعلق بتایا گیا کہ یہ اسلام آباد کا رہنے والا ہے اور بڑا ہی ہوشیار ہے۔ یہ پہلا موقعہ

ہے جب مرزا محمد افضل بیگ نے سیاسیاتِ کشمیر میں حصہ لیا۔
مرزا بیگ نے نہایت ہی اچھے پیرائے میں مسٹر مڈلٹن کے سامنے عوامی جذبات کی ترجمانی کی اور انہیں اس واقعہ کی تفصیلات سمجھائیں۔

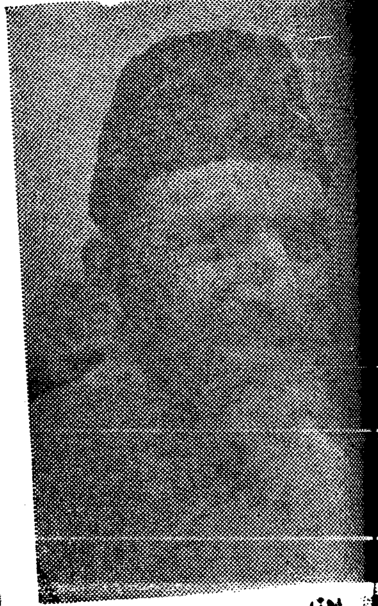
شیخ صاحب کی گواہی

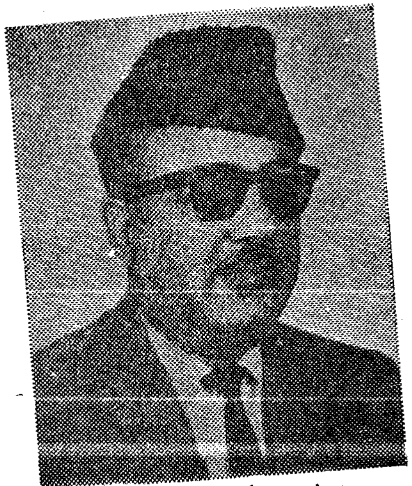
مڈلٹن کمیشن کے سامنے شیخ محمد عبداللہ نے انگریزی زبان میں اپنی شہادت تحریری طور پر پیش کی۔ جس کا ترجمہ ذیل میں درج ہے:

"کمیشن کے دائرہ اختیارات میں فسادات کے اسباب کی پہچان بین بھی شامل ہے۔ چونکہ ریاست جموں وکشمیر نے اپنی مفروضہ عنایات کا بڑا ڈھنڈورہ پیٹا تھا، اس لئے میں ان کا اجمالاً تذکرہ کرنا مناسب خیال کرتا ہوں۔ ریاست کے مسلمانوں کو حکامِ ریاست کے غیر مساویانہ سلوک کا بہت احساس ہے۔ انہیں جان بوجھ کر ملازمتوں سے محروم رکھا جاتا ہے اور خوش قسمتی سے کوئی مسلمان ریاست کی ملازمت میں داخل بھی ہو جائے تو اس کے ساتھ ایسا توہین آمیز اور سوتیلی ماں کا سا سلوک کیا جاتا ہے کہ وہ ہمیشہ اپنے آپ کو اور اپنی ملازمت کو غیر محفوظ خیال کرتا ہے۔ مسلمان ملازموں کے خلاف جھوٹے مقدمات بنائے جاتے ہیں اور اکثر مسلمانوں کو معمولی وجوہات پر برخاست کیا جاتا ہے۔ بعض ایسی مثالیں موجود ہیں کہ ایک واقعی قابل مسلمان امیدوار کو ایک ناقابل ہندو امیدوار کے مقابلہ میں


اب میر مقبول گیلانی


جناب مرزا محمد افضل بیگ


ولانا محمد سعید مسعودی


خواجه غلام محمد صادق

دے دیا گیا۔ ریاست نے مسلمانوں کی شکایات کا تدارک کرنے کے بجائے اُن
کو چپ رہنے پر مجبور کیا۔

سر ایلبین بینرجی نے عین موقعہ پر اپنا بیان شائع کرایا۔ اُسے دیکھ کر مسلمانوں نے
اپنے دعاوی پہلے سے زیادہ زور کے ساتھ پیش کئے۔ چنانچہ ریاست کے مسلمان
باشندوں کی طرف سے مجمل طور پر مسلمانوں کے مطالبات ہز ہائی نیس کی حکومت
کو میموریل پیش کئے گئے۔

ریاست کے حکام جیسا کہ بیان ہو چکا ہے عموماً ہندو ہیں۔ وہ مسلمانوں کے
خلاف حکمتِ عملی پر کاربند رہتے ہیں۔ غریب تباہ حال مسلمان جو پہلے ہی مفلوک الحال
تھے۔ رشوتیں دینے پر مجبور ہوتے رہے۔ الغرض اس طرح روز بروز ان
کی مشکلات میں اضافہ ہوتا گیا۔ اور جب معاملہ انتہا کو پہنچ گیا۔ تو عرض داشتیں
پیش کی گئیں۔ لیکن ان پر کوئی توجہ نہ دی گئی۔

جب مسلمانوں نے دیکھا کہ ریاست کو اپیل کرنے کے باوجود ان کی حالت
بہتر ہونے کی کوئی صورت نہیں تو انہوں نے مسلم اخبارات کے ذریعہ اپنی شکایات
بیان کرنی شروع کر دی۔ یہ بات حکام ریاست کو بے حد ناگوار گزری۔ چناں چہ
انہوں نے ذمہ دار مسلم اخبارات کا ریاست میں داخلہ ممنوع قرار دے دیا۔
اور انہیں اپنی حالت کے متعلق دوسرے مقامات کے رہنے والے بھائیوں
کے افکارات کے مطالعہ سے بھی محروم کر دیا گیا۔

اس تشدد آمیز کارروائی کے بعد فوراً یہ خبر ملی کہ ایک ہندو پولیس
افسر نے خطبۂ قرآن کی توہین کی ہے۔ اس موقعہ پر میں یہ امر ظاہر کر دینا

چاہتا ہوں کہ مسلمان تمام بے عزتی برداشت کر سکتا ہے۔ لیکن اپنے مذہب کے خلاف کسی توہین کو ہرگز برداشت نہیں کر سکتا۔ اگر کوئی شخص اس کے سامنے اس کے مقدس مذہب پر حملہ کرے تو مسلمان کے لئے زندگی وبال بن جاتی ہے۔ پس قدرتی طور پر ریاست کے تمام باشندوں نے اس ہندو افسر کے خلاف غم و غصہ کے گہرے جذبات کا اظہار کیا۔

اس کے بعد ریاست نے مسلمانوں کی شکایات کے تدارک کے لئے ایک انوکھی تجویز پر عمل کیا۔ اور مسجدوں میں تمام جلسے منعقد کرنے کی ممانعت کردی۔ کیا اس افسوس ناک ذہنیت کی کوئی مثال دی جا سکتی ہے جس کا ریاست نے مسلمانوں کے متعلق اظہار کیا۔ دُنیا کی کوئی طاقت مسلمانوں کے دلوں سے اُن کی مذہبی تعظیم کو محو نہیں کر سکتی۔ چناں چہ حکامِ ریاست کو فوراً اپنی غلطی کا احساس ہو گیا۔

ہم نے حکومت کے اشارے پر ایک جلسہ منعقد کرایا۔ تاکہ مسلمانوں میں سے نمائندے منتخب کئے جائیں۔ جو ہمارے معاملہ کو ہز ہائی نیس کی خدمت میں جا کر پیش کریں۔ جب جلسہ ختم ہونے کے قریب تھا۔ تو مولوی عبدالقدیر نے ایک بے ضرر تقریر کی اور صورتِ حالات پر افسوس اور غم کا اظہار کیا۔ بجائے اس کے کہ ریاست کو اپنے فرض کا احساس ہوتا۔ اُس نے بدقسمتی سے اپنی روایات کے مطابق مسلمانوں کی خواہشات کو ٹھکرا دیا۔ اور مولوی عبدالقدیر کو گرفتار کر کے اُن کے خلاف مقدمہ چلایا گیا۔

ان کے مقدمہ کی سماعت کے لئے روزانہ ہزاروں مسلمان عدالت پر جاتے تھے

لیکن علمبردارانِ امن و قانون نے جو سلوک ان لوگوں کے ساتھ کیا۔ وہ ریاست کی تاریخ میں بدترین دھبہ رہے گا۔ اس کے فوراً بعد مجھے گرفتار کر لیا گیا۔ اور اکیس روز تک قید خانہ میں رکھا گیا۔ اپنی رہائی کے بعد جو کچھ میں نے معلوم کیا۔ اُس کی بنا پر میں باآسانی کہہ سکتا ہوں کہ بیسویں صدی میں کوئی مہذب حکومت ایسے وحشیانہ مظالم روا نہیں رکھ سکتی۔

آپ کی تحقیقات کے اغراض میں یہ بات شامل نہیں کہ ماہ جولائی کے واقعات پر جن کا تذکرہ کر رہا ہوں۔ کوئی فیصلہ صادر کیا جائے لیکن حکام ریاست کے خلاف مسلمانوں کے جذبات میں ہیجان کی وجہ یہی واقعات ہیں۔ اس لئے بدامنی کی تہہ تک پہنچنے کے بغیر آپ حقائق پر عبور حاصل نہ کر سکیں گے ریاست نے ہر موقعہ پر مسلمانوں کے جذبات کو ٹھیس لگائی اور ان کے جائز مطالبات کو کچلنے کے لئے عزم صمیم کا اظہار کیا۔

مسلمانوں کی پُر زور مخالفت کے باوجود دلال کمیشن کا ڈھونگ کھڑا کر دیا گیا۔ مسلمانوں نے بحیثیت قوم اس کا مقاطعہ کیا۔

کمیشن کے تقرر کے بعد مجھے اور میرے رفقاء کو جو قلعہ میں مقید تھے رہا کر دیا گیا۔ اور ریاست نے مسلمانوں کے خیالات کی گہرائی کو بھانپ کر عارضی صلح کر لی۔ لیکن حکام ریاست نے ہر قدم پر عارضی صلح کی شرائط کی توہین کی۔ صورت حال کا احساس کرتے ہوئے میں نے حکومت کو کہا کہ ہفتہ کے اندر اندر مفاہمت کی شرائط پر عمل کرے اور گورنر کشمیر نے مجھے اور میرے رفقاء کو بلا کر بحث و تمحیص کی۔ جو بے نتیجہ رہی اس کے بعد ہم نے ریاست کے خلاف

فہرست الزامات تیار کی۔ میرے بعض رفقاء نے گورنر کشمیر سے پھر ملاقات کی۔ خواجہ سعد الدین کے مکان پر ایک جلسہ منعقد ہوا۔ اور مجھے مقامی اسلامیہ ہائی سکول کے لئے چندہ جمع کرنے کے لئے بھیجا گیا۔ اسی دوران میں مجھے پھر گرفتار کر لیا گیا۔ مجھے ایک فوجی زندان میں ڈال دیا گیا۔ اور ہر طرف کی تکالیف دی گئیں۔ ایام قید میں مجھے غسل، کپڑوں کی دھلائی اور حجامت وغیرہ سے بھی محروم کیا گیا۔ خوراک نہایت خراب دی جاتی تھی۔ میرے آگے خوراک اس طرح پھینکی جاتی تھی۔ جس طرح چڑیا گھر کا نگہبان شیر کو پنجرے کے اندر خوراک پھینکتا ہے۔ جو کچھ میری گرفتاری کے بعد رونما ہوا۔ آپ کو صرف اُس کی جھلک ہی معلوم ہوتی ہے۔ حکام ریاست نے عقل و خرد کو خیر باد کہہ کر انسانوں کے ساتھ حیوانوں سے بدتر سلوک کیا۔

میں اپنا بیان اُس مودت اور اُلفت کے اظہار کے بغیر ختم نہیں کر سکتا جو مسلمانوں کو اپنے حکمران کے ساتھ ہے۔ جن شکایات کا میں نے اُس پر تذکرہ کیا ہے۔ وہ نظام حکومت کے خلاف ہیں۔ ہز ہائی نیس کی ذات کے خلاف نہیں۔ ہز ہائی نیس کے لئے مسلمانوں کے دلوں میں وفاداری محبت اور اطاعت شعاری کے جذبات ہیں۔ اور یہ جذبات برقرار رہیں گے۔

مڈلٹن رپورٹ

مڈلٹن کمیشن سے جو اُمیدیں مسلمانوں نے وابستہ کر رکھی تھیں۔ وہ پوری نہ ہوئیں جس کا اندازہ مڈلٹن رپورٹ کے مندرجہ ذیل اقتباس سے

ظاہر ہوتا ہے:۔

"شوپیان میں گولی چلانی بے حد ضروری تھی۔ پولیس فائر کرنے میں بالکل حق بجانب تھی۔ مالیسمہ بازار میں گولی چلانی ضروری تھی جونہی ضرورت پوری ہو گئی۔ فائر بند کر دئے گئے۔ اس کے بعد صرف چند فائر اِدھر اُدھر کئے گئے۔ جامع مسجد سرینگر میں فوج کے لئے صورت حال شدید خطرناک ہو گئی تھی۔ اس لئے گولی چلانے میں حق بجانب تھی لیکن اگر افسر معقول انتظام کرتے اور موقعہ پر موجود رہتے تو فوج سے کام لینے کی ضرورت پیش نہ آتی۔ اننت ناگ میں بھی گولی چلانی اس لئے ضروری ہو گئی کہ افسروں نے صورت حالات کا انتظام اچھا نہ کیا تھا۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ جب ضرورت پوری ہو گئی تو اس کے بعد بھی گولی چلتی رہی۔ اور شدید طریق پر یہ جنگی کارروائی جاری رہی۔ فوجی قبضے کے دوران میں سری نگر کے یورپین باشندوں پر خوف و ہراس طاری ہو گیا۔ اگرچہ میں نے عوام کے لئے نوٹس شائع کئے تھے کہ جن لوگوں نے چشم دید واقعات دیکھے وہ آ کر شہادتیں قلم بند کرائیں۔ لیکن میں محسوس کرتا ہوں کہ میرا فرض یہ شہادتیں قلم بند کرنے سے پورا نہیں ہوا۔"

شوپیان اور اسلام آباد میں فسادات کی وجہ یہ ظاہر کرتے ہوئے کہ غیر ذمہ دار مسلم رہنماؤں نے الزامات لگائے تھے کہ مقامی ہندو حکام نے مسلمانوں کو تشدد پر اُبھارنے کے لئے اشتعال دلانے کی سازش کر رکھی تھی۔ مسٹر مڈلٹن

لکھتے ہیں کہ "یہ الزام غیر ضروری شبہات پر مبنی ہے۔ شوپیان میں مسلمانوں نے تھانہ پر حملہ کیا جس کے دوران ایک پولیس افسر ہلاک ہوگیا ان کے اس رویہ کے لئے کوئی عذر نہیں فسادات کو دبانے کے لئے جو ذرائع اختیار کئے گئے۔ وہ بالکل درست تھے۔ اور صورت حالات کو عمدگی کے ساتھ قابو میں رکھا گیا تھا۔

مسٹر مڈلٹن کے سامنے کُل ۲۸۴ گواہوں نے اپنے بیانات قلمبند کرائے۔ مسلمانوں نے جو شہادتیں پیش کی۔ اُن کے متعلق رپورٹ میں مسٹر مڈلٹن نے سخت الفاظ استعمال کئے ہیں۔ مثلاً "بیّن دروغ بیانی" ۔ "قطعی غلط داستان" "دیدہ دانستہ افترا پردازی اگرچہ بہت سے لوگوں نے اس میں شرکت کی ہے" "الزامات کی تائید میں اکثر شہادتیں قطعی جھوٹ ہیں۔" وغیرہ، وغیرہ،

تازیانوں کی سزا پر رائے زنی کرتے ہوئے مسٹر مڈلٹن نے اپنی رپورٹ میں لکھا ——

"اگر برسرِ عام سزائے تازیانہ سے مقصود یہ ہو کہ اس کاروائی سے عوام میں ہیبت بٹھائی جائے تو ان معنوں میں سزائے تازیانہ دی گئی۔ لیکن بدقسمتی سے دو روز تک نمائش کے میدان میں جو سزائے تازیانہ دی گئی۔ وہاں سڑک پر سے عوام کی نظر پڑتی تھی۔ لیکن جلد ہی بریگیڈیر سدر لینڈ کو اطلاع دی گئی اور اس نے جگہ تبدیل کر کے اس غرض کے لئے ایک چار دیواری کا استعمال کیا۔ ایک سو اشخاص کو سزائے تازیانہ دی گئی ہے۔ ان سزاؤں کے

کاغذات دیکھنے کے بعد یہ نتیجہ نکالا گیا ہے کہ عام طور پر جھوٹی افواہوں کی روک تھام کرنے اور اشتعال انگیز کلمات پکارنے سے باز رکھنے کے لئے جن سے فساد کا اندیشہ تھا۔ یہ سزائیں ضروری تھیں۔"

مسٹر مڈلٹن نے حکام کو بھی الزامات سے بری نہیں کیا۔ اور لکھا کہ جب میں [illegible] نگر آیا۔ تو میں نے دیکھا کہ انہوں نے سپاہیوں کو متعین کرنے میں زبردست [illegible]ت سے کام لیا ہے۔ اور جلوس نکلنے کی صورت میں حکومت کو کیا کاروائی [illegible] چاہیئے۔ اس کے لئے کوئی طریقہ کار مرتب نہیں کیا گیا۔ اسلام آباد کا [illegible] کرتے ہوئے رپورٹ میں مقامی حکام کی مذمت کی گئی ہے۔ اور کہا ہے [illegible]ہوں نے ذمہ واریوں کے ادا کرنے میں کوتاہی کی جو ان کی پوزیشن کی وجہ سے اُن پر عائد ہوتی تھیں۔ ہجوم کو منتشر کرنے کی جو کوشش [illegible]ام نے کیں۔ اُن میں خلوصِ دل نہیں پایا جاتا اور معلوم ہوتا ہے حکام مشتعل ہو رہے تھے۔ سری نگر کے تمام واقعات سے مسٹر مڈلٹن [illegible] نتیجہ پر پہونچے ہیں کہ ایجی ٹیشن حکام کے خلاف تھا۔ اور اگرچہ خالص [illegible]نوں کی ایجی ٹیشن تھی۔ لیکن کسی معنی میں فرقہ وارانہ نوعیت نہ رکھتی تھی ورنہ کسی دوسری قوم کے خلاف تھا۔ ۲۶ دسمبر کو مولوی احمد اللہ ہمدانی کے زیر صدارت خانقاہ معلیٰ میں ایک جلسہ عام میں بالاتفاق رائے ایک قرارداد پاس [illegible] جس کی رُو سے منشی شہاب الدین اور خواجہ سعد الدین شال کو قومی [illegible]اد کو نقصان پہنچانے والے افراد قرار دے کر مسلم نمائندگی سے الگ کیا

گیا۔ اس اجلاس میں شرکت کرنے والے قابلِ ذکر اصحاب، میں سے مفتی ضیاءُ الدین، پیر مقبول شاہ، پیر محی الدین، غلام نبی گلکار، مفتی جلال الدین، غلام محی الدین، محمد افضل، ثناء اللہ، محمد امین اور محمد یوسف تھے۔

(۱۰)
مفتی ضیاءُ الدین کی گرفتاری

اسی دوران مہاراجہ ہری سنگھ کے حکم سے پتھر مسجد مسلمانوں کے حوالے کر دی گئی۔ یکم نومبر کو مسلم نمایندگان کی طرف سے مہاراجہ سے کہا گیا کہ ہمارے مطالبات اور شکایات پر غور کیا جائے۔ اس کے ساتھ ہی مسٹر اللہ رکھا ساغر نے جموں میں حکومت کو چوبیس گھنٹوں کے اندر اندر مسلمانوں کے مطالبات منظور کرنے کا نوٹس دیا۔ اور بہ ذات خود سر بازار روزنامہ "انقلاب" لاہور کی ضبط شدہ کاپیاں فروخت کر کے سِول نافرمانی کی ابتدا کی۔ اس پر اللہ رکھا ساغر کو گرفتار کر لیا گیا۔ ۲ نومبر کو جموں میں سخت فرقہ وارانہ فساد برپا ہوا۔ مہاراجہ نے وائسرائے سے امداد طلب کی۔ ۴ نومبر کو ریاست میں گورا فوج داخل سردار گوہر رحمان نے میرپور میں عدم ادائیگی مالیہ تحریک پر ایجی ٹیشن شروع کی اور وہاں بھی فرقہ وارانہ فسادات پھوٹ پڑے۔ فساد زدہ علاقوں



میاں احمد یار خان



شری جے این زتشی



شری ڈی پی در



مفتی ضیاء الدین پونچھی

میں گورا فوج تعنیات کی گئی۔ سردار گوہر رحمان گرفتار کرکے کٹھوعہ جیل میں قید کر دئے گئے۔ جہاں سے وہ اپنے ہم وطنوں کو مندرجہ ذیل خط بھیجتے ہیں جس سے مہاراجہ ہری سنگھ کی حکومت کے انتظامیہ اور عوامی بے چینی کے اسباب نمایاں طور پر نظر آتے ہیں:۔

"برادرانِ اسلام

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

مجھے معلوم ہوا کہ میری گرفتاری کے بعد سے آج تک آپ کو بے انتہا مصائب کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ آپ کو توپوں اور بندوقوں سے کچلنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اور آپ کو دو ایک بار گولی کا نشانہ بھی بنایا جا چکا ہے۔ لگان وصول کرنے کے لئے حکومت نے آپ کے مویشی حتیٰ کہ آپ کی پردہ دار عورتوں کے زیور بھی بجبر ضبط کر لئے ہیں۔ آپ کو مرعوب کرنے کے لئے زمین پر بے انتہا ڈوگرہ فوجیوں کی اور سر پر مستعار ہوائی جہازوں کی نمائش ہو رہی ہے۔ دوسری طرف سید بڑھے شاہ جو اس سے قبل سرینگر اور جموں میں حکومت کشمیر کی بیش بہا خدمات ادا کر چکے ہیں۔ آپ کو ہر ممکن طریق سے گمراہ کرنے میں کوشاں ہے وہ میرپور کے دو ایک مولویوں کو اپنے ڈھب پر لے آئے ہیں اور ان نام نہاد علماء کے دستخطی اعلان سے آپ کو لگان کی ادائیگی کی ترغیب دی جا رہی ہے۔ لیکن الحمد اللہ کہ آپ ثابت

قدمی اور مستقل مزاجی کے ساتھ اپنے جائز حقوق کے مطالبہ پر اڑے ہوئے ہیں۔ میں آپ کو اعلان ہٰذا کے ذریعہ مطلع کرنا چاہتا ہوں کہ سید بڈھے شاہ اور اس قسم کے دوسرے غداران ملت کے فریب سے آپ کیلئے بچنا ضروری ہے۔ اور ان مصائب میں جن کا آج کل آپ لوگوں کو سامنا ہے۔ ہر طرح ثابت قدم رہنا ہی خدا کے فضل و کرم سے کامیابی و کامرانی کی دلیل ہے۔ تاآن کہ آپ کے مطالبات مان لئے جائیں۔

اللہ تعالےٰ آپ لوگوں کا حافظ و ناصر ہے۔

آپ لوگوں کا خادم

گوہر رحمان خان کمھوطہ جیل

[از "الفضل" قادیان ۳۱ جنوری ۱۹۳۲ء]

سری نگر میں اس کا رد عمل یہ ظاہر ہوا کہ گرفتار شدگان کی حمایت میں خانقاہ معلیٰ کے احاطہ میں جلسہ منعقد ہوا۔ جس میں حکومت کی اس کاروائی کی شدید نکتہ چینی کی گئی۔ مفتی ضیاالدین پونچھی بھی مقررین میں شامل تھے انہوں نے اپنی تقریر میں کہا کہ اگر حکومت ہمارے مطالبات اور شکایات نہیں سنتی تو اس کے کان نکالے جائیں گے۔ مفتی صاحب کے ان الفاظ کا حکومت نے سخت نوٹس لیتے ہوئے انہیں گرفتار کر کے جلاوطن کیا۔ چناں چہ مفتی صاحب پونچھ سے جلاوطن کر کے سری نگر لائے گئے۔ انہوں نے اپنی تقریروں سے پونچھ کے راجہ کی نیند حرام کر دی تھی۔ اور وہ قلعہ میں پناہ

[لینے پر] مجبور ہوا تھا۔ پونچھ کے بہادر جوانوں نے قلعہ کا محاصرہ کیا۔ اور یہ محاصرہ فوج کے آنے پر اٹھایا گیا۔ مفتی صاحب کے انقلابی ذہن کے پیش نظر ان [کو] ریاست بدر کرنے کا منصوبہ تیار کیا گیا۔ مفتی ضیاالدین پر یہ الزام [عائد کیا] گیا تھا کہ انہوں نے راجہ ہری سنگھ کے خلاف کچھ خطوط مرزا بشیر [الدین] محمود احمد اور عبدالرحیم درد کو لکھے ہیں۔ جن کے جوابات مفتی ضیاالدین [کے خ]انہ تلاشی کے بعد حکومت کے ہاتھ آئے تھے۔ حکومت کو ان کی یہ حرکت [ناگو]ار گذری تھی۔ شیخ محمد عبداللہ اور دوسرے نوجوان جنہیں ان ابتدائی [فتوحات] سے یہ یقین ہو چکا تھا کہ حکومت نے اُن کے سامنے گھٹنے ٹیک دیئے ہیں [اور] اب وہ ہماری نازبرداری میں ہی اپنی خیریت تصور کرتی ہے۔ اس جلاوطنی [پر] گورنر کشمیر ٹھاکر کرتار سنگھ سے تبادلہ خیال کیا۔ اور خدشہ ظاہر کیا کہ اگر [ح]کومت اپنی روش میں تبدیلی نہ لائے گی۔ تو پھر انقلاب آسکتا ہے۔ اس [پ]ر گورنر نے انہیں وزیر اعظم سے گفتگو کرنے کو کہا۔ جہاں انہیں ٹیلیفون [پ]ر بات چیت کرنے کے لئے دو گھنٹے تک روکے رکھا گیا۔ اور اسی دوران [م]فتی ضیاالدین کو فوج کی حراست میں جموں روانہ کیا گیا۔ جب مسلم نمایندگان [کو] حکومت کی اس شاطرانہ چال کا علم ہوا۔ تو شیخ محمد عبداللہ کو مسٹر گلانسی کے پاس حکومت کے خلاف احتجاجاً بھیجا گیا۔ جہاں مسٹر گلانسی نے انہیں خاموش رہنے اور عوام کے جذبات کو قابو میں رکھنے کی ہدایت کی اس کے ساتھ ہی ان کی زبان بندی کا حکم جاری کیا گیا۔ جس سے مسلمان اور بھی مشتعل ہوئے۔ ۲۳ جنوری جمعہ کا دن تھا۔ شیخ محمد عبداللہ نے حکم کے

پر کچھے اُڑاتے ہوئے خانقاہ معلیٰ میں تقریر کی جس میں مسلمانوں کو پُرامن رہنے اور حکومت کی کارروائی سے برافروختہ نہ ہونے کی تلقین کرتے ہوئے حکومت کے اس اقدام کی شدید نکتہ چینی کی جس کی پاداش میں حکومت نے اسی رات انہیں ہوس بوٹ میں جہاں وہ قیام پذیر تھے گرفتار کرلیا۔ حالانکہ گرفتاری سے چند لمحہ قبل ہری کرشن کول کے پرائیویٹ سیکرٹری پنڈت جیون لعل نے شیخ صاحب کو اطلاع دی تھی کہ مفتی ضیاالدین کے بارے میں سابقہ حکم منسوخ کیا جائے گا۔ اور سیاسی فضا بدستور پُرامن رکھی جائے گی۔

۲۷ جنوری ۱۹۳۲ء کو مولوی عبداللہ وکیل نے اخبارات کے نام بذریعہ تار مندرجہ ذیل بیان جاری کیا:۔

"مفتی ضیاالدین صاحب کو جو مسلمانان کشمیر کے مفاد کے لئے ایک قیمتی وجود ہیں۔ گذشتہ ہفتہ جلاوطنی کا حکم موصول ہوا تھا۔ جس پر مسلمانوں نے پروٹسٹ کیا۔ حکام کی طرف سے مسٹر ایس، ایم، عبداللہ کو اُمید دلائی گئی کہ معاملہ پر دوبارہ غور ہو رہا ہے۔ سوموار کے روز وہ گورنر کے پاس اس غرض سے گئے کہ جموں میں ٹیلی فون پر دوبارہ غور کا نتیجہ معلوم ہونے کی توقع تھی۔ جیسا کہ پہلے سے طے شدہ تھا۔ لیکن ابھی آپ وہیں تھے کہ پولیس نے مفتی ضیاالدین کو جبراً ریاست سے باہر بھیج دیا۔ جس سے پبلک میں سخت ہیجان پیدا ہو گیا۔ پچھلے پہر بہت

لوگ خانقاہ معلیٰ میں جمع ہوگئے جن کے سامنے مسٹر محمد عبداللہ نے تقریر کی غروب آفتاب کے بعد آپ کو معہ چھ رفقاء کے تقریر کرنے اور خلاف قانون مجمع میں شمولیت کی بنا پر گرفتار کر لیا گیا۔ ان کا مقدمہ آج شروع ہے پبلک بے صبری سے نتیجہ کی منتظر ہے۔ پریزیڈنٹ صاحب آل انڈیا کشمیر کمیٹی نے سخت پروٹسٹ کیا۔ شہر میں پولیس اور فوج کا سخت مظاہرہ کیا جا رہا ہے۔ لوگ ہری کرشن کول سے سخت بدظن ہیں۔ جو گرفتاریوں پر خوش نظر آتا ہے۔ بلکہ کہا جاتا ہے کہ وہ کہتا ہے لیڈروں کو گرفتار کرانے میں میرا ہاتھ ہے۔ میں جموں جا رہا ہوں تاکہ دیکھوں کہ کیا ہوتا ہے۔ حالات سخت نازک ہیں۔ اور اگر اس تشدد کو دور کرنے کا جلد انتظام نہ کیا گیا۔ تو نہایت ناگوار نتائج کا احتمال ہے۔"

شیخ محمد عبداللہ کی گرفتاری کے ساتھ ہی سری نگر میں ۱۹۔ ایل جاری کیا گیا۔ [illegible] میں ایک مختصر سی پیشی کے بعد چھ ماہ کی سزا دے کر سری نگر سنٹرل جیل [illegible] دیا گیا۔ جہاں اُن کی ملاقات مولانا محمد سعید مسعودی سے ہوئی۔ [illegible] کو مولانا کی زبانی سنئے:۔

"میری اور اُن کی ملاقات جنگ آزادی کے ایک کھلے اور سرگرم کارکن کی حیثیت میں سنٹرل جیل سری نگر میں تنہائی کی کوٹھڑیوں کی دیوار کے ساتھ والے نل کے پاس ہوئی تھی جہاں بیٹھ کر ہم نے طے کیا تھا کہ اب باہر نکل کر [illegible] زمانے میں

رہائی کی خبریں سُننے میں آ رہی تھیں) ایک باقاعدہ جماعت
بنائی ہے جس کا نام مسلم کانفرنس ہوگا۔ اس طرح آپ یہ
بھی کہہ سکتے ہیں کہ مسلم کانفرنس کی بنیاد سنٹرل جیل سری نگر میں
رکھی گئی۔"

نمایندگانِ جموں کا مراسلہ

۱۱ فروری سنہ ۱۹۳۲ء کو چودھری غلام عباس خان، عبدالحمید خان ایڈیٹر محمد یعقوب علی نمایندگانِ صوبہ جموں نے مہاراجہ ہری سنگھ کو ایک احتجاجی مراسلہ بھیجا جس میں مفتی ضیاءالدین کی جلاوطنی اور شیخ محمد عبداللہ کی گرفتاری کو غیر منصفانہ قرار دیتے ہوئے غیر مبہم الفاظ میں اس کو غیر دانشمندانہ اقدام کہتے ہوئے اس کے تباہ کن نتائج سے انتباہ کیا۔ مکتوب کا متن درج ذیل ہے:

"ہم نمایندگانِ جموں مؤدبانہ گذارش کرتے ہیں۔ چونکہ اب تک کشمیر میں حالات بالکل پُرامن ہیں۔ اور آپ کی رعایا بالکل وفادار رہی ہے۔ اس لئے صوبہ کشمیر میں ریگولیشن ۱۲ سنہ ۱۹۱۸ء کا نفاذ منسوخ کر دیا جائے۔ اس مضمون پر شیخ محمد عبداللہ نے جو تار ارسال کیا تھا۔ ہم اُس کی حمایت کرتے ہیں۔

مفتی ضیاءالدین کی جلاوطنی کی وجہ سے بھی جوش پھیل گیا ہے۔ افسوس ہے کہ مفتی صاحب کو اپنی پوزیشن واضح کرنے

---

[1] ہفتہ وار "محاذ" سری نگر دسمبر سنہ ۱۹۶۴ء

کا موقعہ نہ دیا گیا۔ اور اُن کی بابت کشمیر کے نہایت بارسُوخ رہنما شیخ محمد عبداللہ نے جو یقین دلایا تھا۔ اُس پر کوئی غور نہیں کیا گیا۔ ایک نمایندے کے یقین دلانے کو قابل توجہ نہ سمجھنا اس جماعت کی توہین ہے جس کا وہ نمایندہ ہے۔ اس لئے ہم نہایت مؤدبانہ طور پر ہز ہائی نیس سے درخواست کرتے ہیں۔ جیساکہ شیخ محمد عبداللہ نے درخواست کی تھی کہ مفتی ضیاءالدین کی جلاوطنی کا حکم واپس لے لیا جائے۔

مفتی صاحب کی جلاوطنی پر کشمیر میں بہت جوش پھیل گیا تھا۔ لوگ قدرتی طور پر اپنے غصّہ کے جذبات کو مظاہروں کی شکل میں ظاہر کرنا چاہتے تھے۔ لیکن افسوس ہے حکام اس ضمن میں ایک پُرامن جلوس کو بھی برداشت نہ کر سکے اس طرح کہ ایک پُرامن جلوس کو روکنا بیحد غیر منصفانہ ہے۔ لیکن اسی پر اکتفا نہیں کیا گیا۔ بلکہ شیخ محمد عبداللہ کو بھی گرفتار کر لیا گیا۔ حکام اس سے بے خبر نہیں کہ قبل ازیں ان کی گرفتاری پر بہت بدامنی پھیل گئی تھی۔ اور ہمیں خطرہ ہے کہ اس نازک موقعہ پر اس غیر دانشمندانہ گرفتاری پر تباہ کُن نتائج برآمد نہ ہوں۔ جموں میں پہلے ہی بے حد کشیدگی ہے۔ کیونکہ ہندو ہر روز جلسے منعقد کرتے ہیں۔ جن میں اشتعال انگیز تقریریں کی جاتی ہیں۔ میرپور کی صورت حالات پر ابھی پُورے طور پر قابو

حاصل نہیں ہوا۔ راجوری۔ کوٹلی اور دوسرے اطراف سے اضطراب
انگیز خبریں موصول ہو رہی ہیں۔ یہ تمام واقعات افسوس ناک
ہیں ـــــ ان حالات میں ہم شیخ محمد عبداللہؓ کی گرفتاری کے
خلاف پُرزور احتجاج کرتے ہیں۔"

اس کے بعد شہر میں بدامنی پھیلی۔ جلسے جلوس اور مظاہرے شروع ہوئے۔ خانقاہ معلیٰ پھر ایک بار ان سرگرمیوں کا مرکز بنا، روزانہ تقریریں ہونے لگیں۔ اسی ایجی ٹیشن کے دوران مولوی محمد سعید مسعودی نے سرکاری ملازمت کو ٹھکراتے ہوئے سٹیج پر آکر تقریر کی۔ کئی تقریروں کے بعد ۲۷ رمضان کو پولیس اُن کی گرفتاری کے لئے خانقاہ معلیٰ کے صحن میں داخل ہوئی۔ خانقاہ کے تمام دروازے بند کئے گئے۔ اور خواجہ سلام شاہ نقشبندی اسسٹنٹ گورنر نے خانقاہ معلیٰ کے صحن میں داخل ہو کر پولیس کو ہدایت دی کہ جتنے لوگ یہاں موجود ہیں اُن کو حراست میں لے لیا جائے۔ چنانچہ مولانا کے ساتھ سینکڑوں حریت پسند گرفتار کئے گئے۔ جن میں ۷۵ افراد کو تین تین ماہ اور دس دس روپے جُرمانے کی سزا دی گئی۔ ان گرفتار شدگان میں ایڈیٹر "ہمدرد" خواجہ غلام محمد عارف بھی شامل تھے۔ ان کے ساتھ ۱۶ دوسرے افراد پر حملہ بر ملازم سرکار کا مقدمہ دائر ہوا۔ جو بعد میں واپس لے لیا گیا۔

---

(۱۱)

صوبہ جموّں اور ملحقہ علاقہ جات

مفتی ضیاء الدین کی گرفتاری سے نہ صرف صوبہ کشمیر کے پُرامن ماحول میں آگ لگی۔ بلکہ اس نے اپنی لپیٹ میں میرپور، راجوری اور پونچھ کے دبے ہوئے پُرامن انسانوں، سبزاروں، کوہساروں اور آبشاروں کو بھی لے لیا۔

اُنہوں نے مفتی ضیاء الدین کی قیادت میں پہلے ہی اپنے پد ایشی اور غصب کئے ہوئے حقوق کی بحالی کے لئے جدوجہد جاری کر رکھی تھی۔ اور ان کی گرفتاری نے اس سرسبز و شاداب پہاڑی علاقہ میں اک آگ سی لگا دی۔ قصبہ قصبہ، گاؤں گاؤں انسانی حقوق کی بحالی۔ اور غیر انسانی قسم کے ٹیکسوں کے خلاف سرِعام مخالفت ہونے لگی۔ ان غیر انسانی ٹیکسوں اور انسانی حقوق کی بحالی کے ان مطالبوں کو سمجھنے کے لئے ان پس ماندہ علاقوں کی تاریخ کا سرسری جائزہ لینا ضروری ہے۔

پونچھ

خطہ پونچھ ایک نہایت سرسبز و شاداب پہاڑی علاقہ ہے جو سلسلہ

پیر پنچال کے دامن میں کشمیر کے عین جنوب کی طرف واقعہ ہے۔ اس کا رقبہ ۶۰۰ مربع میل ہے۔ اور آبادی ۳۸۷،۰۰۰ افراد پر مشتمل ہے جن میں ۹۷ فیصدی مسلمان، ۲ فیصدی ہندو اور ایک فیصدی سکھ آباد ہیں۔

اس علاقہ پر متواتر ۵۰۰ سال تک مسلمانوں نے حکومت کی۔ اور بالآخر اٹھارویں صدی میں مرکزی حکومت کی بجائے ملایالی، ودلی، سرہن سانگو، تھکیال، ڈومال، فیروزال، ڈھونڈھ اور راٹھور وغیرہ اقوام نے اپنے اپنے علاقہ کے اندر قوم کے سرکردہ رئیسوں کے ماتحت چھوٹی چھوٹی حکومتیں قائم کرلیں۔ جن کو یہاں کی اصطلاح میں راجی کے نام سے اب تک موسوم کیا جاتا ہے۔

انیسویں صدی کے شروع یعنی ۱۸۱۳ء میں سکھوں نے بھمبر کے راجہ سلطان خان اور راجوری کے راجگان عزیز خان اور اغر خان کو گرفتار کرکے مفتوح علاقہ پر دیوان دلباغ رائے کو حاکم مقرر کیا۔ سکھ فوج کے سپہ سالار راجہ دھیان سنگھ (راجہ گلاب سنگھ کے بھائی) نے شمس خان سدہن کو اس کا مشیر مقرر کیا۔

راجہ گلاب سنگھ جو سکھ فوج کا سپہ سالار اعظم تھا نے اس تقرری کی مخالفت کی۔ چنانچہ شمس خان کو اس مخالفت کا جونہی علم ہوا۔ وہ اپنی جان بچانے کی غرض سے بغیر حصول اجازت اپنے علاقہ پونچھ میں واپس چلا آیا۔ اس کی بلا اجازت غیر حاضری پر شبہ پیدا ہوا کہ وہ باغی ہو گیا

لے بیوگرافی آف مہاراجہ گلاب سنگھ مصنفہ سالک رام کول۔

اودھم سنگھ، میاں لعب سنگھ اور زور آور سنگھ پھلادیا کو قلعہ قبضہ کرنے کے لئے بھیجا۔ اس غیر متوقع یلغار کی خبر سن کر شمس خان نے مکتوب راجہ گلاب سنگھ کو بدیں مضمون بھیجا کہ میں مطلق باغی نہیں مگر راجہ گلاب سنگھ نے اس مکتوب کو پس پشت چھوڑ کر اودھم سنگھ کے ساتھ مل کر آگے بڑھنا شروع کیا۔ مگر شمس خان کو گرفتار کرنے میں ۔ یہ اور بات ہے کہ اس لشکر کشی میں اُس کے دو نامور ساتھی لن، ملی خان سدہن زندہ گرفتار کرکے سر عام درختوں کے ساتھ ان کی کھال اُتار دی گئی۔ اور پھر ان کھالوں میں بھوسہ بھر کر ان کو خوف زدہ کیا گیا۔

مس خان نے راجہ شہر یار خان، راجہ سرانداز خان سدھن پناہ لی تھی۔ راجہ گلاب سنگھ نے اس اطلاع کے پاتے ہی راجہ ان کو قاصد کے ذریعہ مطلع کیا کہ فوراً شمس خان کو میرے والے ہر یار خان نے اس حکم کی تعمیل میں شمس خان اور اس کے لی خان کا سر کاٹ کر اور نیزوں پر چڑھا کر گلاب سنگھ کے شمس خان کے قتل کے بعد یہ سارا علاقہ عرصہ دراز تک یلم داری میں رہا۔“

ن ۱۸۳۹ء کو مہاراجہ رنجیت سنگھ کے انتقال کے ساتھ یان سنگھ کے وارث راجہ موتی سنگھ نے اس علاقہ پر تسلط جمایا۔ اور یہیں سے پونچھ باسیوں پر عجیب و غریب ٹیکسوں

کی بھرمار کی ابتداء ہوئی۔ اور رفتہ رفتہ اُن سے تمام انسانی حقوق چھین لئے گئے
اور انہیں حیوانوں کی مانند زندگی بسر کرنے پر مجبور کیا گیا۔

ٹیکسوں کی ابجد

عجیب و غریب ٹیکسوں کی تفصیل اسیس منٹ رپورٹ آف تحصیل
باغ مرتبہ ریذیڈنسی صفحہ ۱۱۱ پر یوں درج ہے۔ ملاحظہ کیجئے۔

"سری ٹھاکرجی ٹیکس بحساب ۴٪ فیصدی مالیہ کے ساتھ وصول کیا جاتا ہے۔
نذر ٹیکس بطورِ نذرانہ (دسہرہ کے تہوار پر بحساب ۲ روپے فیصد
مالیہ کے ساتھ وصول کیا جاتا ہے

دیوالی ٹیکس بحساب ۴٪ مالیہ کے ساتھ وصول کیا جاتا ہے۔
زرگر ٹیکس بحساب ۴٪ راجہ صاحب کے زیورات کے لئے فی کس
وصول کیا جاتا ہے۔

اس کے علاوہ نذرِ سرکار سالانہ ۱۱۵/، نذر افسر سالانہ ۴۲/ نذر
دار سالانہ ۱۲/، نذر کار دار سالانہ ۳۶/، نذر دفتر سالانہ ۲۹/۸
نذر کوتوال سالانہ ۱۶/، نذر وزیر سالانہ ۱۹/، نذر بزغالہ لنگر سالانہ
رسوم جنگلات ٹیکس ۲٪ فیصدی مالیہ کے ساتھ لیا جاتا ہے ٹیکس
ایک آنہ چلا پائی مالیہ کے ساتھ لیا جاتا ہے۔

بیگار اور جابڑ کی رسم پونچھ میں اسی دور کی یادگار ہے۔ مالیہ
کے ذریعہ وصول کیا جاتا تھا۔ اگر کوئی کسان غربت کی وجہ سے وقت

... تھا تو اُس کے سر پر ایک انچ محیط گول ٹھیکرہ رکھ کر اس پر
۲۵ سیر وزنی پتھر رکھ کر اُس وقت تک کھڑا رکھا جاتا تھا۔ جب تک
... رشتہ دار، مال مویشی اور دوسرے اسباب خانہ کا نیلام کرکے مالیہ
... دیتے۔

بلدیو سنگھ

۱۹۵۶ بکرمی میں راجہ موتی سنگھ کے بعد اس کا
بیٹا راجہ بلدیو سنگھ تخت پر بیٹھا۔ اس کے دور اقتدار
... بہاری لال، چودھری رام سرن، چودھری عطر سنگھ اور دیوان بدری
... نے ایک منظم سازش کے تحت پونچھ جیل میں قرآن مجید کی بے حرمتی
... اور ریاست میں ہندو مسلم فرقہ وارانہ فسادات بھڑکانے کی کوشش
... اس موقعہ پر انگریز ریذیڈنٹ مسٹر میکنزی اور راجہ بلدیو سنگھ نے
... پر تحقیقات کرکے مندرجہ صدر فتنہ پرواز اشخاص کا پتہ لگا کر
... ریاست بدر کر دیا۔ اور ساتھ ہی بروزنِ شعر مسلمانوں کے رہنما خواجہ
... جو کو بھی ریاست بدر کیا۔ اس پر مسلمانوں کے جذبات جو کہ پہلے ہی
... قرآن سے بھڑک اُٹھے تھے کو زبردست ٹھیس لگی۔ اور اُنہوں
... نے ہجرت شروع کی اور ریاست میں بغاوت کے سے آثار رونما
... اس پر راجہ بلدیو سنگھ نے خواجہ حبیب جو پر پابندی ختم کی۔
... مہاجرین کو واپس بلا کر اپنی ریاست کو بچایا۔

سکھدیو سنگھ

۷ مارچ ۱۹۲۲ کو راجہ سکھدیو سنگھ تخت نشین ہوا
اس نے ریذیڈنسی کے بجائے دربار کشمیر کی سرپرستی و

نگرانی قبول کی۔ اور "پونچھ گزٹ" مورخہ ۱۰ ستمبر ۱۹۲۷ء میں اعلان کیا
"چونکہ پونچھ جاگیر ہے۔ اس لئے پونچھ کی اندرونی و بیرونی خط و
کتابت میں لفظ ریاست نہ لکھا جائے اور اسی طرح جاگیر پونچھ
میں بھی حکومت جموں وکشمیر کی دوسری ماتحت جاگیروں کے
مانند جملہ قوانین مروجہ گورنمنٹ جموں وکشمیر نافذ العمل ہیں۔"

۱۶ اکتوبر ۱۹۲۷ء کو مہاراجہ ہری سنگھ کی خواہش کے مطابق
راجہ سکھدیو سنگھ کی موت پر اُسکا برادر اصغر راجہ جگت دیو سنگھ
پونچھ کا راجہ بنا۔

اس نے اپنی گرفت کو مضبوط کرنے کے لئے فلاش اور نان شبینہ
کے محتاج باشندگان پونچھ پر اندھا دھند ٹیکسوں کی بھرمار شروع کی
پونچھ کے عوام راجہ موتی سنگھ کے دور کو بھی فراموش کر بیٹھے۔ لہٰذا
اور فرقہ پرستی سے اس نے اپنی حکومت کو سنوارنے کے لئے مندرجہ
ذیل ٹیکس لگائے ____

ترقی مال مویشی کا ٹیکس، فی بھینس ڈیڑھ روپیہ، فی بھیڑ بکری، ایک
یہ ٹیکس صرف مسلمانوں پر عائد کیا گیا۔ اس سے ریاست کو
سالانہ ۵۵۸۲۱ روپے آمدن ہوتی تھی۔

متعرفہ صنعت وحرفت ٹیکس:۔ ترکھان، لوہار، درزی، حجام
موچی، دھوبی، سے وصول کیا جاتا تھا۔ اس سے ریاست کو
۱۰۰۸۹ روپے کی آمدن ہوتی تھی۔

جندرات ٹیکس پرانی قسم کی پن چکیاں جن کو یہاں کی اصطلاح میں جندر کہا جاتا ہے۔ آٹا پیسنے کے کام آتی ہیں۔ اس سے سالانہ ۳۲۷۲ روپے کی آمدن ہوتی تھی۔

قلی کور ٹیکس بیگار ٹیکس کو کہتے ہیں اس سے جاگیر پونچھ کو سالانہ ۵۸۶۲ روپے کی آمدن ہوتی تھی۔ یہ ٹیکس اُن راہ چلتے لوگوں، بوڑھوں اور ضعیفوں سے لیا جاتا تھا۔ جو بیگار پر جانے سے انکار کرتے تھے۔

ٹیکس نکاح خوانی مسلمان لڑکیوں کی شادی پر ۱۱ آنے فی نکاح ٹیکس وصول کیا جاتا ہے جس سے جاگیر کو سالانہ تقریباً ایک ہزار روپے آمدن ہوتی تھی۔ اہل ہنود اور سکھ اس ٹیکس سے مستثنیٰ تھے۔

تہوار ذبح گاؤ کی تو بات ہی نہیں۔ مندرجہ ذیل دنوں پر مسلمان کو بھیڑ بکری کیا مرغ تک ذبح کرنے کی اجازت نہ تھی۔ خلاف ورزی کرنے والوں کے خلاف باقاعدہ کیس رجسٹر کرکے سزا دی جاتی تھی:۔

سنگرات :۔ ہر قمری مہینے کی پہلی تاریخ
اکادشے :۔ ہر قمری مہینے کی نویں ۹ تاریخ
پورنماشے :۔ ہر قمری مہینے کی تیرہ ۱۳ تاریخ
اکادشے :۔ ہر قمری مہینے کی چوبیس ۲۴ تاریخ

سالانہ ... ری مہینے کی ۲۸ تاریخ

سالگرہ:- شاہی خاندان پونچھ و جموں کے تمام ممبران کی سالگرہ کے دنوں میں رام نومی اور جنم اشٹمی کے تہواروں پر بھی ذبح کی قانونی ممانعت تھی۔ چاہیئے ان دنوں میں عید کا تہوار کیوں نہ آئے۔

جاگیر کے چالیس کلیدی عہدوں پر صرف سات آسامیوں پر مسلمان تعینات تھے۔

میرپور

میرپور گو کہ مہاراجہ ہری سنگھ کی عمل داری میں شامل تھا مگر علاقہ کی حالت اقتصادی، سیاسی اور معاشرتی لحاظ سے باقی ماندہ ریاست سے ابتر تھی۔ علاقہ کے مفلوک الحال لوگوں کی کمر ٹیکسوں اور بھاری بھرکم مالیہ نے توڑ دی تھی۔ صوبہ پنجاب کی سرحد پر واقعہ ہونے کی وجہ سے پنجاب کی شاداب اور زرخیز زمین پر انگریز عمل داری کے شرح لگان کو دیکھ کر اور اپنے علاقہ کے بنجر اور پہاڑی آراضی کے لگان کو دیکھ کر خون کے گھونٹ پی کر رہ جانا ان کے لئے قدرتی امر تھا۔

صوبہ کشمیر کی تحریکِ حقوق اور صوبہ پنجاب میں جنگ آزادی کی جدوجہد سے یہ لوگ براہِ راست اثر لیتے رہے۔ سردار گوہر رحمان اور مفتی ضیاالدین کی جوشیلی تقاریر سے بالآخر دسمبر ۱۹۳۱ء میں ادائیگی مالیہ تحریک کے نام سے اُنہوں نے اپنی جدوجہد تیز کر دی۔ اور حکومت نے

...ن تحریک کو موت کی نیند سُلانے کے لئے فرقہ پرستی کو ہوا دی۔ ردِعمل کے ...پر ابتدا میں بہتر قیادت میسّر نہ ہونے کی وجہ سے عام لوگ فرقہ پرستی ...ہاؤ میں بہہ گئے جس سے لوٹ مار اور قتل و غارت گری کا بازار گرم ہوا۔ ...ان کی وارداتوں کے پس منظر میں بھوکے ننگے عوام کی بے کاری اور ...روزگاری کا جذبہ صاف کار فرما نظر آنے لگا۔ اور حالات مخدوش بن ...جنوری ۱۹۳۲ء میں گورا فوج کی آمد پر یہاں کے غیر یقینی حالات پر ...طور قابو پا لیا گیا۔

۱۹۳۲ء میں جب سردار گوہر رحمان کی دعوت پر مسلم کانفرنس کے نمائندوں ...ن پہاڑی خطہ کا دورہ کیا۔ مسلم کانفرنس کی باضابطہ شاخ قائم ... اس کے بعد اُنہوں نے ریاستی عوام کے دوش بدوش اپنی سیاسی ...دی اور معاشی جدوجہد کے لئے بے مثال کردار ادا کیا۔

...ری

...جوری میں مسلمان صدیوں سے آباد ہیں۔ جہاں اُن کو زمین پر ...وق حاصل تھے۔ مہاراجہ گلاب سنگھ کے عہدِ حکومت میں انہیں ...سے محروم کیا گیا۔ اور میرپور سے غیر مسلموں کو لا کر خصوصی طور پر ...یں آباد کر کے انہیں مالکانہ حقوق سے سرفراز کیا گیا۔ ...ہاں کے پشتی باشندوں، گوجروں اور بکروالوں جن کی یہاں اکثریت ...انسانیت سے خارج کر کے جرائم پیشہ قرار دیا گیا۔ یہاں بھی

صوبہ کشمیر کی طرح بیگار جس نے کارِ سرکار کا نام دیا گیا تھا۔ صرف مسلمانوں
لی جاتی تھی۔ اور اُجرت کسی کو نہیں دی جاتی تھی۔

۱۹۱۴ء میں تحصیل رام پور، راجوری کے مہاجنوں نے سُود خوری
اور رُہلڑ بازی کے نام پر یہاں کے پُشتی باشندوں کا قافیہ تنگ کرنا
کیا اور عمال حکومت سے مل کر اُنہیں طرح طرح کی اذیت دینے لگے
پر مولوی عبدالرحمان نے نمازِ جمعہ کے ایک اجتماع پر مسلمانوں کو مہا
کی گرفت سے بچنے کی ہدایت کی۔ مولانا کی تقریر پر عمال حکومت سیخ پا
اور نمازِ جمعہ کے اس اجتماع کو ڈاکوؤں کا جلسہ قرار دے کر مسلمانوں کو
ایسا کچلا کہ پھر سر نہ اُٹھا سکے۔ اُن کی مسجدیں مُقفل کی گئیں۔ اور عید
میں نماز عید پڑھنے پر پابندی عائد کی گئی۔

۱۳ جولائی ۱۹۳۱ء کی تحریک نے نہ صرف ریاست کی مطلق العنان
حکومت کو جھنجھوڑ کے چھوڑا بلکہ ریاست کے جُملہ حق پرستوں کو خوا
غفلت سے بیدار کیا۔ یہ اِسی بیداری کا ردِ عمل تھا کہ ۲۱ جنوری ۱۹۳۲ء
بمطابق ۹ ماگھ ۱۹۸۸ء بکرمی علاقہ تھنہ دہرال کے خفتہ اور روند
بوڑھے جوان اور بچے شہر کے شمال کی جانب بمقام بیروٹ صبح ا
دن چڑھے ہی عیدگاہ میں اکٹھے ہوتے شروع ہوئے۔ انہیں یہ مژ
سُنایا گیا تھا کہ مہاراجہ بہادر نے جملہ عبادت گاہوں کو واگذار فرما
کا حکم صادر کیا۔"

مگر انہیں کیا معلوم تھا کہ اُن کی خوشیاں جلد ہی غم و اندوہ میں

جائیں گی۔ راجوری کے وزیر وزارت سردار تیرتھ سنگھ کے خفیہ اشارے
پر تمام غیر مسلموں نے یہ کہہ کر اپنی دُوکانیں بند کیں کہ "مسلمان ہمیں لُوٹیں
گے" اور سردار تیرتھ سنگھ کے حکم سے ملٹری، پولیس اور چند مُسلح غیر مسلموں
کو عیدگاہ میں نمازگاہ اور جامع مسجد کے گرد پہلے ہی پہرے پر بٹھایا گیا تھا
اور چند سرکار نواز مسلمانوں کو جن میں مرزا حبیب اللہ، منشی فیروز الدین،
چوھدری وزیر علی، فتح لون، غفار جُو ندگرا اور شیخ فضل عالم پولیس سارجنٹ
شامل تھے کو ان نمازی مسلمانوں کے پاس بھیجا، تاکہ وہ بغیر نماز جمعہ ادا کئے
واپس چلے جائیں۔ اور شہر کا بالکل رُخ نہ کریں۔ اس پر مسلمانوں نے
کہا کہ ہم صرف جامع مسجد واقعہ میدان لڑی میں نماز جمعہ پڑھنے کیلئے
آئے ہیں۔ شہر میں جانے کا ہمیں کوئی ارادہ نہیں ہے۔ البتہ ہم یہ مطالبہ
کرتے ہیں کہ مہاراجہ بہادر نے جو مساجد کی واگذاری کا اعلان کیا ہے۔ اس
کو عملی جامہ پہناتے ہوئے جو دیگر مساجد حکومت اور غیر مسلموں کے قبضہ
میں ہیں۔ مرمت کر کے ہمارے حوالے کر دی جائیں۔ اس پر وزیر وزارت
نے انہیں دھمکایا۔ مسلمانوں نے وزیر وزارت کے تیور دیکھ کر جہاں وہ
قیام کئے ہوئے تھے۔ نماز جمعہ ادا کی۔ اس وقت زیادہ تر لوگ تھنہ سے
آئے ہوئے تھے۔ اور دہرال کے لوگوں کا انتظار تھا۔ مگر وقت گذرتا دیکھ کر
اُن نے نماز پڑھ لی۔

بعدِ اختتام نماز لوگ وہاں سے واپس جانے ہی لگے تھے۔ ابھی
یہ ہجوم منتشر ہونے نہ پایا تھا کہ علاقہ دہرال کے مسلمانوں کی ایک کثیر

جماعت نعرہ تکبیر بلند کرتے ہوئے پہنچی۔ اور اُنہوں نے وہیں نماز شروع کی۔

اسی اثنا میں ڈوگرہ رسالہ، سردار تیرتھ سنگھ اور مُنصف امرناتھ ریاسی بھی شہر سے آپہونچا۔ اور آتے ہی گولی چلانے کا حکم دیا۔ میدان کے جنوبی حصہ سے جہاں پہلے سے ہی ملٹری کھڑی تھی۔ رسالہ فوج نے نمازیوں کے ہجوم پر گھوڑے دوڑائے، ہجوم رسالہ کو دیکھتے ہی منتشر ہوگیا۔ اور رسالہ فوج نے اُن کا پیچھا کیا۔ اور ٹھاکر دوارے کے قریب جالیا۔ چونکہ مشرق کی طرف دریا اور مغرب کی جانب پہاڑ ہے۔ اور راستہ نہایت ہی تنگ ہے۔ خوف زدہ لوگوں نے رسالہ سے بچنے کے لئے پہاڑ پر چڑھنا شروع کیا۔ پہاڑ پر چڑھتے ہی رسالہ دستے نے اُن پر فائرنگ شروع کی۔ جس سے پچیس ۲۵ نہتے بے قصور مظلوموں نے جام شہادت نوش کیا۔ ہجوم میں سے ۹ آدمی گرفتار کر لے گئے۔

بعد میں جب صاحب زادہ محمد عمر مجسٹریٹ نے اس واقعہ کی سرسری تحقیقات کی تو وزیر وزارت سردار تیرتھ سنگھ اور مُنصف امرناتھ دونوں نے گولی چلانے کے حکم سے انکار کیا۔ انسانی خون سے ریاستی کے سرزمین کو لالہ زار بنانے کے لئے رسالہ دستے نے کل بہتر ۷۲ راونڈ چلائے۔ جس سے ۱۷ سولہ فرزندان دبراں اور قصبہ بھروٹ کے ۹ نوجوانوں نے تحریک حُریتِ کشمیر کو ضیا بخشی۔

۱۹۳۴ء میں یہاں بھی مُسلم کانفرنس کی باقاعدہ شاخ قائم ہوئی۔ جس کو عبدالعزیز شال اور فقیر علی کی رہبری حاصل رہی۔ ۱۹۳۸ء میں جب مسلم

کانفرنس کو نیشنل کانفرنس میں تبدیل کیا گیا۔ عبدالعزیز شال نے نیشنل کانفرنس میں شمولیت اختیار کی۔ مگر فقیر علی نے کچھ عرصہ تک سیاست سے کنارہ کشی اختیار کی۔ بعد ازاں جب ۱۹۴۰ء میں دوبارہ مسلم کانفرنس کو زندہ کیا گیا۔ تو ایک سرگرم کارکُن کی حیثیت سے اُس کے لئے اپنے لیل و نہار وقف کئے۔ ۱۹۴۷ء میں ہندوستان کی آزادی کے بعد وہ پاکستان چلے گئے۔ اور ان دنوں ویسٹ پاکستان کے شہر جہلم میں قیام پزیر ہیں۔

مہاراجہ سے مُسلم وفد کی مُلاقات

ساری ریاست میں یہ سلسلے جاری تھے۔ اِدھر چودھری غلام عباس خان کی سرکردگی میں ۲۸ جنوری کو جموں میں مُسلم نمایندگان نے مسٹر گلانسی سے مُلاقات کر کے ریاستی حالات پر تبادلہ خیالات کیا۔ اثنائے گفتگو میں شیخ محمد عبداللہ کا تذکرہ آیا۔ نمایندگان نے شیخ صاحب کی گرفتاری کو ایسے وقت نامُناسب قرار دیتے ہوئے کہا۔ جبکہ بہ ذاتِ خود شیخ محمد عبداللہ نے بذریعہ تار اپنی اس خواہش کا اظہار کیا کہ وہ کسی قسم کی خلاف ورزی یا صوبہ کشمیر میں بدامنی پھیلانے کے حق میں نہیں۔ انہیں پابندِ زندان کر کے حکومت نے کسی دانشمندی کا ثبوت نہیں دیا۔ اگر آپ اِس سلسلے میں ہمیں مہاراجہ ہری سنگھ سے بالمشافہ مُلاقات کرانے میں مدد کرتے تو ہمیں یقین ہے کہ بہت ساری اُلجھنیں سُلجھ جائیں گی!

۲۹۔ جنوری کو نمایندگان کو اطلاع دی گئی کہ ۳۰ جنوری دِن کے

۳ بجے مہاراجہ ہری سنگھ سے ملاقات کا وقت مقرر ہوا ہے۔ اور یہ (under standing) بھی دی گئی کہ یہ ملاقات صرف مہاراجہ ہری سنگھ اور نمائندگان کے درمیان ہوگی۔

۳ جنوری کو مسلم وفد ٹھیک ۳ بجے مہاراجہ کی قیام گاہ پر پہونچا جہاں مہاراجہ کے ایڈی کانگ نے وفد کو ملاقات کے کمرے میں بٹھایا۔ اس کے فوراً بعد مہاراجہ ہری سنگھ اور پرائم منسٹر کمرے میں داخل ہوئے وفد نے تعظیماً کھڑے ہو کر سلام کیا۔ پرائم منسٹر ہری کرشن کول نے وفد سے مخاطب ہو کر کہا۔ کہ "آپ میں سے جس صاحب کو کچھ عرض کرنا ہو عرض کرے۔ وفد حسب ذیل ارکان پر مشتمل تھا۔ چودھری غلام عباس خان سید محمد امین شاہ سجادہ نشین، مستری یعقوب علی اور شیخ محمد امین۔

مہاراجہ ہری سنگھ کے ساتھ اس ملاقات کو بعد میں کشمیر کمیٹی کی وساطت سے ہندوستان کے تمام انصاف پسند اخباروں میں مشتہر کیا گیا۔ اس ملاقات میں خصوصی طور پر ریاست کے لوگوں پر جاری ظلم و ستم کی داستان کی نقاب کشائی ہوتی ہے۔ جس کے شکنجے میں کس کر وہ کچلے جا رہے تھے۔

"حسب فیصلہ مستری یعقوب علی صاحب نے سلسلہ کلام شروع کرتے ہوئے مہاراجہ بہادر کو مخاطب کرتے ہوئے عرض کی "حضور والا میں اپنی اور اپنے ہمراہیوں کی طرف سے شکریہ ادا کرتا ہوں کہ حضور نے

---

[1] "الفضل" قادیان ۲۱ فروری ۱۹۳۲ء

[...]ی سے باریابی کی اجازت بخش کر اس بات کا موقعہ عنایت فرمایا [...]ی مسلم رعایا کی موجودہ بے چینی کے حالات حضور کے گوش گذار [...]گذاری کے بعد ہم حضور کو اس بات کا بھی یقین دلاتے ہیں کہ [...]ا کے مسلمان باوجود مصیبتوں کے جو ان پر وارد کی گئی ہیں حضور کے [...]رمانبردار ہیں۔ اور یہ بات سراسر غلط اور بے بنیاد ہے کہ ہم باغی [...] ہیں۔ ہماری سابقہ نسلی روایات اس بات پر شاہد ہیں کہ ہم نے [...] قیام اور وسعت میں جو خدمات کی ہیں غیر مسلم ریاستی باشندے [...]ی نسبت نہیں رکھتے۔

[...]ں کی تشویش کے اسباب

[...]م اب بھی اس بات کے خواہش مند ہیں کہ ریاست ہر طرح سے مہذب [...]کے دوش بدوش رہے۔ مگر ہمیں ریاست کے نظم و نسق میں کوئی حصہ [...]نے دیا جاتا ہے۔ اور ہمیشہ ہم کو حضور کے روبرو باغی اور شورش پسند [...]نے کی کوشش کی جاتی ہے۔ حالانکہ یہ وہی ہیں نے صرف چند ماہ قبل ہماری [...]ی کا یہ حال تھا کہ حضور جب شاہزادہ بلند اقبال کو ساتھ لے کر یورپ [...] تشریف لائے تو مسلم رعایا نے گداگروں تک نے بھی چراغاں کیا۔ [...]ف آوری کے وقت مسلم انجمنوں کی طرف سے کئی دروازے بنائے [...]ئے۔ اس سے ظاہر ہے کہ ہماری تشویش کے اسباب بعد میں پیدا [...]۔ اور ان میں دیہی ارکان حکومت کا غیر مساویانہ سلوک اور مذہبی

حلے ہیں۔ جن کا خلاصہ حسب ذیل ہے ــــــ

(۱) قرآن کریم کی توہین اور خطبہ کی بندش وغیرہ۔

(۲) مالیہ کی زیادتی

(۳) سیاسی لیڈروں کی بے وجہ گرفتاری۔

(۴) بے ضرورت تشدد۔

اس کے علاوہ بیسیوں باتیں ہیں جن کا تذکرہ اس سے قبل حضو… سامنے ہو چکا ہے۔ یہ گفتگو ختم ہونے کے بعد پرائم منسٹر نے فرمایا۔ "قرآن کریم کا معاملہ مجھ سے پہلے کا ہے۔"

یعقوب علی :- معاملہ اگرچہ جناب کی آمد سے پہلے کا ہے۔ مگر مسلما… صدمہ تازہ ہے۔ اس لئے توہین کرنے والوں کو سزا ملنی ضروری ہے۔

حد سے بڑھا ہوا مالیہ

پرائم منسٹر :- مالیہ میں مناسب تخفیف کر دی گئی ہے۔ اور یہ کا… کیونکہ مالیہ کی تجویز آج سے بہت قبل مسٹر لارنس نے کی ہوئی ہے۔ ا… بعد بھی کئی دفعہ اس کی نظرثانی ہو چکی ہے۔ اس لئے مالیہ مناسب…

یعقوب علی :- بے شک مسٹر لارنس نے سمہ ۲۶ بکرمی میں جو مال… کیا تھا وہ بہت مناسب تھا۔ مگر شاید حضور کو معلوم نہ ہو کہ جب کبھی… پر بندوبست کے ذریعہ نظرثانی ہوئی۔ تو اس میں زیادتی ہوتی گئی… اب لارنس کے تجویز کردہ مالیہ سے چار گنا زیادہ ہے۔ سرکار انگر…

…سے ریاست کا جو علاقہ ملحق ہے۔ اس کے مالیہ کے اعداد و شمار پر غور …ئے۔ تو ریاست کا مالیہ چار گنا زیادہ ہے۔ مالیہ کی زیادتی کے علاوہ گھاس …ھی موجود ہے۔ مگر پھر بھی گھوڑوں بھینسوں پر علیحدہ ٹیکس ہے۔ اور درختوں …ٹیکس ہے۔ اگر یہ سب ٹیکس مالیہ کے ساتھ شامل کئے جائیں تو زمیندار[1] …یں روٹی تک کھانے کے لئے نہیں رہتی اور سب پیداوار مالیہ وغیرہ کی …ت میں زمیندار (کسان) سے وصول کرلی جاتی ہے۔ اس لئے ضرورت …حضور از راہِ عنایتِ شاہانہ زمیندار کے حال پر رحم فرمائیں۔ اور کچھ زیادہ …ف مالیہ میں کرنے کا ارشاد فرمائیں۔

…ئم منسٹر :- اول تو مالیہ مناسب ہے۔ دوسرے گلانسی تحقیقات کر رہا …سرے زمینداروں کو چاہیئے کہ مالیہ ادا کریں۔ بعد میں واپس کر دیا …ئے گا۔

…قوب علی :- مالیہ بہت زیادہ ہے جیسا کہ میں اعداد و شمار سے ثابت کرتا … مثلاً اگر سرکارِ انگریزی میں دو آنے فی کنال مالیہ ہے۔ تو ریاست …۱۲ آنے کے قریب ہے۔ پھر بھی رعایا میں سے جن کے پاس مالیہ موجود … تو مناسب مالیہ ادا کرنے کے لئے تیار ہیں۔ مگر جن کے پاس کچھ بھی نہیں …ل سے ادا کریں۔ خصوصاً جو طریق جبریہ مالیہ کی وصولی کا آپ کی حکومت …وں نے شروع کر رکھا ہے کہ رات کے وقت گاؤں میں جا کر مکان بند … اور گھروں کے اندر گھس کر لوگوں کو بے عزت کرنا اور اُن کے مال مویشی

[1] …است میں کسان کیلئے زمیندار کا لفظ بھی استعمال ہوتا ہے۔ رشید تاثیر

اور زیورات چھین لینا۔ ایسا معیوب طریق اس بیسویں صدی میں مہذب
کے لئے بہت غیر موزوں ہے۔

پرائم منسٹر:۔ ہمارے سپاہی رات کے وقت نہیں گئے۔ بلکہ دن کو گئے
نمبرداروں کو بلا کر کہا کہ مالیہ ادا کرو۔ مگر وہ بھاگ گئے۔ اس کے بعد خود زمینداروں
نے زیور اُتار کر دے دئیے۔ اور مویشی بھی سپرد کر دئیے۔ کوئی زبردستی نہیں
گئی۔ زبردستی کرنے کی سب کہانی غلط ہے۔

یعقوب علی:۔ میری بات خود حضور کی زبانی ثابت ہو گی کہ رعایا بہت
پُر امن ہے۔ اور اگر رقم مالیہ موجود نہ ہو تو زیور تک اُتار دینے کو تیار ہے
بھی سپرد کر دیتی ہے پھر ایسی پُر امن رعایا پر آگ کی بارش کیوں برسائی
ہے۔ اور اسے باغی کیوں کہا جاتا ہے؟ معلوم ہوتا ہے کہ رعایا کی شورش کا
باعث جناب کے افسران کا کوئی غیر دانشمندانہ فعل ہے!

غلط رپورٹیں

پرائم منسٹر:۔ ہمارے پاس رپورٹیں آئی ہیں کہ اُنہوں نے بے دھڑک
لوٹ لئے۔ اس سے زیادہ غیر فرمانبردار رعایا اور کہاں ہو سکتی ہے؟ اور
دینے سے بھی انکار کرتی ہے۔

یعقوب علی:۔ کیا حضور نے ان رپورٹوں کی تصدیق فرمائی کہ جملہ
رپورٹیں دُرست ہیں۔ میرے خیال میں اکثر حصّہ غلط اور مذہبی تعصّب پر
مبنی ہوتا ہے۔ کیونکہ پہلی دفعہ جب میرپور کے ہندوؤں نے جموں کے ہندوؤں

اور اخبارات میں بھی شائع کرا دیا کہ ہم مارے گئے، جلائے گئے، تو
کے ہندوؤں نے بلا تحقیقات فوراً ایک میٹنگ کر کے ہنود اہل شہر
کو مسلمانوں کے خلاف اُبھارا اور مہاراجہ بہادر کے حضور بشکلِ ہجوم آ گئے۔
مہاراجہ بہادر کے امن میں مخل ہوئے۔ وہاں بہت شور مچایا۔ مگر بعد میں
سب غلط نکلا۔ اس سے قبل خاکسار نے جناب کو سری نگر میں لال
کے جموں کے لیکچروں کی طرف توجہ دلائی کہ وہ ہندوؤں کے مجمع کثیر
صرف مسلمانوں کے خلاف ہندوؤں کو بھڑکاتا ہے۔ بلکہ خاندانِ شاہی
پر الزام لگاتا ہے۔ لیکن جناب نے اس خبر کو مجھ سے سُن کر تعجب کا
اظہار فرمایا کہ ایسی بات کیوں کر ہو سکتی ہے۔ اور مجھے ابھی تک خبر نہیں۔
پھر جناب نے جموں ٹیلی فون کر کے خبر کی تصدیق فرمائی۔ اور میری رپورٹ
درست نکلی۔ لیکن جناب نے باوجود خبر دُرست ہونے کے کوئی کارروائی
نہ کی۔ اس چشم پوشی سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ قانون صرف مسلمانوں پر
استعمال کیا جاتا ہے۔ اور ہندو قانون سے مُستثنیٰ ہیں۔ چنانچہ اس
آزادی نے لال سنگھ وغیرہ کو جرأت دلائی اور اُنہوں نے ۲۷ نومبر کو
بیدردی کے ساتھ مسلمانوں کو قتل کیا۔

پرائم منسٹر:۔ آپ میرپور گئے۔ اور آگ لگا دی۔ لوگ میرے پاس
آئے اور مالیہ کی رقم مجھے دکھائی۔ مگر کہتے تھے کہ ہم کو ایسوسی ایشن نے منع
کیا ہے۔ اس لئے نہیں دیتے۔ لاٹھر بھی کہتا ہے کہ اُنہوں نے آگ لگائی ہے

مطلب پُرجوش تقاریر کیں ۔۔۔ رشید تاثیر

باقی رہی اطلاعات بعض جو ضروری ہوتی ہیں۔ وہ پہنچا دی جاتی ہیں۔ اور جو غیر ضروری ہوں وہ دفتر کے ذریعہ آتی ہیں۔

یعقوب علی:۔ یہ بات غلط ہے۔ بلکہ لاٹھر صاحب کے بنگلے پران کی موجودگی میں مولوی محمد یوسف اور کریم بخش صاحب کو بُلا کر کہا گیا کہ آپ امن کا وعظ کریں۔ اور مالیہ کے لئے لوگوں کو کہیں کہ اگر مالیہ موجود ہو تو دے دیں۔ سرکار وعدہ کرتی ہے کہ ہم زیادہ مالیہ واپس کر دیں گے۔ ہاں جن کے پاس مالیہ نہیں ہے وہ نہ ادا کریں۔ اسی طرح مسٹر لاٹھر کو کہا گیا کہ آپ اپنے سپاہیوں کو کہہ دیں کہ وہ ناجائز سختی نہ کریں۔ چنانچہ اس تحریک کا یہ اثر ہوا کہ کچھ مالیہ وصول ہونا شروع ہو گیا۔ لیکن حکومت کے آدمیوں نے نماز پڑھتے ہوئے مسلمانوں پر گولیاں برسائیں۔ سارا راجوری کا علاقہ مشتعل کر دیا۔ باقی رہیں اطلاعات ایسے اشتعال انگیز لیکچر دینے والے کی جن میں خاندان شاہی کے خلاف جھوٹے الزام لگائے گئے۔ ان کا انسداد از حد ضروری تھا۔ لیکن آپ کے محکمہ کے افسر نے اس لئے ضروری نہ سمجھا کہ ملزم ہندو تھا۔

مسلمان لیڈروں کی روش

پرائم منسٹر:۔ آج تک لیڈروں نے حکومت کی مخالفت کرنا اپنا فرض رکھا ہے۔ ورنہ جہاں لیڈر کا کام قوم کی رہنمائی کرنا ہے۔ وہاں حکومت سے ہمدردی بھی ہے۔ اور ملک کے اندر امن اور شانتی پیدا کرنا بھی ان

یعقوب علی:۔ ہم نے آج تک حکومت کے خلاف کبھی ایک قدم بھی نہیں اُٹھایا۔ صرف اپنی شکایات، ضروریات، معروضات حکومت کے سامنے پیش کیں لیکن حکومت کی طرف سے ہم کو ہمیشہ غیر مناسب جواب ملا۔

چودھری غلام عباس:۔ شیخ محمد عبداللہ وغیرہ کو آزاد کیا جائے۔ اور مالیہ کی تخفیف کی جائے۔ شیخ محمد عبداللہ کا اس وقت کوئی قصور نہ تھا۔ اس نے امن کا اشتہار بھی دے دیا تھا۔

مہاراجہ ہری سنگھ:۔ عبداللہ کو کئی دفعہ چھوڑا گیا ہے نتیجہ یہ نکلا کہ مسلمانوں نے حکومت کو کمزور سمجھا۔

پرائم منسٹر:۔ نرمی سے ناجائز فائدہ اُٹھایا گیا۔

عمالِ ریاست کی ریاست سے دشمنی

چودھری غلام عباس:۔ ہم ہمیشہ سے فرمانبردار ہیں۔ اور ہماری انتہائی کوشش ہے کہ ریاست میں امن رہے۔ لیکن مدبران ریاست جن کے ہاتھ میں حکومت کی باگ ڈور ہے۔ خود امن کے خواہاں نہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ عمالِ حکومت کو خود سرکار والا سے کوئی دیرینہ رنجش اور پرخاش ہے جس کا اب وہ بدلہ لے رہے ہیں۔ لیکن وہ وقت بہت قریب آ رہا ہے۔ جب حضور پر تمام حالات روشن ہو جائیں گے۔ اور حضور کو معلوم ہو جائے گا۔ عمالِ حکومت کا منشاء ریاست کو زیر و زبر کرنا ہے۔ کشمیر میں شیخ محمد عبداللہ کی گرفتاری کا مقصد محض یہ تھا کہ صوبہ جموں کی شورش۔ عمالِ حکومت کو کم

شروع ہو لی تھی۔ اور وہ یہ چاہتے تھے کہ تمام ریاست میں بیک وقت شور برپا ہو جائے۔ اور تمام حالات کو بے قابو بنا یا جائے۔ ورنہ وہاں موجودہ پُرامن حالات میں گرفتاریاں عمل میں لانا بے معنیٰ تھا۔

مہاراجہ ہری سنگھ:۔ (بات کاٹکر) اس سے بڑھ کر اور کیا فرمانبرداری ہو گی۔ جو ظہور میں آ رہی ہے۔

چودھری غلام عباس: حضور نے جس فساد کی طرف اشارہ فرمایا ہے ہمارا اس میں کوئی قصور نہیں۔ یہ سب کھیل ان لوگوں کا کھیلا ہوا ہے۔ جو ملک کے اندر امن نہیں چاہتے۔ اور یہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے ملک کے اندر بدامنی پیدا کرنا اپنی روزی کا سامان سمجھ رکھا ہے۔ اور وہی حکومت کے بدخواہ ہیں۔

یعقوب علی: حضور سے ہماری فرمان برداری چھپی ہوئی نہیں۔ ہم اُنہی کی اولاد ہیں۔ جنہوں نے پُشت پر توپیں اُٹھا کر پہاڑوں کی چوٹیوں پر پہنچائیں۔ اور دُشمن کو مغلوب کر کے ریاست کی وُسعت کی۔ اس جنگ سرحد میں اموات کی تعداد ملاحظہ فرمائی جائے۔ کس قدر ہندو کام آئے اور کس قدر مسلمان جان نثار کرتے ہوئے کام آئے۔ اب بھی حضور اگر کوئی امتحان لینا چاہیں۔ تو ہم ثابت قدم رہیں گے۔

غلط خبریں کس نے پھیلائیں!

پرائم منسٹر:۔ آپ بحث بند کریں۔ بات ختم کریں۔ آپ نے بدامنی پھیلا

دی ہے۔ غلط خبریں پھیلا کر سب انتظام خراب کر دیا ہے۔

یعقوب علی:۔ ہم تو غلط خبر دینا گُناہ سمجھتے ہیں۔ غلط خبریں تو خود ہندوؤں کے اخباروں نے پھیلائیں۔ جن کو سُن کر جموں کے کثیر ہندو جمع ہو گئے۔ اور مہاراجہ بہادر کے آرام میں مُخل ہوئے۔ مسلمانوں کے خلاف بھی قتل و غارت کی سفارش کرنے لگے۔ (وزیر صاحب نے ہندوؤں کے محل شاہی پر جمع ہونے کی بات سُن کر مہاراجہ بہادر کی طرف دیکھا۔ اور جب مہاراجہ بہادر نے جواب میں بات نہ کی تو ... دیا تو خاموش ہو رہے) پھر کہنے لگے۔ آپ ہی اس خبر کی تردید کر دیتے۔ آپ کا فرض تھا۔

یعقوب علی:۔ بے شک میرا فرض تھا۔ اور میں نے یہ فرض ادا بھی کیا مگر ان ہندو بھائیوں نے نہ مانا۔ مگر آپ یہ فرمائیں کیا پبلسٹی بورڈ کا فرض نہ تھا کہ وہ اس غلط خبر کی تردید اسی وقت کر کے شہر کے اندر بدامنی پیدا ہونے دیتا۔ وہ لوگ ہزاروں روپے تنخواہ کس بات کی لیتے ہیں؟

تشدد کی تحقیقات

پرائم منسٹر:۔ جب ذرا تشدد کیا جاتا ہے تو آپ شور مچاتے اور کہتے ہیں تشدد ہوتا ہے۔ اب لوٹ مار کرنے والے اشخاص کو کس طرح پکڑا جائے کوئی کہیں چلا گیا ہے۔ کوئی کدھر بھاگ گیا۔ ابھی آپ نے مالیہ کے بارے میں تشدد کی شکایت کی۔ حالانکہ سرکارِ انگریزی کے علاقہ میں رات کے وقت بھی ایسے حالات میں مالیہ وصول کر لیا جاتا ہے۔ اور سختی بھی کرتے ہیں۔

یعقوب علی:۔ آپ اس سختی میں گورنمنٹِ انگریزی سے ہم کو کیوں نسبت دیتے ہیں؟

پرائم منسٹر:۔ آپ مالیہ میں برطانوی علاقہ سے کیوں نسبت چاہتے ہیں۔ اور تشدد میں نہیں چاہتے؟

یعقوب علی:۔ مالیہ میں اس لئے نسبت چاہتے ہیں کہ مالیہ کا انحصار زمین کی پیداوار پر ہے۔ اور سختی کی نسبت اس لئے نہیں چاہتے کہ برطانوی ہند کی رعایا کی طرح ہم یہ نہیں کہتے کہ حکمران اپنی حکومت ہمیں دے دیں اور خود اس ملک سے نکل جائے۔ بلکہ اس کے برعکس ہم یہ چاہتے ہیں کہ ہمارا موجودہ حکمران خاندان ہم پر نسلاً بعد نسل حکومت کرے۔ لیکن ہمیں صرف اپنے ہم مذہبوں کی طرح مساوی عزت اور مساوی روٹی تقسیم کرے۔ اس لئے روٹی کے لئے سوال کرنے والوں پر گولیاں برسانا اور تشدد کرنا بے انصافی ہے۔ پس انگریزوں کو حق حاصل ہے کہ اپنی حکومت کی حفاظت کے لئے ہر ممکن طریق استعمال کریں۔ کیونکہ ان کی رعایا ان سے سلطنت چھیننے کی فکر میں ہیں۔ مگر ہم سلطنت نہیں چھینتے اس لئے ہم پر تشدد کرنا غیر منصفانہ ہے۔ اگر حضور امن کے متمنی ہوتے۔ تو جب ملٹری اور پولیس کی موجودگی میں شہر کی تمام مسلم دکانات بدمعاشوں نے لوٹ لی تھیں۔ اور اگر آپ اس وقت ان بدمعاشوں کو پکڑ کر عبرت ناک سزائیں دیتے۔ اور قاتلوں کو بھی سزا دلاتے تو بدمعاشوں اور ڈاکوؤں کے حوصلے نہ بڑھتے۔ لیکن اس کے برعکس جب لوٹ اور غارت گری کا مال مندر کے تالابوں سے نکلنا

شروع ہوا۔ تو حضور کے ایگزیکٹو افسران نے تالابوں کا پانی نکالنا بند کر دیا۔ اور ایسے مکانوں کو جن سے چوری اور لوٹ کا مال نکل رہا تھا، تالا لگا دیا جب اس جانب [illegible]فضل کی جانب جناب کی توجہ مبذول کرائی گئی۔ تو جناب نے بھی خاموشی اختیار [illegible] ہماری دلی تمنا ہے کہ ہم اس میں ہر ممکن امداد کرنے کے لئے تیار ہیں۔ تاکہ بدمعاش اور ڈاکو گرفتار کر لئے جائیں۔ اور انہیں قرار واقعی سزا دی جائے۔ ڈاکوؤں اور بدمعاشوں کو پکڑنا کوئی مشکل کام نہیں۔ البتہ محنت کی ضرورت [illegible] خواہ وہ جموں کے ہوں یا میرپور کے۔

پرائم منسٹر:۔ دیکھئے آپ بے تعلق باتیں کرتے ہیں۔ بھائی یہ معاملہ مڈلٹن [کے سپ]رد ہے۔ جو تحقیقات کر رہا ہے۔

یعقوب علی:۔ مڈلٹن کے سپرد صرف یہ ہے کہ وہ بتائے کہ متعلقہ آدمیوں نے منصبی کام کو صحیح انجام دیا، یا غفلت کی اور بس۔

پرائم منسٹر:۔ کچھ اور کہنا ہے تو فرمائیے۔

یعقوب علی:۔ حضور ہم بڑے ادب کے ساتھ عرض کرتے ہیں کہ ہم سب [illegible] قیام میں ہر جائز امداد کرنے کو حاضر ہیں۔ اور ہماری استدعا ہے کہ سیاسی [illegible] کئے جائیں۔ اور توہینِ مذہب کے مرتکب افراد کو سزا دی جائے نیز اپنی [illegible] الحال رعایا پر مالیہ میں تخفیف کریں۔

[illegible] ایجی ٹیشن کے نتیجہ میں ہری کرشن کول کو وزارت سے ہاتھ دھونا [illegible] وائسرائے کے اشارے پر مسٹر کالون کو قلمدانِ وزارت سونپ دیا گیا۔

غلط فہمی

فرقہ دارانہ فسادات کو آنچ دینے میں بُنیادی وجوہات میں یہ غلط فہمی خصوصی طور پر کار فرما نظر آتی ہے کہ عام مسلمانوں کے ناپختہ ذہنوں کو اس بات پر تیار کیا گیا۔ چونکہ حکومت پر ہندو قابض ہیں۔ اس لئے وہ ان کے دُشمن ہیں۔ اور ہندوؤں کو یہ باور کرایا گیا کہ مسلمانوں کو جو شکایات ہیں۔ اُن سے ہندوؤں کے مفادات خطرے میں پڑتے ہیں۔ یہ فسادات اسی غلط فہمی کا نتیجہ تھے۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ ان کے تعلقات زیادہ سے زیادہ کشیدہ ہوتے گئے۔ اور یہ تحریک جو صرف انسانی حقوق کی بحالی کے لئے جاری کی گئی تھی۔ ایک فرقہ دارانہ تحریک میں بدل گئی۔ حالانکہ مسلمانوں کا میمورنڈم اس بات کا واضح ثبوت تھا۔ مطالبات اور شکایات پر نگاہ ڈالنے سے بھی بخوبی واضح ہوتا ہے کہ تحریکِ انسانی حقوق کی بحالی اور غیر فرقہ دارانہ نوعیت کی ہے۔ تحریر و تقریر کی آزادی، انجمن سازی کی اجازت، اسمبلی کا قیام، ملکیت اراضی کی عطائیگی۔ اور دوسرے مطالبات کی منظوری سے غیر مسلم بھی برابر استفادہ کر سکتے ہیں۔ لیکن حکومت کے بعض مفاد پرست ایجنٹ سادہ لوح غیر مسلموں کو یہ کہہ کر گمراہ کرتے رہے کہ یہ تحریک تمہارے خلاف ہے۔ چنانچہ انہوں نے تحریک کی نسبت مختلف قسم کی غلط فہمیاں پیدا کر دیں۔ جس کے نتیجہ میں ریاست میں فرقہ وارانہ کشیدگی اور تعصب کی آگ بھڑک اُٹھی۔

ہم عصر اخبارات

تحریک حُریت کشمیر کے اس ابتدائی دور میں لاکھ مخالفت اور اختلاف کے باوجود ہندوستانی اخبارات اس حقیقت سے انکار نہ کر سکے کہ کشمیر میں بے اعتنائی کے سامان موجود ہیں۔ اس سلسلے میں چند ہمعصر اخبارات کے اقتباسات پیش کئے جاتے ہیں ـــــــ

"جب ہم ریاست کی سِول لِسٹ کو اُٹھا کر سرسری نظر سے دیکھتے ہیں تو ہمیں نظر آتا ہے کہ اس میں اصول فرقہ داری سے بکلّی چشم پوشی کی گئی ہے۔ جنرل برانچ سنیر ممبر، ممبر خارجہ، استقبالیہ ممبر، رکھ جات وحفاظت شکار، توشہ خانہ، بگھی خانہ، تحقیقاتِ سائنس، لائبریری، علم اشیأ قدیمہ، عجائب خانہ، جغرکان، محکمہ زراعت، محکمہ تعمیرات، محکمہ دھرم ارتھ، سڑکیں، انتظام جائداد ریاستی، محکمہ نہر اور سرکاری وکلاء میں مطلق کوئی مسلمان گزٹیڈ افسر نہیں۔ مہاراجہ صاحب بہادر کے ایڈی کانگوں اور حاضر باشوں کی تعداد ۱۶ سولہ ہے۔ لیکن مجھے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ ان میں ایک بھی مسلمان نہیں۔ فوجی اسسٹنٹ سرجنوں کی تعداد پانچ ہے۔ جن میں صرف ایک مسلمان ہے۔ اور محکمہ باربرداری میں چار افسروں میں تین مسلمان ہیں۔ باقی فوجی افسروں کی تعداد ۲۰۵ دوسو پانچ ہے۔ جن میں مسلمان صرف ۳۶ ہیں۔ جنگلات کے محکمہ میں ڈویژن افسروں کی تعداد ۲۷ ہیں۔ صرف ۲ دو مسلمان ہیں۔ اور

دیگر افسروں کی ۵۴ کی تعداد میں سے صرف ۱۲ مسلمان ہیں۔ محکمہ آبکاری اور پرمٹ میں صرف ایک مسلمان ہے باقی ہندو ہیں۔ اور محکمہ مال جیسے وسیع محکمہ میں جہاں صرف مسلمانوں کے ۲۷ نفر ہیں۔ اس کے مقابلے میں ہندوؤں کی تعداد ۱۱۲ نفر ہے۔ ڈاکٹروں کی تعداد ۲۸ ہے لیکن صرف ۲ مسلمان۔ محکمہ تعلیم کے ۱۷ انسپکٹران اور ہیڈ ماسٹران میں سے صرف ۳ مسلمان ہیں اور ہر دو کالجوں کے پروفیسروں کی تعداد ۳۳ میں صرف ۳ مسلمان ہیں۔ ریشم کے محکمہ میں گزٹیڈ افسروں کی تعداد ۴۵ ہیں۔ لیکن ان میں مسلمانوں کی تعداد ۴ سے زیادہ نہیں۔

[اخبار "سیاست" لاہور ۷، ۸ نومبر ۱۹۳۲ء]

"لندن ٹائمز" کا نامہ نگار رقم طراز ہے۔

"مسلمانوں کی مظلومیت پر کوئی شک نہیں ہے۔ اور اس کا باعث وہ سخت بے انصافیاں اور غیر عادلانہ امتیازات ہیں۔ جو کشمیر کے ۹۰ فیصدی سے اوپر اور جموں کے ۵۷ فیصدی مسلمانوں کی عظیم اکثریت کے ساتھ ہندوؤں کی نہایت قلیل اقلیت کے فوائد کے لئے روا رکھے گئے ہیں۔

[بحوالہ اسٹیٹس مین از اخبار "انقلاب" ۱۲ دسمبر ۱۹۳۱ء]

دہلی اور کلکتہ سے بیک وقت شائع ہونے والا غیر جانب دار انگریزی اخبار "اسٹیٹس مین" کشمیر کے حالات پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے۔

"مسلمانوں کے مطالبات بالکل درست، اُن کی شکایات بالکل بجا۔

اور اُن کا خلوص مسلمہ ہے۔ انہوں نے اپنے مطالبات جس صورت میں وضع کئے ہیں وہ صاف ظاہر کرتے ہیں کہ وہ اپنے حق سے زیادہ نہیں مانگتے۔ اور یہی سب سے بڑی دلیل ہے۔ اُن کے حق بجانب ہونے کی۔ ریاست کے انتظام کی خرابیاں اسی وجہ سے ہیں کہ مہاراجہ کے کابینہ میں مسلمانوں کی آواز اُٹھتی ہی نہیں اور اُن کی مظلومیت و شکایات کے متعلق کوئی شخص پوچھنے گچھنے والا ہی نہیں ہوتا مہاراجہ نے مسلمانوں کی تعلیمی و اقتصادی کمی کو دور کرنے کے لئے جہاں جدوجہد شروع کر دی ہے۔ وہاں اس کی بھی کوشش کریں کہ آئینی و دستوری حیثیت سے بھی مسلمانوں کے حقوق پامال نہ ہوں اور کابینہ میں قابل مسلمانوں کی نیابت ہو۔

[بحوالہ اسٹیٹس مین از "الامان" دہلی ۲۸ اکتوبر ۱۹۳۱ء]

انگریزی اخبار روزنامہ "ہندو" مدراس کشمیر کی اقتصادی بدحالی اور مسلمانوں کی پست ماندگی پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے۔

"مسلمانان کشمیر کے اکثر مطالبات دیگر ریاستوں کی مانند جائز اور شکایات بجا ہیں وہاں جہالت عام ہے۔ چاروں طرف افلاس اور ناداری کا دور دورہ ہے۔ حصول تعلیم اور اقتصادی ترقی کی سہولتیں محدود بلکہ مفقود ہیں۔ کشمیریوں کو سیاسی حقوق حاصل نہیں۔ حکومت میں ان کی فریاد کی کوئی شنوائی نہیں ہوتی۔ مسلمانوں کا ایک بڑا مطالبہ یہ ہے کہ انہیں ریاست کی اعلیٰ ملازمتوں میں کوئی حصہ نہیں دیا جاتا۔

ہندوؤں کو ہر جگہ غلبہ اور اکثریت حاصل ہے۔ یہ ایسی شکایات اور ایسے مطالبات ہیں جن میں کسی کو شک و شبہ ہو نہیں سکتا۔

[منقول از اخبار "انقلاب" ۱۲ مارچ ۱۹۳۲ء]

رسالہ "تیاگ بھومی" کے اداریہ کا اقتباس

"جب مسلمانوں کی طرف سے یہ مطالبہ کیا جاتا ہے کہ کشمیر کے نظام حکومت میں اصلاح کی جائے تو ہر ایک سمجھ دار اور اصلاح پسند کو ان کے اس مطالبہ کی تائید کرنی چاہیئے مگر ہم دیکھ رہے ہیں کہ ایسا ہو نہیں رہا بلکہ اُلٹا ان کی مخالفت کر کے مہاراجہ کشمیر کی حمایت کی جا رہی ہے۔

["تیاگ بھومی" اجمیر ۲۳ نومبر ۱۹۳۱ء]

سردار دیوان چند مفتو ۱۹ جولائی ۱۹۳۱ء کے ہفتہ روزہ "پارس" میں کشمیر کے حالات پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"یہ صحیح ہے کہ ریاست کے مسلمان کسی مپرسی کی حالت میں ہیں"

———— بلاشبہ کشمیری مسلمانوں کی حالت قابل رحم ہے وہ حکومت کے سامنے اپنے جائز مطالبات پیش کر کے انہیں منوانے کے ہر لحاظ سے حقدار ہیں۔

["پارس" ۱۶ نومبر ۱۹۳۱ء]

اخبار دیش بندھو لاہور رقم طراز ہے۔

"جہاں تک تعلیمی مسئلہ کا تعلق ہے۔ جاگیر چینینی میں صرف ایک پرائمری سکول گورنمنٹ جموں و کشمیر کی طرف سے قائم ہے۔ یہ سکول

کم از کم مڈل سکول تک ہونا ضروری ہے تاکہ رعایا چینینی تعلیم سے بے بہرہ نہ رہے۔ اس کے علاوہ گیارہ ہزار کی آبادی میں کوئی ہسپتال نہیں ہے۔ ہسپتال قائم کیا جانا چاہیئے۔

[اخبار "دیش بندھو" لاہور ۱۹ جولائی ۱۹۳۲ء]

"مسلمانان کشمیر کا یہ مطالبہ بہت حد تک وزن دار ہے کہ ریاست میں رعایا کے منتخب نمائندوں کی ایک اسمبلی قائم کی جائے۔ اور وزارت کو اسمبلی کے سامنے ذمہ دار بنایا جائے۔"

["ویر بھارت" ۲۳ اکتوبر ۱۹۳۱ء]

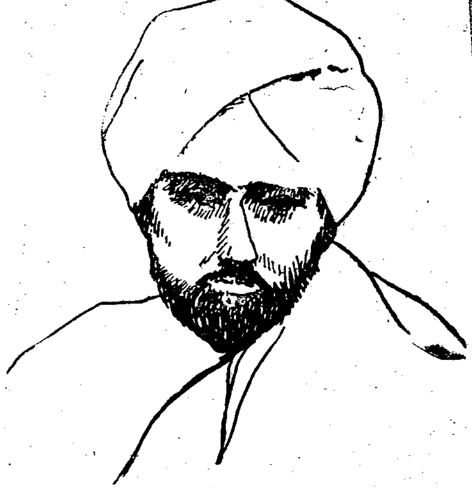
(۱۲)
گلانسی کمیشن

ان سخت اور بدترین حالات سے مجبور ہو کر مہاراجہ ہری سنگھ نے ۱۲ نومبر کو ایک اعلان جاری کیا جس میں واضع کیا گیا کہ مسلمانوں کی جانب سے جو یادداشت مہاراجہ کے سامنے پیش ہوئی ہے۔ اور اس میں جو مطالبات اور شکایات پیش کی گئی ہیں۔ ان کی تحقیقات کے لئے سر بی، جی گلانسی کی صدارت میں ایک کمیشن مقرر کیا گیا ہے۔ جس میں چار غیر سرکاری ارکان بھی شامل ہوں گے۔ ۲ مسلمان اور ۲ غیر مسلم۔ غیر سرکاری ارکان کی تشکیل یوں ہے۔

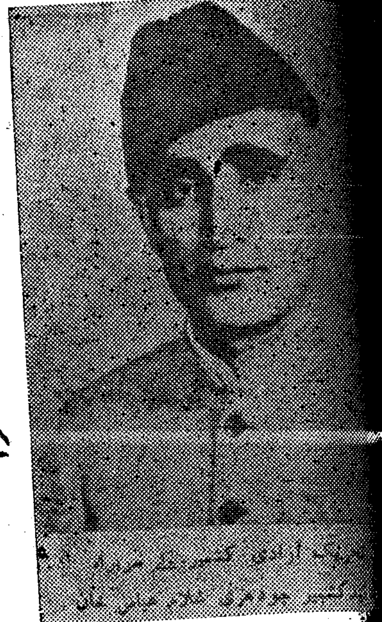
وادی کے مسلمانوں کی طرف سے خواجہ غلام احمد عشائی، کشمیری پنڈتوں کی طرف سے پنڈت پریم ناتھ بزاز۔ جموں کے مسلمانوں کی طرف سے چودھری غلام عباس خان اور ہندوؤں کی طرف سے لوک ناتھ شرما نمایندے چُنے گئے۔ اس سے مقصد یہ تھا کہ عام نوعیت کی شکایات جو مہاراجہ کے سامنے پیش کی گئی ہیں۔ یا کمیشن کے سامنے لائی جائیں گی اُن کی چھان بین کی جائے۔ نومبر ۱۹۳۱ء کے آخری ہفتہ میں کمیشن نے اپنا کام شروع کیا۔ اور شہر کے مختلف حصوں سے شکایات موصول ہونے کی تاریخیں مقرر کی گیئں۔

جیسا کہ اوپر ذکر آچکا ہے کہ ریاست میں مفتی ضیاالدین پونچھی کے جموں منتقل کرنے اور شیخ محمد عبداللہؒ کی گرفتاری سے جو ایجی ٹیشن شروع ہوئی۔ سنجیدہ طبقہ کا خیال ہے کہ ایجی ٹیشن کو وجود میں لانے کے لئے دانستہ طور پر ایسے حالات پیدا کئے گئے۔ اس کا بنیادی سبب یہ تھا کہ مسلمانوں کو گلانسی کمیشن کے سامنے اپنے مطالبات و شکایات کے سلسلے میں مواد پیش کرنے کا موقعہ میسر نہ آئے۔ اور وہ ایجی ٹیشن کے جانب لگ جائیں۔ ہوا بھی ایسا ہی مسلمانوں کے تمام ذی ہوش اشخاص اور نمائندے حراست میں لے لئے گئے۔ خواجہ غلام احمد عشائی اور چودھری غلام عباس خان کو مواد سپلائی کرنے اور امداد بہم پہنچانے کے لئے زندان کی تنگ و تاریک کوٹھریوں سے کو باہر رہنے نہ دیا گیا۔

دسمبر ۱۹۳۱ء میں جموں کے ہندوؤں نے اپنا نمایندہ اس بنا پر واپس بلایا کہ کمیشن ہندو حق وارثت کے قانون کو زیر بحث نہیں لا سکتا ہے۔ حالانکہ

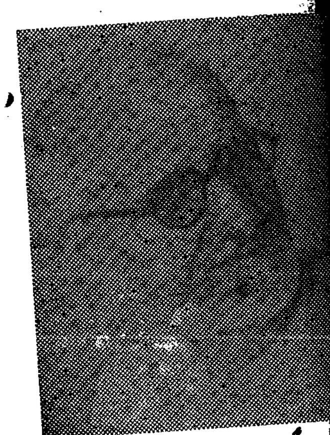


مولوی احمد اللہ ہمدانی





شری پریم ناتھ بزاز



...ار گوهر رحمان لودهی

کمیشن کے وجود میں آنے سے قبل اس قسم کی شکایات مہاراجہ کے سامنے پیش کی گئی تھیں۔ جس کا لازمی نتیجہ تھا کہ اس قسم کی شکایات بھی سنی جائیں۔ لوک ناتھ شرما کے الگ ہونے کے باوجود مہاراجہ ہری سنگھ کے کہنے پر کمیشن نے اپنا کام برابر جاری رکھا۔

انفرادی نوعیت کی جو بھی شکایت تھی۔ وہ متعلقہ ریاستی افسروں کے پاس بھیج دی گئی۔ اخبارات، جلسوں، جلوسوں، انجمنیں اور سبھائیں بنانے اس رپورٹ میں زیر بحث نہیں لائی گئیں۔ کیونکہ مہاراجہ نے اس قسم کی ہدایات جاری کئے تھے۔ البتہ اشارتاً کہیں کہیں اس کا رپورٹ میں تذکرہ کیا گیا۔

سکھوں نے درخواست کی تھی کہ اُن کی شکایتیں براہِ راست وزیر اعظم کے نوٹس میں لائی جائیں۔ ذیل میں گلانسی کیشن کے سامنے پیش کئے گئے شکایات اور مطالبات کا ایک مختصر سا خاکہ پیش کیا جاتا ہے۔

مذہبی شکایات

کمیشن کے سامنے مسلمانوں نے یہ شکایت کی کہ مہاراجہ ہری سنگھ نے حال ہی میں واضح احکامات جاری کئے ہیں کہ مذہبی تعمیرات اور جگہوں کو جو حکومت کی تحویل میں ہیں۔ فوراً واگذار کی جائیں۔ اور متعلقہ مذاہب کے پیروکاروں کو دی جائیں۔ مگر تاحال پتھر مسجد (جو کہ ایک حکم نامہ کے تحت مسلمانوں کو منتقل کی گئی تھی۔ پوری طرح مسلمانوں کے کنٹرول میں نہیں ہے) خانقاہِ سوختہ، خانقاہ بُلبُل شاہ، مسجد دارالشکوہ، مسجد اللہ شاہ گاندربل اور

زیارت مدین صاحب۔

عید گاہ گراؤنڈ مسلمانوں کی میراث ہے۔ اور ہر صورت میں مسلمانوں کی تحویل میں رہنا چاہیئے۔ مسلمانوں نے گنُدر بڈشاہ کی بھی مانگ کی۔ مگر کمیشن نے اس کا معائنہ کرکے اس کی خستہ حالی کو دیکھ کر اس کو خطرناک قرار دیتے ہوئے حکومت کی تحویل میں رہنے کی تجویز کی۔ جموں کے مسلمانوں نے خانقاہ صوفی شاہ اور لبوہو مسجد کی واگذاری کا مطالبہ کیا۔

کشمیری پنڈتوں اور بودھوں نے مانگ کی کہ بہت ساری ایسی تعمیرات ہیں جو کہ اُن کے کہنے کے مطابق کسی زمانے میں اُن کے مندر تھے۔ اب مسلمانوں نے انہیں اپنی عبادت گاہوں میں تبدیل کیا ہے۔ کمیشن نے اس مسئلہ پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ یہ لازمی امر ہے کہ اس قسم کے واقعات پیش آئے ہوں۔ مگر عملی سیاست کے دائرے کے اندر بھی یہ ناممکن ہے کہ ہم شنکر آچاریہ (تخت سلیمان) قلعہ ہاری پربت کو پنڈت فرقے کے حوالے کرنے کی سفارش کریں۔ یہ تعمیرات بہت پُرانی ہیں اور ان پہاڑوں پر بنائے ہوئے مندروں میں پنڈت فرقوں کو آنے جانے کی کھُلی اجازت ہے۔ یہ ناممکن ہے کہ ہم سفارش کریں کہ اس کے گرد و نواح تمام قبرستان اور مکانات وغیرہ کو منہدم کیا جائے۔

پنڈتوں نے آستانہ شاہ ہمدانؒ اور مہا کالی مندر جو شاہ ہمدانؒ کے گھاٹ پر واقعہ ہے۔ کمیشن کے سامنے شکایت کی کہ ہندو اور مسلمانوں کے درمیان متنازعہ ہے۔ پنڈتوں نے مطالبہ کیا کہ انہیں اس مندر پر چھت وغیرہ بنانے کی اجازت دی جائے اور مسلمانوں کے غسل خانہ کو وہاں سے کہیں

اور منتقل کیا جائے۔ کمیشن نے اس مسئلہ پر اپنی رائے ظاہر کرتے ہوئے کہا کہ آٹھ سال قبل ان دونوں فرقوں کے درمیان اس سلسلے میں مفاہمت ہوئی ہے لیکن کمیشن کو دستاویز مفاہمت کی کوئی کاپی دستیاب نہ ہوسکی۔ اس کے متعلق افسران صحیح طور پر چھان بین کریں۔ اور دستاویز کی شرائط کو عملی جامہ پہنائیں۔

کشمیری پنڈتوں نے اس بات کی بھی شکایت کی کہ کچھ ایسی مشترکہ عبادت گاہیں ہیں جہاں مسلمان ہمیں جانے سے روکتے ہیں۔ کمیشن نے اس کا جواب دیتے ہوئے کہا کہ یہ مسئلہ متعلقہ فرقوں کی نیک خواہشات پر چھوڑا جائے۔

پنڈتوں اور بودھوں نے سٹیٹ کے محکمہ آثار قدیمہ کو منسوخ کرنے کے فیصلہ پر اظہار ناراضگی کیا۔ مسٹر گلانسی نے حکومت کی ترجمانی کرتے ہوئے کہا کہ محکمہ کو دوبارہ وجود میں لانے کا مسئلہ حکومت کی توجہ کا مرکز بنا ہوا ہے لیکن موجودہ مالی مشکلات کے پیش نظر ایسا کرنا ناممکنات میں سے ہے۔

دیگر فرقوں میں فرنٹیر کے مسلمانوں، بودھوں اور لداخی عیسائیوں نے یہ شکایت پیش کی کہ انہیں عبادت گاہیں بنانے کے لئے زمین نہیں دی جاتی ہے۔ کمیشن نے اُن کی سفارش کرتے ہوئے کہا کہ انہیں یہ حق ہے کہ جہاں کہیں بھی زمین میسر ہو۔ اُن کو عبادت گاہیں تعمیر کرنے کے لئے فراہم کی جائے۔

اذان کی آزادی

جموں کے مسلمانوں نے یہ شکایت پیش کی کہ انہیں اذان دینے پر پابندی

عائد کی گئی ہے۔ اس شکایت کی چھان بین کرنے کے بعد معلوم ہوا کہ حکومت کی طرف سے ایسی کوئی ہدایت نہیں دی گئی ہے۔ البتہ جموں کے گاؤں میں جہاں دیگر مذاہب کی اکثریت ہے۔ لوگ اذان دینے پر اعتراض کرتے ہیں۔ مسٹر گلانسی نے مہاراجہ ہری سنگھ کی ترجمانی کرتے ہوئے کہا کہ اس قسم کی مداخلت مہاراجہ کے حکم کے خلاف ہے اور ایسی حرکت کرنے والوں کو سختی سے دبایا جائے۔

آزادیٔ تبدیلِ مذہب

کمیشن کے سامنے مسلمانوں نے یہ شکایت بھی پیش کی کہ جو کوئی بھی مذہب تبدیل کرنا چاہتا ہے خصوصی طور پر اگر کوئی دینِ اسلام کو قبول کرنا چاہتا ہے۔ اس پر طرح طرح کے مظالم ڈھائے جاتے ہیں۔ اور سرکاری ملازم خصوصی طور پولیس کے افسر اس کا قافیہ تنگ کرتے ہیں۔ کمیشن نے اپنی رپورٹ میں اس قسم کے الزامات کو غلط قرار دیتے ہوئے کہا کہ اس قسم کی حرکات مہاراجہ کے احکامات کے تحت سختی سے دبا دینی چاہئیں۔

تبدیلیٔ مذہب کی بنا پر وراثت سے محرومی

اس مسئلہ پر رائے زنی کرتے ہوئے کمیشن نے کہا کہ یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جس پر زبردست تضاد پایا جاتا ہے۔ صوبہ کشمیر میں جموں کی نسبت تبدیلیٔ مذہب بہت ہوا ہے۔ اس مسئلہ کے تحت جائداد متنازعہ بہت کم ہے۔ اگرچہ

صحیح اطلاعات ہمارے پاس بہت کم آئی ہیں۔ لیکن تھوڑا ہی عرصہ ہوا ہے کہ یہ مسئلہ اُبھر آیا ہے۔ اور اُس پر کیوں دباؤ ڈالا جا رہا ہے۔ اُس کو بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔ کمیشن نے اس مسئلہ پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ تبدیلِ مذہب کے بعد جو شخص اپنے میراث سے محروم کیا جاتا ہے۔ یہ دونوں فرقوں، ہندوؤں اور مسلمانوں کے مذہبی قوانین کے تحت عمل میں لایا جاتا ہے۔ مسلمانوں کا قانونِ شرع اس سے بھی سخت ہے۔ اُس کے تحت تبدیلِ مذہب کرنے والے کو سزائے موت بھی دی جا سکتی ہے۔ اس پر جموں کے مسلمانوں کی طرف سے یہ مطالبہ کیا گیا کہ ریاست میں ایسٹ انڈیا کمپنی کا قانون Cost Disabilities Removal Act 1850 نافذ کیا جائے۔ اس پر مسٹر گلانسی نے جواب دیتے ہوئے کہا کہ کمیشن کا کام یہ نہیں ہے کہ وہ ریاستی حکومت کو مشورہ دے کہ کون سا قانون لاگو کیا جائے۔ اور کون نہیں۔ کمیشن کا کام شکایتیں سننی ہیں۔ اور اُن کا حل تلاش کرنا ہے۔

توہینِ مذہب کی روک تھام

کمیشن نے اپنی رپورٹ میں کہا کہ یہ حقیقت ہے کہ وقتاً فوقتاً کچھ ایسے واقعات رونما ہوئے جن سے ایک فرقہ کے لوگوں نے اپنے کرتوتوں سے دوسرے فرقہ کے مذہبی جذبات کو ٹھیس پہنچائی ہے۔ کمیشن کا یہ کام نہیں ہے کہ ان واقعات کو زیر بحث لائے۔ حالانکہ اس قسم کی شکایات ہر فرقے کو ہیں۔ یہ شکایت کہ سرکاری ملازم خصوصی طور پر اس قسم کا برتاؤ کرتے ہیں

کی پوری چھان بین کی جائے اور مجرم ملازمین کو سخت سزا دی جائے حکومت کے لئے لازمی ہے کہ وہ اس قسم کے واقعات کو سختی سے دبائے۔ اس کے ساتھ ہی ہم تمام فرقوں کے لیڈروں سے اپیل کرتے ہیں کہ ایسے مواقع بہم نہ پہنچائے جائیں۔

تعلیم

کمیشن نے تعلیم کے بارے میں مسلمانوں کے اس دعوے کی حمایت کی کہ مسلمانوں کو صحیح نمایندگی نہیں دی جاتی ہے۔ اور اس شکایت کو درست تسلیم کیا کہ سولہ سال پہلے جب مسٹر شارپ ——— Mr. Sharp حکومت ہند کا تعلیمی مشیر ریاستی حکومت کی استدعا پر تعلیمی جائزہ لینے یہاں آئے اُن کی سفارشات کو عملی جامہ نہیں پہنایا گیا۔ مسلمانوں نے اس سلسلے میں کمیشن کے سامنے محکمہ تعلیم کے جو اعداد و شمار رکھے۔ اُن میں مسلمانوں کا تناسب حسب ذیل ہے:-

اُساتذہ	مسلم	غیر مسلم
ہیڈ ماسٹر گورنمنٹ مڈل سکول	۳	۴۹
ہیڈ ماسٹر گورنمنٹ ہائی سکول	۱	۱۵
پروفیسرز	۴	۳۲
ڈیمانسٹیٹرز	۱	۸
انسپکٹرس	۳	۱۴
گزیٹیڈ آفیسرز	۴	۱۷

کُل تعداد :- ۲۲۰۱

ان اعداد و شمار کو دیکھ کر کمیشن نے مندرجہ ذیل اقدامات روبہ عمل لانے کی سفارش کی ———

(۱) پرائمری سکولوں کی تعداد بڑھائی جائے۔
(۲) مسلمان اساتذہ اور طلباؤں کی تعداد بعد استاد بڑھادی جائے۔
(۳) مسلمان اور دوسرے فرقوں میں وظائف یکساں طور پر تقسیم کئے جائیں۔
(۴) ایک سپیشل مسلمان انسپکٹر کا تقرر عمل میں لایا جائے۔

سرکاری ملازمتیں

محکمہ تعلیم کے اعداد و شمار کے بعد ریاستی حکومت کے دوسرے محکموں پر ایک سرسری نظر ڈالنی لازمی ہے۔ اور دیکھنا یہ ہے کہ اُن میں مسلمانوں کو تناسب کے لحاظ سے کیا نمایندگی دی گئی تھی۔

الف :- ایگزیکٹو

	غیر مسلم	مسلم
پبلک ورکس	۱۸۳	۵۴
محکمہ بجلی	۴۷	۳
ٹیلیگراف و ٹیلیفون	۷۳	۷
کسٹم	۱۹۵	۱۴
ریونیو گرداور و پٹواری	۸۵	۹
ریونیو وزیر وزارت و تحصیل دار	۶۵	۲۲

	غیر مسلم	مسلم
ب:- کلرک		
فینانس	۳۶۸	۲۹
پبلک ورکس	۱۹۷	۳
جوڈیشل	۱۶۲	۲۱
ج:- مین میلز چپراسی وغیرہ	غیر مسلم	مسلم
پبلک ورکس	۱۲۰	۲۳
کسٹم	۳۱۴	۱۰۸
جنگلات	۷۸۴	۲۷۸
سٹیشنری	۱۶	۵

مسلمانوں کی طرف سے سوالات کی بوچھاڑ پر حکومت کی طرف سے یہ کہا گیا کہ مسلمان تعلیم یافتہ نہیں ہیں۔ اس پر مسلمانوں نے چند اور نکتے پیش کئے جو کہ قابل غور ہیں۔

الف:- باوجودیکہ مسلمانوں کو تعلیمی سہولتیں میسر نہیں ہیں پھر بھی ان پر آشوب حالات میں ۱۲ گریجویٹ اور ۲۳ میٹرک پاس ایسے ہیں جنہیں کوئی ملازمت نہیں ملتی ہے۔

ب:- آفس آف دی پبلک ورکس منسٹر اور گورنمنٹ پریس میں چند ایسے غیر مسلموں کو ملازمت دی گئی جو ان پڑھ ہیں۔

ج:- چپراسی وغیرہ قسم کی نوکری کے لئے (تعلیم یافتہ ہونا ضروری نہیں تھا) کم از کم مسلمانوں کو نمایندگی ملنی چاہیئے تھی۔

[مس]لمانوں کے ان دلایل کو کمیشن نظرانداز نہ کر سکا اور سفارش کی کہ ان حقایق کے [پیش] نظر آیندہ ملازمت میں بھرتی کے وقت ان باتوں کو ملحوظِ نظر رکھنا لازمی ہے
(۱) ملازمت میں بھرتی کرتے وقت بلاضرورت تعلیم کا معیار اونچا نہ کیا جائے
(۲) خالی جگہوں کو پُر کرنے کے لئے باضابطہ اشتہارات دئے جائیں۔
(۳) ملازمتوں میں بھرتی کرنے کے لئے ایک باقاعدہ طریقہ کار رائج کیا جائے۔

[م]لٹری سروس

ریاست کے تمام فرقوں کی طرف سے مشترکہ شکایت کی گئی کہ انہیں ملٹری [س]روس میں پوری نمایندگی نہیں دی جاتی ہے خصوصاً اہل کشمیر جنہیں بالکل [ہی] نظرانداز کیا گیا ہے۔ اس مطالبے میں کشمیری پنڈتوں کا نمائندہ بھی پیش [پی]ش رہا۔ مسٹر گلانسی نے اس مسئلہ کو سرے سے ہی یہ کہہ کر ہضم کر دیا کہ موجودہ [ت]شویش ناک حالات میں کمیشن اس مسئلہ پر غور کرنے کے لئے تیار نہیں۔

[ر]وشنی کی کرن

یہ تھے وہ چند مطالبات جنہیں فوری طور پر طے کرنے کے لئے مہم شروع [ہو]ئی تھی۔ اور ان مطالبات اور شکایات کا حل نہ کرنے کے بہانے اس تحریک [کو ف]رقہ دارانہ تحریک کہہ کر کچلنے کی پوری سعی لاحاصل کی گئی۔ مگر خراماں خراماں [اس]ی تحریک نے ریاست میں ایک ایسی فضا قائم کی جس کو دیکھ کر مہاتما گاندھی [جی]سے انسان دوست رہنما نے "روشنی کی کرن" سے تشبیہ دی اور ریاستی عوام کی

اسی جدوجہد نے ریاست جموں وکشمیر کو ڈوگرہ جاگیردارانہ نظام کے تسلط سے نجات دلایا۔ بہرکیف کمیشن نے ریاست میں بڑھتی ہوئی سیاسی اور اقتصادی بے چینی میں ٹھہراؤ پیدا کرنے کی غرض سے چند سفارشات کیں۔

کمیشن کی سفارشات

(۱) فرقہ وارانہ جذبات بھڑکانے سے ہر ممکن احتیاط برتنا چاہیئے۔ اور مہاراجہ ہری سنگھ کے نافذ کردہ احکامات کے تحت ہر فرقہ کو مکمل مذہبی آزادی دی جائے جہاں تک مذہبی تعمیرات کا تعلق ہے۔ کمیشن سفارش کرتا ہے۔ اُس کو اُن فرقوں میں واپس منتقل کیا جائے جن سے اُن کا تعلق ہے۔

(۲) تعلیم کے میدان میں زیادہ وُسعت دینی چاہیئے۔ مسلمان ٹیچروں کو زیادہ تعداد میں بھرتی کیا جائے۔ اور ایک مُسلم انسپکٹر کا فوری تقرر عمل میں لایا جائے۔

(۳) خالی آسامیوں کو پُر کرنے کے لئے پوری طرح مشتہر کرنا چاہیئے۔ اور ہر ایک فرقہ کو اُس کا جائز حق ملنا چاہیئے۔

(۴) مالکانہ جو سٹیٹ کو دیا جاتا ہے۔ اُس کو معاف کیا جائے، کمیشن یہ بھی محسوس کرتا ہے جہاں کہیں زمین کی وراثت سٹیٹ کو ہے۔ اب وقت آگیا ہے کہ اُس کو مالکوں میں منتقل کیا جائے۔

(۵) کاہ چرائی ٹیکس چند جگہوں پر معاف کیا جائے لیکن اس کو عام شکل نہ دیا جائے۔

(۶) تحصیل میرپور میں نئی زمین جو زیر کاشت لائی گئی ہے۔ اُس پر عاید

ں معاف کیا جائے۔

(۷) موجودہ حقِ موروثی زمینداروں میں جوکہ اس وقت رائج ہے اُسکو قرار رکھا جائے اور لک کے موقع پر جو مراعات زمینداروں کو دی گئی ہیں اُن پر پوری طرح عمل در آمد کیا جائے۔

(۸) مختلف محکمہ جات میں ہیڈ آف ڈیپارٹمنٹوں اور وزراء کو مزید اختیارات ے جانے چاہئیں تاکہ وہ اچھی طرح کام کر سکیں۔

(۹) ہزہائی نیس کے احکامات جوکہ کارِ سرکار کے متعلق جاری شدہ احکامات ہیں تی سے عمل در آمد کیا جائے۔

(۱۰) اس امر کا خصوصی طور پر خیال رکھا جائے کہ گاؤں میں [illegible] حق جنگل برابر ملنا چاہیئے۔

(۱۱) صنعتی میدان میں خصوصی توجہ دینے کی اشد ضرورت ہے۔ یہاں پر میوؤں ٹیکسٹائل صنعت خوب فروغ پا سکتی ہے۔ اس طرف خصوصی توجہ دینی چاہیئے کہ اس سے بے روزگاری کا مسئلہ بہت حد تک دُور ہو سکتا ہے۔

(۱۲) انفرادی محکمہ جات کے متعلق جو شکایات موصول ہوئی ہیں انہیں اعظم کے پاس بھیج دیا گیا ہے۔ تاکہ وہ متعلقہ محکمہ جات کے وزراء تک پہنچا دیں اس قسم کی شکایات پر غور کیا جائے۔

- بی جے گلانسی
- جی، اے عشائی
- پی، این بزاز
- غلام عباس

[جموں ۲۲ مارچ ۱۹۳۲ء]

کمیشن نے اپنی رپورٹ میں اس حقیقت کو تسلیم کیا کہ سرکاری ملازمتوں میں مسلمانو

کو جن کی آبادی میں بڑی اکثریت ہے ناکافی نمائندگی ہے۔ یہی حال چند ایک قلیل فرقوں کا بھی ہے۔ کمیشن نے اپنی رپورٹ میں سرکاری ملازمتوں میں مسلمانوں کی نمائندگی کا خاکہ یوں کھینچا ہے:-

	محکمہ	مسلمان	غیر مسلم
انتظامی	صیغہ تعمیرات سرکاری	۵۴	۱۸۳
	الیکٹرک اور میکنیکل	۲	۴۷
	ٹیلیگراف و ٹیلیفون	۷	۷۳
کسٹم	(اسسٹنٹ محالداران اور اس سے اوپر)	۱۴	۱۹۵
مال	(وزیران و تحصیلداران)	۲۲	۶۷
مال	(گرداوران و پٹواریان) میرپور	۳۱	۱۳۱
مال	(گرداوران و پٹواریان) ریاسی	۹	۸۵
دفتر	فینانس	۲۹	۳۶۸
	صیغہ تعمیرات	۳	۱۹۴
	عدالت	۲۱	۱۹۲
چپراسی	صیغہ تعمیرات	۲۳	۱۲۰
	کسٹم	۱۰۸	۳۱۴
	جنگلات	۲۷۸	۷۸۴
	چھاپ خانہ و سٹیشنری	۵	۶۶

کمیشن نے اپنی رپورٹ میں سفارش کی ہے کہ فرقہ کے امیدواروں کو سرکاری

[ملاز]متوں میں موزون موقعہ دینے کے لئے مندرجہ ذیل امور پوری توجہ [کے م]حتاج ہیں۔

(۱) کم سے کم قابلیت کا معیار غیر ضروری طور پر اونچا نہیں قائم کرنا چاہیئے
(۲) تمام خالی آسامیاں مؤثر طریقہ پر مشتہر ہونی چاہئیں۔ اور یہی عمل اُن [و]ظیفوں کے بارے میں بھی زیر کار لانا چاہیئے۔ جو سرکاری ملازمتوں میں مقرر [ہو]نے کے قابل بنا دینے کیلئے دیے جائیں۔
(۳) بھرتی کا ایک ضابطہ پیدا کرنے کے لئے مؤثر ذرائع اختیار کرنے چاہیں [اور] اُس پر نگرانی کرنے کا دستور العمل اس طرح مقرر ہونا چاہیئے کہ تمام فرقوں کے جائز حقوق کی نگہداشت ہو۔

کمیشن نے اپنی رپورٹ میں سفارش کی ہے کہ سرکاری ملازمت [کے] بڑے شعبوں کی مختلف آسامیوں کے لئے جس تعلیمی معیار و قابلیت کی [ض]رورت ہے وہ حسب ذیل ہے ــــ

سکرٹریٹ اور تمام دفاتر میں کلرکوں کی اسامیاں

محرر اور ورنیکلر کلرک	مڈل پاس
دیگر کلرک	انٹرنس پاس
[اسسٹن]ٹ سیکرٹری اور اس سے بالاتر عہدے	گریجویٹ
پٹواری	خواندہ
گرداور	مڈل پاس
نائب تحصیل دار	انٹرنس پاس

تحصیل دار وبالاتر عہدہ داران	گریجویٹ
کسٹم اسسٹنٹ محالدار	مڈل پاس
اسسٹنٹ انسپکٹر	میٹرک پاس
ڈپٹی انسپکٹر وبالا عہدہ داران	گریجویٹ
جنگلات فارسٹ گارڈ	کسی خاص قابلیت کے معیار کی ضرورت نہیں
فارسٹر	مڈل پاس
رینجر	میٹرک پاس
اسسٹنٹ کنسرویٹر وبالا عہدہ داران	گریجویٹ
عدالت منصف وبالاتر عہدہ داران	گریجویٹ
جیل وارڈر	کسی خاص قابلیت کے معیار کی ضرورت نہیں
ملازمان چھاپ خانہ	مڈل پاس
پولیس کانسٹبل	کسی خاص قابلیت کے معیار کی ضرورت نہیں
ہیڈ کانسٹبل	مڈل پاس
اسسٹنٹ انسپکٹر اور اس سے بالا عہدے کیلئے	میٹرک پاس
اسسٹنٹ سپرنٹنڈنٹ اور اس سے بالا عہدے کیلئے	گریجویٹ
تعلیم اساتذہ پرائمری مدارس	مڈل پاس
تعلیم اسسٹنٹ انسپکٹر اور اس سے بالا عہدے کیلئے	گریجویٹ یا ایسی خاص معلمانہ [illegible]
ہیڈ ماسٹر، پروفیسر، ڈیمانسٹریٹر	گریجویٹ
دیگر تعلیمی ملازمین	جیسا کہ افسر محکمہ یا اس کے بالاتر عہدہ دار [illegible]

شفاخانہ	کمپونڈر اور ٹیکہ لگانے والے	مڈل پاس
ریشم خانہ	جونیئر اسسٹنٹ	میٹرک پاس
	سنیئر اسسٹنٹ وبالا عہدوں کیلئے	گریجویٹ
کوآپریٹو	سب انسپکٹر و انسپکٹر	میٹرک پاس
	اسسٹنٹ رجسٹرار اور بالا عہدوں کیلئے	گریجویٹ
شکارگاہ اور رکھ	واچر	کسی خاص قابلیت کے معیار کی ضرورت نہیں
	ڈپٹی جمعدار وجمعدار	مڈل پاس

احکامات

گلانسی کمیشن نے اپنی رپورٹ مہاراجہ کو پیش کی جس کے لئے مہاراجہ نے [illegible] ممبروں کا شکریہ ادا کیا اور مندرجہ ذیل احکامات جاری کئے۔

[illegible] مقامات وغیرہ کی واپسی

مذہبی تعمیرات جن کی سفارش گلانسی کمیشن نے کی ہے۔ اُن کو فوری طور [illegible] فرقوں کے حوالے کیا جائے۔ جموں وکشمیر کے گورنر ان احکامات کو عمل در آمد [illegible] کرانے کے ذمہ دار ہوں گے۔ آستانہ مدینہ صاحب اُس وقت متعلقہ مسلمان [illegible] فرقوں کے حوالے کیا جائے۔ جبکہ وہ متفقہ طور پر اپنی خواہشات کا اظہار کریں یہ [illegible] ہے کہ انجمن اسلامیہ شیعہ کی سفارش ساتھ ہو۔

عیدگاہ مسلمانوں کو اُس وقت حوالے کیا جائے جبکہ مسلمان فرقہ تحریری طور پر یہ مان لیں کہ دوسرے مذاہب کے ماننے والے بھی اس کو سیر و تفریح اور چرائی کیلئے استعمال کر سکتے ہیں۔ خانقاہ صوفی شاہ اور بوہو مسجد جموں اُس وقت مسلمانوں کو منتقل کی جائے جب یہ قابل عمل ہو سکے۔ خانقاہ شاہ ودنہ جموں مسلمانوں کے حوالے کی جائے۔

دوسرے مساجد اور مندروں کے متعلق مہاراجہ کے احکامات کے تحت عمل کیا جائے۔ اگر کہیں یہ دکھائی دے کہ کوئی بلڈنگ ناجائز طریقے سے دوسرے آدمی کو دی گئی ہے۔ تو اُس کو جائز آدمی کے حوالے کیا جائے۔

کشمیر کا گورنر، شاہ ہمدان اور مہا کالی سے متعلق جو تصفیہ ہوا ہے اُس کی رپورٹ مہاراجہ کو پیش کرے اور دکھلائے کہ اگر اسمیں کسی ترمیم کی ضرورت ہے تو پیش کرے۔ جہاں کہیں بھی اذان کے متعلق شکایت ہو۔ اُس کی تحقیقات کی جائے اور قصور وار کو زبردست سزا دی جائے۔

ہر ایک متعلقہ افسر پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ دیکھیں کسی کے مذہبی جذبات کو ٹھیس پہنچنے نہ پائے اور اُس کا سختی سے نوٹس لیا جائے چاہیئے کہ توہین کنندہ کسی بھی مذہب سے تعلق رکھتا ہو۔ ہائی کورٹ کو چاہیئے کہ وہ تمام ماتحت ججوں کو ہدایت دے کہ وہ اس قسم کے واقعات پر سخت سے سخت سزائیں دے۔ مہاراجہ اُمید رکھتا ہے کہ متعلقہ فرقوں کے لیڈران بھی ایک دوسرے کی خواہشات کا احترام کریں گے۔

تعلیم

محکمہ تعلیم کمیشن کی سفارشات کو عملی جامہ پہنانے کے لئے اپنی تجاویز پیش کرے۔ سرکاری ملازمت میں کم سے کم تعلیمی قابلیت کے مطابق کمیشن کی سفارشات منظور کی جاتی ہیں۔

مُلّاؤں یا عربی مُدرّسین کی تعداد میں اضافہ کرنے کے واسطے تدابیر اختیار کی جانی چاہئیں اور ملاؤں و دیہاتی مدارس میں پڑھانے والے تمام مدرّسین کی غیر ضروری تبدیلیوں سے احتراز کرنا چاہیئے۔

شکستہ تحریر اور کاغذات پٹواری کو پڑھنے کی تعلیم پرائمری مدارس کے نصاب کا جزو قرار دینی چاہیئے۔ محکمہ کو اس امر کا خیال رکھنا چاہیئے کہ دیہاتی مدارس میں جو تعلیم دی جائے وہ اس قسم کی ہونی چاہیئے کہ طالب علموں کو اپنے معمولی پیشہ کے واسطے تیار کر سکے۔ حکام مال کو چاہیئے کہ وہ اپنے اپنے واقعہ علاقہ جات میں پرائمری مدارس کے کام میں دلچسپی لیں اور ذیلداروں و نمبرداروں کو بھی ایسا کرنے کی حوصلہ افزائی کریں۔

گورنر صاحب جموں کو رپورٹ کرنی چاہیئے کہ آیا مقام موسومہ گنڈو کی چھاؤنی کو اسلامیہ ہائی سکول کی تعمیر کے واسطے زمین دئے جانے میں کوئی اعتراض تو نہیں ہے۔ اور اگر کوئی اعتراض ہو تو دوسری جگہ تجویز کرنی چاہیئے۔ اس امر کی احتیاط رکھنی چاہیئے کہ سکولوں اور کالجوں کی سائنس کی جماعتوں میں داخلہ کیلئے غیر جانبدارانہ طریقہ اختیار کیا جائے۔ "خاص اسلامی" "وظائف کی شرح" وظائف

قابلیت کی شرح کے برابر کردینی چاہیئے۔ اور کمیشن کی تجاویز دوبارہ معافی فیس وظائف یتیمی وغیرہ کو زیرِ عمل لانا چاہیئے۔ پرائمری سکولوں میں مدرسین کیلئے مڈل پاس کی سند کو کافی معیارِ قابلیت سمجھا جانا چاہیئے۔ اس سوال کا آیا سری نگر ٹیکنیکل انسٹی ٹیوٹ میں تبدیلیٔ نظام کی ضرورت ہے۔ فوری تحقیقات ہونی چاہیئے۔ سفارشات کمیشن دربارہ معلّمین گرل سکولز ذریعہ تعلیم و انتظامات پردہ پر عمل پیرا ہونا چاہیئے۔

مناسب مسلم ملازمین بطورِ مدرسین انسپکٹر و کلرک دفتر منسٹر صاحب صیغۂ تعلیم میں جس قدر جلد ممکن ہو اضافہ کرنا چاہیئے۔ ایک خاص انسپکٹر مسلم تعلیم کی ترقی کے واسطے مقرر کرنا چاہیئے اور اس انسپکٹر کو صوبجاتی انسپکٹروں سے جداگانہ کام کرنا چاہیئے۔ علومِ مشرقی کی تعلیم بہم رسانی جات و تعلیم در اضلاع سرحدی منظور کی جانی چاہیئے۔ سرحدی اضلاع میں وظائف کی عطائیگی کے واسطے مزید روپے جس قدر جلدی قابلِ عمل ہو منظور ہونا چاہیئے اور بودھی کتب نصاب جہاں کہیں لداخ میں ان کی ضرورت ہو بہم پہنچائی چاہئیں۔

مُلازمت

کمیشن کی تجویز دربارۂ کم سے کم معیارِ قابلیت جو مختلف درجہ جات کی اسامیوں کے واسطے تجویز کیا گیا ہے، منظور کی جاتی ہے۔ اس کے مطابق کارروائی کی جائے۔

خالی اسامیوں کو مشتہر کرنے کیلئے جس ضابطہ کی سفارش کمیشن نے کی ہے

اُس پر پُورا عمل ہونا چاہیئے اور منسٹر صاحبان و اعلیٰ افسران محکمہ جات یہ دیکھنے کے پابند ہوں گے کہ اس ضابطہ سے انحراف نہ ہونے پائے۔ سری نگر اور جموں میں ایسے اشتہارات عمارتِ سیکرٹیریٹ کی اور گزٹ میں اور دیگر عام مقامات میں چسپاں ہونے چاہئیں۔

سرکارِ والا مدار اُن سفارشاتِ کمیشن کو بھی جو انہوں نے دربارہ اختیارات تقرریات پیش کی ہیں منظور فرماتے ہیں۔ منسٹر صاحبان کو چاہیئے کہ وہ بلاتوقف اپنی سفارشات پیش کریں کہ کون کون سے ایسے اعلیٰ افسران محکمہ جات اُن کے ماتحت ہیں جن کو تمام نان گزیٹیڈ اسامیوں کو پُر کرنے کا اختیار دیا جائے۔ اور ایسے کون کون سے افسران ہیں جو ایک صد روپے ماہوار تنخواہ کی اسامیوں کو پُر کرنے کا اختیار رکھتے ہوں۔ محکمہ پبلک ورکس، کسٹم اور چھاپہ خانہ کی صورت میں اعلیٰ افسران محکمہ جات متعلقہ کا موجودہ غیر تسلی بخش صورت حالات کیلئے جواب طلب ہونا چاہیئے ——— اور اعلیٰ افسران محکمہ جات کو فہمائش ہونی چاہیئے کہ جو ضابطہ تقرریات اس پہلو میں یا کسی دیگر پہلو میں تجویز کیا گیا ہے اگر وہ اس پر عمل پیرا نہ ہوں گے۔ تو وہ اختیارات دربارۂ تقرریات جو اُن کو دیئے جا رہے ہیں۔ وہ اُن سے محروم کئے جائیں گے۔

مالیہ اراضی وغیرہ

سرکار والا اس سفارش کو منظور فرماتے ہیں کہ وصولی مالکانہ بحق سرکار تمام ریاست میں متروک کیا جائے۔ تابع اُن شرائط کے جو کمیشن نے تجویز کی ہیں نذرانہ کے متعلق منسٹر مال صاحب اپنی تجویز پیش کریں کہ کیا رقم وصول کی جانی چاہیئے

ایسی رقم تمام صورتوں میں واجبی ہونی چاہیئے۔ جن علاقہ جات میں حال میں بدامنی واقع ہوئی تھی جس قدر جلدی ممکن ہو رپورٹ پیش کی جائے۔ جس سے ظاہر ہو کہ کس حد تک اُن میں معمولی صورت حالات رُو پذیر ہو چکی ہے۔ اس بارے میں بھی اطلاع ملنی چاہیئے کہ ایسے ہر ایک علاقہ میں ابقایا مالیہ اراضی کس قدر ہے۔ جونہی کہ یہ اطمینان دلایا جا سکے کہ کسی انفرادی حصہ ریاست میں جہاں جہاں حال میں بدامنی واقع ہوئی تھی۔ تأسف کا معقول جذبہ ظاہر ہو رہا ہے۔ تو علاقہ کو معافی مالکانہ کی رعایت سے مستفیض ہونے کا فوری موقعہ دیا جائے گا۔ سرکار والا کمیشن کی اس اُمید سے پُورے طور پر شریک ہیں کہ وہ وقت دُور نہیں جبکہ تمام رقبہ جات جن میں بدامنی واقع ہوئی اُسی سلوک کے سزاوار ہو سکیں گے۔ جیسا کہ مابقی حصہ جات ریاست۔

کمیشن کی سفارش کے مطابق حکومت نے کاہچرائی کی تجویز منظور کی ہے۔ اور مطالبہ مستقل کاہچرائی فوراً اُن تحصیلات یعنی جموں، سانبہ، اکھنور، کھٹوعہ جسمیر گڈھ، میرپور اور بھمبر میں جن کا ذکر خاص طور پر اس بارے میں کمیشن نے کیا ہے ملتوی رکھا جائے۔ اور مشیرال یہ سفارش پیش کرے ——

(۱) تحصیلات مذکورہ صدر کے کن حصص میں اگر کوئی مستقل کاہچرائی ہو مستقل طور پر معاف نہیں ہونی چاہیئے۔

(۲) ریاست کے دیگر حصوں میں جہاں مطالبہ کاہچرائی اس وقت بہت شدید ہے۔ کیا آسائش بہم پہنچانی چاہیئے۔ علاوہ مستقل مطالبہ کاہچرائی کے جو رسوم چرائی صوبہ جموں میں دہاروں کے متعلق وصول کی جاتی ہے۔ وہ

بند ہونی چاہیئے۔ جبکہ ایسی زاید وصولی صوبہ کشمیر میں رائج نہیں۔ وصولی کاہچرائی کے اغراض کے واسطے صوبہ جات کی اندرونی حدود کی تشریح کرنے کے واسطے بھی کارروائی کی جانی چاہیئے۔ اور قصابوں اور دیگر اشخاص سے جبکہ وہ بکریاں اور بھیڑیں حدودِ میونسپلٹی میں ذبح کرنے کے واسطے لاتے ہیں۔ کوئی مطالبہ کاہچرائی نہیں ہونا چاہیئے۔ اس امر کی رپورٹ بھی ملنی چاہیئے کہ گلہ بانان کی مختلف جماعتوں سے کاہچرائی کے بارے میں امتیازی سلوک روا رکھنے کیلئے کوئی معقول وجہ ہے یا نہیں۔

میرپور تحصیل میں ابقایا نو توڑ جو اس وقت زیر التوا ہے۔ اُس کا اخراج کیا جائے۔ قواعد التوائی و مجرائی مالیہ پر ریاست بھر میں پُورے طور پر احتیاط سے عمل کرنا چاہیئے۔

اطلاع سرحد سے شکایات پہنچنے پر جو سفارشات کمیشن نے میعادِ ترمیم ازارخ غلہ جو نقدی مالیہ کی بجائے وصول کیا جاتا ہے۔ شرح سُود جو پیشگی غلہ پر وصول کی جاتی ہے۔ وہ منظور کی جاتی ہے۔ اور اُس پر عمل پیرا ہونا چاہیئے۔

اخروٹ کے درخت جو کاشتکاروں کے مقبوضہ اراضی میں واقعہ ہوں کاٹنے میں کوئی رکاوٹ نہ پیدا کی جائے اور نہ اُس کے کاٹنے کے بعد مالیہ وصول کیا جائے۔ درختانِ توت کاٹنے کے متعلق محکمہ ریشم خانہ سے اجازت حاصل کی جائے اور قابضانِ اراضی کو ترجیح دی جانی چاہیئے جن کے اراضی میں ایسے درخت ہوں۔ چنار کے درختوں کے کاٹنے کے لئے علاقہ کے تحصیلدار سے اجازت حاصل کی جا سکتی ہے۔ کمیشن نے جو دیگر خفیف سفارشات

درختوں کے بارے میں کی ہیں، وہ بھی منظور کی جاتی ہیں۔

جہاں تک چکوک اور جاگیرات کا تعلق ہے سرکار والا کمیشن کی رائے سے پورے طور پر متفق ہیں کہ راج تلک کے موقعہ پر جن مراعات کا اعلان کیا گیا تھا۔ اُن کے پورے عمل درآمد میں یا کسی دوسری تقریب پر کسی شخص کے حق میں تفویض اراضی کے باعث زمینداروں کے مفاد کو ضرر نہیں پہنچانا چاہیئے۔

قانون انتقال اراضی پنجاب کے مطابق بنانے کا جو کمیشن نے مشورہ دیا ہے۔ مشیر مال کو اُن کی پڑتال کر کے اپنی سفارشات پیش کرنی چاہیئے۔

رشوت ستانی

رشوت خوری کے سدباب کے واسطے ہر ممکن سعی کرنی چاہیئے۔ تمام افسران کو فہمائش کی جانی چاہیئے کہ ناجائز اخذ کے رواج کی اجازت نہیں دی جائیگی۔ اور جو شخص اس بارے میں قصوروار ثابت ہوگا۔ اُسے عبرتناک سزا دی جائیگی۔

کارِ سرکار

تمام افسران کو ہدایت کی جاتی ہے کہ جو خدمات "بے گار" عوام سے لیا جاتا ہے اُس کا پورا معاوضہ ادا کیا جائے۔ کسی حالت میں کوئی کام مفت نہ لیا جائے۔ افسرانِ بالا اپنے دورہ جات کے دوران میں اگر کسی ایسی شکایت کو سنیں گے تو اُس کی پوری تحقیقات کریں۔

جنگلات

اُن سفارشات پر جو بغرض ضبط کام تقسیم لکڑی بحق اہالیان دیہ پیش کی گئی ہیں، عمل کرنا چاہیئے۔ تمام افسرانِ جنگلات کو یہ دیکھنے میں دلچسپی لینی چاہیئے کہ جو مراعات زمینداروں کو حاصل ہیں اُن سے وہ پورے طور مستفید ہوں۔ کاشتکاروں کو ہر قسم کی سہولیات ملنی چاہیئے۔ اور جنگلاتی جانور کے شر سے ان کی فصلوں کو بچانے کے لئے ہر ممکن امداد بہم پہنچانی چاہیئے۔ اس سلسلے میں درخواست ہائے لائینس واسلحہ پر فوری اور ہمدردانہ توجہ دینی چاہیئے۔ رکھوں کی حدود پر توسیع کاشت کی غرض سے جو درخواستیں پیش ہوں۔ اُن پر بھی معقول غور ہونا چاہیئے۔

پرمٹ

منسٹر صاحب انچارج محکمہ کو بغیر درنگی کے رپورٹ کرنی چاہیئے کہ آیا کمیشن کی سفارشات پر پورا عمل پیرا ہونے میں انہیں کوئی اعتراض تو نہیں محکمہ کو ذہن نشین کرنا چاہیئے کہ ادائیگی محصول کے جملہ مطالبات فوراً پیش کئے جانے چاہیں اور جو ملازم سرکار کے اس حکم کی تعمیل سے قاصر رہے۔ اُس کے ساتھ سخت برتاؤ کیا جائے گا۔

دھرٹ

افسرانِ مقامی کو چاہیئے کہ جن جن قصبہ جات میں دھرٹ وصول کیا جاتا ہے وہاں کے باشندوں سے مشورہ لیا جائے کہ رقوم دھرٹ کن اغراض پر خرچ ہونا چاہیئے۔

پبلک ورکس

درستی رستہ جات کے لئے حسب گنجایش مالیات ایک باقاعدہ پروگرام مرتب کیا جانا چاہیئے۔ اور ایک نقشہ جیسا کہ کمیشن نے تجویز کیا ہے۔ متعلقہ منسٹر کو مندرجہ ذیل امور پر دوبارہ رپورٹ پیش کرنی چاہیئے۔

(۱) چرار شریف کے لئے مناسب بہم آب رسانی۔
(۲) تحصیل رنبیر سنگھ پورہ میں پانی مار کی رکاوٹ۔
(۳) دیہات واقعہ برلب چناب کی سیلاب سے حفاظت۔
(۴) مرمت پل ہائے واقعہ وزارت گلگت

ٹھیکہ جات کے بارے میں کمیشن کی سفارش ٹینڈر نوٹس اور منظوری ٹھیکہ جات کو مشتہر کرنے کے لئے گورنمنٹ گزٹ میں شائع کرنا چاہیئے۔

میونسپلٹی

شہر سری نگر کی ترقی کے لئے جیسا کہ مالیات اجازت دے اس غرض کے

...لئے رقم منظور کی جائیگی۔

...نعت و حرفت

پارچہ بافی کو ترقی دینی چاہیئے۔ میوہ دار درختوں کی بیماری موسومہ سین جوز ...یل کا مستعدی سے مقابلہ کرنا چاہیئے۔ محکمہ محال ابریشم کے بارہ میں بھی رپورٹ ...پیش کی جانی چاہیئے اور اس سوال پر کہ کشمیر میں اس محکمہ میں تبدیلی نظام کی ضرورت ...ہے بلاتاخیر غور ہونا چاہیئے۔

...ابندی ذبح جانور

قصابوں کی دکانیں صرف حسب ذیل چار دنوں پر بند رہیں گی۔ (۱) ام...
...ی (۲) جنم اشٹمی (۳) سالگرہ شری مہاراجہ بہادر (۴) سالگرہ یوراج جی بہادر
عید الضحیٰ و دیگر مواقع پر جبکہ ذبح گوسفند وغیرہ مذہبی فرائض کی ادائگی
...تعلق ضروری ہو کوئی فیس وصول نہیں کرنی چاہیئے۔

...ستعمالِ تالاب وغیرہ

استعمالِ عامہ کے تالاب، مقامات غسل یا آبنوشی کی جگہوں کو کسی نا... امتیاز کی اجازت نہیں دی جائے گی۔ تاوقتیکہ یہ ثابت نہ ہو کہ اُن پر ...الت غیرے مخصوص حق حاصل ہے۔

ہانجی، خوانچہ فروشان و مالکانِ باربرداری

سرکار کمیشن کی یہ سفارشات منظور کرتی ہے (۱) محصول گھاٹ و محصول کشتی کی وصولی کے واسطے یکجا انتظام کا اجرأ۔ (۲) مقامی باشندوں کو ادائیگی روڈ ٹول سے مستثنےٰ رکھنے کے واسطے نمبردار کی تصدیق کی قبولیت (۳) معافی فیس جو خیمہ جات لگانے کے واسطے بطور "کیمپنگ سائٹ ٹیکس" جو نشاط اور شالامار باغ میں داخلہ پر وصول کیا جاتا ہے۔

قانونِ مطبع

ایک ترمیم شدہ قانون مطبع کے اجرأ کا سوال بدیں غرض کہ ضابطہ مروجہ ریاست کو جہاں تک ممکن ہو۔ اس سلسلے میں قانون مروجہ علاقہ انگریزی کے مطابق بنایا جائے زیرِ غور حکومت سرکار۔ والا چلا آیا ہے۔ اور احکام جاری کئے جا رہے ہیں۔

حسب ارشاد سرکارِ والا مدار

دستخط ای۔ جے۔ ڈی۔ کالون

پرائم منسٹر جموں۔ ۱۰ اپریل سنہ ۱۹۳۲ء

گلانسی رپورٹ کے شائع ہوتے ہی مہاراجہ کے حکم سے سر گلانسی کی صدارت میں ریاست کے تمام فرقوں کے نمائندوں کی ایک کانفرنس طلب کی گئی۔ جس میں ریاست کی لیجسلیٹو اسمبلی کا ڈھانچہ مرتب کرنے کے لئے اُن کے خیالات سے واقفیت حاصل کی گئی۔

(۱۳)

کشمیری پنڈت

گلانسی کمیشن کی کارروائی شروع ہوتے ہی لوک ناتھ شرما نے علیحدگی اختیار کی تھی۔ کشمیری پنڈتوں نے کمیشن کے سامنے ایک سو اکتالیس (۱۴۱) صفحات پر اپنے مطالبات پیش کئے تھے۔ جن میں ایک مطالبہ یہ بھی تھا کہ درگاہ، خانقاہ معلی دراصل کالی [illegible] کا مندر ہے یہ پنڈتوں کو واپس ملنا چاہیئے۔ اس قسم کے مطالبات دہرانے میں پنڈت پریم ناتھ بزاز پیش پیش تھے۔ جب پنڈتوں کی طرف سے انہیں اپنا نمائندہ بنا کر بھیجا گیا۔ تو اپنی کمیونٹی کی توقعات کے خلاف ثابت ہوئے۔ اور [illegible] غلام احمد عشائی کے سامنے کامیاب نہ ہو سکے اُس پر پنڈت جاتی اُن سے [illegible] ہوئی۔ اور انہیں مستعفی ہونے کو کہا گیا۔ مگر پنڈت پریم ناتھ جی کو پنڈت جاتی [illegible] زیادہ اپنے ذاتی مفادات عزیز تھے۔ اُس نے استعفیٰ دینے سے صاف انکار [illegible] اور ایک سو اکتالیس (۱۴۱) صفحات پر پھیلے ہوئے ان مطالبات اور شکایات [illegible] اسے صرف ایک ہی مطالبہ معقول نظر آیا کہ کشمیری پنڈتوں کو عیدگاہ میں سیر [illegible] کی کھلی اجازت دی جائے۔ حالانکہ مسلمانوں کی طرف سے ایسی کوئی پابندی پہلے کبھی عائد کی گئی تھی۔ اور نہ آج ہے۔ کمیشن نے پنڈت بزاز کے اس مطالبہ

کو منظور کرنے کی سفارش کی۔ رپورٹ شائع ہوتے ہی کشمیری پنڈتوں نے اپنے
نمائندہ پنڈت پریم ناتھ بزاز پر مسلسل حملے شروع کئے اور اُس کا جینا دوبھر کر دیا
اس کے خلاف جلسے اور جلوس نکالے گئے۔ جن میں اُس کو ٹوڈی بچہ ہائے ہائے
کہہ کر پکارا گیا۔ جان بچانے کی خاطر اُس نے ہندو علاقہ سے اپنی سکونت آبی گزر
میں محمد سلطان کے مکان میں منتقل کی۔ جہاں سے بعد ازاں اُنہوں نے اخبار وِستا
جاری کیا۔

روٹی موومنٹ

گلانسی دستوری اصلاحات کمیشن کا تقرر اس داستان کی ایک نا
کرتی ہے۔ کمیشن کی رپورٹ میں اس بات پر خاص روشنی ڈالی گئی ہے کہ
بے اعتنائی کے اسباب واقعی ریاست جموں و کشمیر میں موجود ہیں۔ اس میں شک
نہیں کہ حکومت جموں و کشمیر مسلمانوں کے ساتھ سوتیلی ماں کا سا سلوک کر
ہے جس کو دُور کرنے کی اشد ضرورت ہے۔ گلانسی رپورٹ اُن لوگوں کے
مُنہ پر زبردست چپت تھی جو یہ پروپیگنڈا کر رہے تھے کہ ریاستی مسلمان
سے ہندو راجہ کے ساتھ ساتھ ہندو باشندوں کو بھی نیست و نابود کر
ہیں۔ اس پر طرہ یہ کہ کمیشن کی رپورٹ کو پنڈتوں نے اپنے لئے ایک
کُن رپورٹ تصور کیا اور کھلے عام مہاراجہ ہری سنگھ اور کمیشن سے نا
جتلانے لگے جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ وہ حکومت سے زیادہ کشمیری مسلما
کی دُشمنی پر کمربستہ ہوئے۔ روزانہ شیتل ناتھ میں خفیہ اور عام جلسے ہو

ے۔ جہاں تخریبی نعرہ بازی کا سہارا لیا جانے لگا۔ فرقہ وارانہ ذہن کی وجہ
ے اُن کے دلوں میں یہ احساس پیدا ہو چکا تھا کہ اگر پنڈتوں نے کوئی ایجی
ن کی تو اس سے "مہاراجہ بہادر" کے ہندو راج کو نقصان پہنچانے کا
ل ہے۔ اور ساتھ ہی وہ اپنی طاقت کا مظاہرہ بھی کرنا چاہتے تھے۔
دوران ہی خفیہ میٹنگوں میں یہ طے پایا کہ سکولوں اور کالجوں کے لڑکوں کے
ایک ایجی ٹیشن "روٹی موومنٹ" کے نام سے شروع کرائی جائے۔
چنانچہ اس ایجی ٹیشن میں سکولوں اور کالجوں کے لڑکے کسی جگہ بھی جمع
ں طرح نعرہ دیتے تھے۔ "بھائیو رے بھائیو" مجمع جواب دیتا تھا۔ کیون
نعرہ دینے والا کہتا تھا۔ "کیا چاہتے ہو؟" تو سب مل کر تین بار نعرہ لگاتے
ت "روٹی، روٹی، روٹی"۔ اس بے ڈھب ایجی ٹیشن کا کھوکھلا پن نعرے
اف ظاہر ہوتا ہے۔ پنڈت لڑکے بینڈ بینڈ ٹولیاں بنا کر عموماً سرکاری
ں میں جا کر کلرکوں سے قلم چھین لیتے تھے۔ جو اکثر کشمیری پنڈت ہی ہوتے
ے کاغذات پھینک دیتے تھے۔ اور پھر مل کر نعرہ لگاتے تھے
ٹی، روٹی" تقریباً دس دن تک ان کا یہ سلسلہ اسی طرح جاری رہا
ت خاموش تماشائی بن کر دیکھتی رہی۔ اس پر ایجی ٹیشن کو در پردہ
وں نے طلبا کو تشدد پر اُترنے کی ہدایت کی۔ یہ ہدایت پاتے ہی
ے طلباء کا ایک چھوٹا سا جلوس مہاراجہ ہری سنگھ کے خلاف
واچنکرال محلہ پہنچا اور جبراً دُکانداروں کو دُکانیں بند کروانے
کے مجسٹریٹ نے مداخلت کی۔ اور چند طلباء کو گرفتار کر لیا۔

جیالال کلم نے مہاراجہ ہری سنگھ سے شکایت کی جس پر مہاراجہ نے فوری
توجہ دی۔ اور مجسٹریٹ کے اقدام کو جائز قرار دیا۔ اس کے ساتھ ہی انسپکٹر
جنرل پولیس جو کہ ایک انگریز تھا کو حکم دیا کہ جہاں کہیں بھی اس قسم کا جلسہ
یا جلوس ہو۔ اُن لوگوں کو گرفتار کر لیا جائے۔ اور اُن کو بید زنی کی سزا دی
جائے۔ چناں چہ پنڈت طلباء کو بید زنی کی سزا دی گئی اور تازیانوں کا انچارج
پنڈت کشمیر ناتھ اے۔ ایس۔ پی کو مقرر کیا گیا۔ اس عمل کے ساتھ ہی یہ
ایجی ٹیشن دم توڑ چکی۔ اور پنڈت جیالال کلم، کشپ بندھو وغیرہ کو گرفتار کر کے
چھ چھ ۶ ماہ قید اور جرمانے کی سزا دی گئی۔

کشمیری پنڈتوں کی اس ایجی ٹیشن کے پس منظر میں انڈین کانگریس کے
رجعت پسندوں اور ہندو مہاسبھائیوں کی کھلی حمایت حاصل تھی۔ چنانچہ اخبار
"سول اینڈ ملٹری گزٹ" کے سیاسی نامہ نگار نے کشمیری پنڈتوں کی پیٹھ ٹھونکتے
ہوئے لکھا: "کہ کشمیر میں جو ایجی ٹیشن ہو رہی ہے۔ کانگرس اُس کی پشت پر
ہے" فرقہ پرستی کے اسی جذبہ کے تحت کانگریسی اخبار روزنامہ "ملاپ" لاہور نے
۱۰ مئی ۱۹۳۲ء کے شمارے میں کشمیری پنڈتوں کو انتباہ کرتے ہوئے
کیا ——

"کشمیری ہندو یاد رکھیں کہ اُن کی نجات ہندوستان کے تیس ۳۰ کروڑ
ہندوؤں سے الگ ہو جانے میں نہیں۔ بلکہ اُن سے ملے رہنے
میں ہے متحدہ رہنے سے فتح پاؤ گے۔ اور بچھڑ جانے سے مر جاؤ گے"

ہندو مہاسبھا نے گلانسی کمیشن کی ناکامی سفارشات کو عمل میں

...نے کے مقصد کے تحت ڈاکٹر مونجے کی قیادت میں ایک وفد کو مہاراجہ
...سنگھ سے گلانسی رپورٹ کی منسوخی پر فوری بات چیت کرنے کے لئے
...ی جانی۔ مگر اس موقعہ پر وزیر اعظم مسٹر کالون نے دانشمندی کا ثبوت
...ہوئے اس نئے فتنہ کو یہ کہہ کر ٹھکرا دیا کہ فی الحال ایسی ملاقات سے
...نتیج بر آمد ہونے کی کوئی اُمید نہیں۔

اس ایجی ٹیشن کے دوران کشمیری پنڈتوں نے تین ۳ مطالبات

۱۔ کاشت کیلئے اراضیات مفت دی جائیں۔
...صنعتی تعلیم حاصل کرنے کے لئے خاص وظیفے دیئے جائیں۔
...کارخانے اور دیگر کام جاری کرنے کے لئے روپے دے کر امداد کی

...سلسلے میں پنڈت رگھوناتھ ویشنوی ایڈووکیٹ کا یہ بیان بعید از
...ہوگا۔ جو اُن دنوں تھرڈ ائیر کا سٹوڈنٹ تھا۔ اور رگھوناتھ کھڑہ
...را جاتا تھا۔ رولٹی موومنٹ میں ایک ماہ کی جیل کاٹ چکا ہے۔
...میں بتایا کہ جیل سے رہا ہونے کے بعد ہمیں معلوم ہوا کہ
...ایجی ٹیشن مسلمانوں کے مقابلے پر جوڑ توڑ کی عملی کا کرشمہ تھا۔
...ر میں جیالال کلم، کشپ بندھو اور دوسرے پنڈت لیڈروں
...تھا۔ انہوں نے جاتی کے نام پر نوجوانوں کو بہکایا۔ میرے
...سی میدان میں کام کرنے کی چاہ پیدا ہو چکی تھی۔ میں سیاسی

داؤ و پیچ سے بالکل نا آشنا تھا۔ میں نے خلوصِ نیت سے اپنی محدود فکر و نظر کے مطابق یہی تصور کر لیا تھا کہ شاید روٹی ایجی ٹیشن واقعی عقلی اور جائز حقوق کو حاصل کرنے کی خاطر چلائی جا رہی ہے۔ اس طرح سے مجھے بھی اس میں حصہ لینے کے لئے پھانسا گیا۔ چناں چہ میری آواز اور کردار خلوص و نیک نیتی پر مبنی تھا۔ میرے ساتھ ستر ۷۰ دوسرے ساتھیوں نے جیل جانا منظور کیا۔ جیل سے رہائی کے بعد حقیقت کا پردہ چاک ہوا۔ اور مجھے یہ جان کر عبرت ہوئی کہ یہ سارا ڈراما دراصل مسلمانوں کی تحریک کو مسلنے کے لئے کھیلا گیا تھا۔ اور پس منظر میں پنڈت فرقے کے برسر اقتدار چند افراد کا ہاتھ تھا۔

ہندو مسلم کشیدگی

امن قائم ہوتے ہی مسلم نمائندگان نے مسلم کانفرنس کی تشکیل کیلئے تگ و دو شروع کی۔ ان دنوں شہر سری نگر میں مہاراجہ ہری سنگھ کی سالگرہ کے سلسلے میں صفائی کا ہفتہ منایا جا رہا تھا جس میں صفائی کی اہمیت اور غرض و غایت پر روشنی ڈالی جاتی تھی۔ اس سے کچھ عرصہ پہلے حکومت نے کرن سنگھ وظایف کو مختلف فرقوں کے طلبا میں تقسیم کیا تھا جس سے کشمیری پنڈت یہ سمجھنے لگے تھے کہ مہاراجہ نے مسلمانوں کو خوش کرنے کے لئے ان وظایف کو جاری کیا۔ اور پنڈتوں کو جان بوجھ کر نظر انداز کیا گیا ہے اور کچھ گلانسی کمیشن کی سفارشات سے ناراضگی نے انہیں بددل بنا دیا۔ بہر کیف اس اندرونی جلن اور کینہ کو کسی رنگ میں ظاہر ہونا تھا۔

صفائی ہفتہ کے سلسلے میں ۲۱ ستمبر کو اسلامیہ ہائی سکول کے طلباء کا جلوس نکلا۔ جلوس شہر کا گشت لگاتے ہوئے گنپت یار پہنچا جہاں چند شر پسندوں نے مسلمانوں کو اشتعال دلانے کیلئے سوچی سمجھی سازش کے تحت انہیں اپنی طرف متوجہ کر کے ایک قومی لیڈر کی تصویر پر تھوکنا شروع کیا۔ اور ساتھ ہی سکول کے ہیڈ ماسٹر پیرزادہ غلام رسول پر دھاوا بول دیا۔ اس طرح ہندو مسلم فساد کی داغ بیل پڑی۔ اور ملحق مکانوں سے جلوس میں شامل بچوں پر پتھراؤ کیا گیا۔ یہ سب کچھ ایک باضابطہ منصوبہ کے تحت کیا گیا۔ اسلامیہ ہائی سکول کے اساتذہ نے نہایت ہی ہوشیاری اور دانشمندی سے طلباء کے جلوس کو حبہ کدل پار کرا کے کنہ کدل کے راستے سے واپس لایا۔ اس موقعہ پر پنڈت جیا لال کلم نے حبہ کدل میں ہندوؤں کے ایک بڑے مجمع میں فرقہ وارانہ جذبات بھڑکانے کیلئے نفرت انگیز تقریر کی۔ جس نے جلتی آگ پر تیل کا کام کیا۔ ہندو جو پہلے ہی آمادہ پیکار تھے۔ مسلمانوں کے خون کے پیاسے بن گئے۔ مسلمانوں پر پے در پے حملے شروع ہوئے۔ جس کا جواب چند مسلمانوں نے حبہ کدل میں دیا۔ یہ خبر جنگل کی آگ کی طرح سارے شہر میں پھیل گئی۔ اب کیا تھا۔ ہندوؤں اور مسلمانوں نے جگہ جگہ دنگے سنبھالے۔ ایک بار پھر سری نگر کے کوچے و بازار انسانی لہو کی ارزانی کے نظارے بنے۔ انسانیت آنسو بہانے لگی اور شیطانی منصوبے مسکرا رہے تھے۔ ہر ہندو مسلمان محلے سے اور ہر مسلمان ہندو علاقے سے گزرنا اپنی موت کو دعوت دینے کے مترادف سمجھنے لگا۔ ۲۴ ستمبر کو مہاراجہ ہری سنگھ

کی سالگرہ تھی۔ شہر کے بدترین حالات کے پیش نظر سالگرہ کے متعلق تمام پروگرام منسوخ کئے گئے۔ پنڈت جیالال کلم کے مکان کا مسلمانوں نے محاصرہ کرلیا۔ اور بہت ممکن تھا کہ مسلمانوں کے ہاتھوں انہیں جسمانی تکلیف پہنچتی مگر عین موقع پر ایک ملٹری گاڑی جو خصوصی طور پر اُس کی حفاظت کے لئے بھیجی گئی تھی۔ اُن کو نکالنے میں کامیاب ہوئی۔ فسادات کی خبر سری نگر کے اطراف و کنار سے نکل کر دور دیہاتوں میں پھیلنے لگی۔ اور فرقہ وارانہ کشیدگی اپنا جال پھیلاتی گئی۔ چنانچہ اسلام آباد، بارہ مولہ، گاندربل، سوپور، شوپیان، پلوامہ، پانپور، ہندواڑہ غرض کوئی علاقہ ایسا باقی نہ رہا جہاں یہ وبا نہ پھیلی ہو۔

دریں اثناء سری نگر میں گوبند رام نامی ایک کشمیری پنڈت کی بچی جو قدرتی موت مر گئی تھی۔ مگر ڈر کے مارے تین دن تک اسی حالت میں گھر میں پڑی رہی، گرمی کی شدت کے باعث اُس کے سڑ جانے کا احتمال تھا کہ شیخ محمد عبداللہ تک یہ بات پہنچی۔ انہوں نے اُسے اپنی حفاظت میں کشتی کے ذریعہ شمشان بھومی تک پہنچایا۔ جب اس واقعہ کی اطلاع شرپسند ہندوؤں کو ملی تو اُن کی گردنیں شرم سے جھک گئیں۔ یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ پنڈت کشپ بندھو اس فرقہ وارانہ فساد میں خواجہ عمر بٹ مرحوم کی وجہ سے بال بال بچے۔

اس لڑائی میں زخمیوں کی کل تعداد ۱۴۵ تھی جن میں ۸۳ ہندو اور ۶۲ مسلمان تھے۔ ایک کشمیری پنڈت اور ایک مسلم خاتون شرپسندوں

کے ہاتھوں جان بحق ہوئے۔

۲۷ ستمبر کو مسلم نمائندگان کی طرف سے ہندو مسلم اتحاد کی اپیل شائع کی گئی جس پر ہندو زعماء نے لبیک کہا۔ اگلے دن دو بجے کے قریب دونوں فرقوں کے رہنماؤں نے گول باغ میں ایک جلسہ منعقد کیا جس میں فرقہ وارانہ بھائی چارے اور میل ملاپ کے موضوع پر زور دار تقریریں کی گئیں۔ امن کمیٹی وجود میں لائی گئی۔

امن کمیٹی کی اپیل سو فیصدی کامیاب رہی۔ کیونکہ کشمیری جو فطرتاً امن پسند واقع ہوئے ہیں، اس غیر متوقع خانہ جنگی سے تنگ آچکے تھے۔ ہالو ینگ ہسبنڈ کا جوں ہی اس نے اکابرین امن کمیٹی کا پمفلٹ امن قائم کرنے کی جدوجہد دیکھی۔ فوراً شیتل ناتھ چلا آیا۔ جہاں تک چند شرپسند سازشوں میں مصروف تھے۔ ینگ ہسبنڈ نے سے کہا کہ آپ لوگ تو یہاں امن کی پوجا کرنے لگے ہیں۔ اور وہاں انوں کی چند لاریاں آج کسی بھی وقت شیتل ناتھ کو آگ لگانے ہیں۔ اس خبر کو سنتے ہی ان کے حواس باختہ ہوگئے۔ اور بغیر مزید چھان بین کے یہ لوگ اپنے مورچوں پر واپس چلے گئے۔ ہی چار بجے کے قریب مسلمانوں سے بھری ہوئی لاریاں شیتل ناتھ کے سے گذرنے لگیں۔ جنہیں ان فتنہ پروروں نے روک کر ان پر یا۔ نتیجے کے طور پر پانچ مسلمان شہید کئے گئے۔ بعد میں واقعات چھان بین سے پتہ چلا کہ ان لاریوں میں سوار مسلمان وادی

کشمیر کے اُن مختلف دُور دراز علاقوں میں پیغامِ امن لئے جا رہے تھے۔ جہاں لوگ ابھی تک فرقہ وارانہ جنون کے شکار تھے۔ ان علاقوں میں ان کا جانا اس لئے ضروری قرار پایا تھا کہ اُس دور میں مُسلمان مُشکل سے پانچ فیصدی تعلیم یافتہ تھے۔ اس مُشکل پر قابو پانے کے لئے مُسلم اکابرین نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ شعوری طور سمجھدار مُسلمانوں کے مختلف وفدوں کو مختلف علاقوں میں بھیج کر قیامِ امن میں پہل کی جائے۔ مگر فرقہ پرست ہم وطنوں نے یہ آخری وار ایک سفید فام کے اشارے پر کیا۔

درحقیقت مُسلمان ابتدا سے ہی فرقہ وارانہ کشیدگی کو کسی قیمت پر بڑھاوا دینا نہیں چاہتے تھے۔ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ اس طرح نہ صرف ہندوؤں کو نقصان پہنچے گا بلکہ بذاتِ خود مُسلمان، جو گذشتہ تین سَو برسوں سے پستی اور ذلّت کے عمیق غاروں میں پڑے ہوئے ہیں، تباہ و برباد ہو جائیں گے۔ مُسلم اکابرین نے یہ فیصلہ کیا کہ ریاست جموں و کشمیر کے تمام فرقوں کے لئے ایک ایسا روشن مستقبل تعمیر کیا جائے۔ جس کے سایہ میں وہ ہمیشہ اپنے مفادات کے تحفظ کے لئے جدوجہد کر سکیں۔ ان حقائق کے پیشِ نظر انہوں نے ماحول کو خراب ہونے سے بچانے کے لئے انتہا کوشش کی جس میں وہ کامیاب ہوئے۔

۱۴

لو شمع ہوئی روشن!

اِک نئی صُبح کا فروغ و جمال
رات کے آنسوؤں میں رقصاں ہے

۴ رجون کو مُسلم نمایندگان، جو کہ مفتی ضیا الدین پونچھی کی جلاوطنی کے خلاف احتجاج کرنے پر گرفتار کر لئے گئے تھے، رہا کر دئے گئے۔ نوکرشاہی کے وفادار، اپنے مقصد میں بُری طرح ناکام ہو چکے تھے، مُسلم نمایندگان اور ذی ہوش ہندو رہنماؤں کے اثر و رسوخ نے ہندو مُسلم جھگڑے کو دفنایا۔ اس پر مُسلم نمایندگان نے ملک و ملّت کے وسیع مفادات کے پیشِ نظر ایک کمیٹی کا تقرر عمل میں لایا۔ جس نے مُسلمانوں کو منظم کرنے اور اُن کی سیاسی زندگی کو ہمیشہ کے لئے دوام بخشنے کے لئے آل جموں و کشمیر پولیٹکل کانفرنس کی بنیاد ڈالی۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ ریاستی مُسلمانوں کی اس

تنظیم بندی کے پس پردہ قادیانیوں کا زبردست ہاتھ رہا اور اُن کے ایما پر ہی مسلم پولیٹیکل کانفرنس کی منتخب کمیٹی بنائی گئی جس نے مسلم کانفرنس کے لئے دستورِ اساسی مرتب کیا۔ دستورِ اساسی کا پورا متن درج ذیل ہے :-

آئینِ اساسی آل جموں و کشمیر مسلم کانفرنس

(۱) اس انجمن کا نام آل جموں و کشمیر مسلم کانفرنس ہوگا اور اس کا صدر مقام سرینگر ہوگا۔

اغراض و مقاصد

(۲) آل جموں و کشمیر مسلم کانفرنس کے اغراض و مقاصد حسب ذیل ہوں گے :-

(الف) مسلمانانِ جموں و کشمیر کی تنظیم

(ب) اتحاد بین المسلمین قائم رکھنا اور مضبوط کرنا۔

(ج) مسلمانانِ جموں و کشمیر کے سیاسی حقوق کی حفاظت۔

(د) مسلمانانِ جموں و کشمیر کی اخلاقی، تعلیمی، معاشرتی، تمدنی و اقتصادی اصلاح و ترقی کے لئے جدوجہد کرنا۔

کانفرنس کی ہیئت ترکیبی

(۳) آل جموں و کشمیر مسلم کانفرنس کا نظام حسب ذیل ہوگا :-

(۱) آل جموں و کشمیر مسلم کانفرنس کے ممبران جو زیرِ دفعہ ۵ درج

رجسٹر ممبران ہوں۔

(۲) آل جموں و کشمیر مسلم کانفرنس کے ممبران جنرل کونسل جو زیرِ دفعہ ۱۲ قائم کی گئی ہو۔

(۳) آل جموں و کشمیر مسلم کانفرنس کی ورکنگ کمیٹی (مجلس عاملہ) زیرِ دفعہ (۱۴) منتخب کی جائے۔

(۴) صوبجاتی مسلم کانفرنس جو زیرِ دفعہ ۲۷ قائم اور آل جموں و کشمیر مسلم کانفرنس کے ساتھ ملحق ہو چکی ہو۔

(۵) وزارت "ضلع" کی مسلم کانفرنس جو زیرِ دفعہ ۲۸ قائم اور کانفرنس کے ساتھ ملحق ہو چکی ہو۔

(۶) تحصیل کی مسلم کانفرنس جو زیرِ دفعہ ۲۹ قائم اور اس کانفرنس کے ساتھ ملحق ہو چکی ہو۔

(۷) ذمہ دار انجمنیں، جن کا قیام و الحاق زیر دفعہ ۴۰ اس کانفرنس کے ساتھ ہوا ہو۔

(۸) ہر ایسی انجمن، جس کا الحاق زیر دفعہ ۴۱ اس کانفرنس سے ہو چکا ہو۔

کانفرنس کی ممبری

(۴) آل جموں و کشمیر مسلم کانفرنس کی ممبری کے اُمیدوار کو لازم ہے کہ

(الف) مسلمان ہونے کا مدعی اور ریاست جموں و کشمیر کا باشندہ ہو۔

(ب) بالغ ہو اور یا ایسا طالب علم نہ ہو جو کہ میٹرکولیشن یا سکول لیونگ سرٹیفکیٹ کا امتحان پاس نہ کر چکا ہو۔

آل جموں و کشمیر مسلم کانفرنس کی جنرل کونسل کسی اُمیدوار کو مندرجہ ۔۔۔ میں سے کسی ایک یا دونوں سے مستثنیٰ کر دینے کی مجاز ہوگی۔

(۵) اشخاصِ ذیل آل جموں و کشمیر مسلم کانفرنس کے ممبر ہوں گے :۔

(الف) جموں و کشمیر مسلم پولیٹیکل کانفرنس منعقدہ بمقام سرینگر بتاریخ ۱۴-۱۵-۱۶- اکتوبر ۱۹۳۲ء کے تمام ڈیلی گیٹ صاحبان۔

(ب) ہر ایک اُمیدوار جو چار آنہ چندہ سالانہ پیشگی ادا کرے، وہ کانفرنس ہذا کی متذکرہ بالا اغراض و قواعد پر پابند رہنے کا تحریری عہد کرے۔

(۶) ممبران کا سالانہ چندہ ہر سال ماہِ ستمبر کی آخری تاریخ پر بلا لحاظ اس امر کے کہ ان کا نام کس تاریخ کو درجِ رجسٹر ممبران ہوا، منقضی ہوگا۔ اور وہ ممبر، ممبر نہ رہے گا جب تک کہ وہ اپنی ممبری کو آیندہ سال کے چندہ کی ادائیگی کے ذریعہ تازہ نہ کرے!

عہدیداران

(۷) عہدے داران حسب ذیل ہوں گے :۔

پریزیڈنٹ :۔ وائس پریزیڈنٹ دس منتخب ہوں گے۔ سینئر وائس پریزیڈنٹ اس صوبہ کا ہوگا۔ جس سے پریزیڈنٹ منتخب نہ ہوا ہو۔ وائس پریزیڈنٹوں کا انتخاب حسب ذیل تقسیم ہوگا :۔

مظفر آباد (۱)۔ پونچھ (۱)۔ وزارت شمالی بارہ مولہ (۱)، وزارت جنوبی اسلام آباد (۱)، سرحداتِ کشمیر (۲)، وزارت جموں (۱)، وزارت میرپور (۱)، وزارتِ ریاسی (۱)، وزارتِ اودھم پور (۱)، جنرل سیکرٹری (۱)

سیکرٹریاں (۴)

(۸) کانفرنس کا صدر ہر سال اجلاسِ عام میں منتخب ہوگا اور وہ دوسرے سالانہ اجلاس تک اپنے عہدے پر فائز رہے گا۔

(۹) وائس پریزیڈنٹ، جنرل سیکرٹری، سیکرٹریاں، آل جموں و کشمیر مسلم کانفرنس کے سالانہ اجلاس میں منتخب ہوں گے اور اپنے عہدے پر انتخابِ آیندہ تک فائز رہیں گے۔

(۱۰) عہدے دارانِ متذکرہ بالا کا مکرر انتخاب بھی جائز ہوگا۔

(۱۱) کوئی شخص جب تک کہ وہ آل جموں و کشمیر مسلم کانفرنس کا ممبر نہ ہو، عہدے دار نہ ہو سکے گا۔

جنرل کونسل

(۱۲) آل جموں و کشمیر مسلم کانفرنس کی ایک جنرل کونسل مطابق قواعد مندرجہ ذیل قائم کی جائے گی۔

(الف) جنرل کونسل ایک سو ممبران پر مشتمل ہوگی اور یہ ممبران آل جموں و کشمیر مسلم کانفرنس کے ممبران میں سے منتخب ہوں گے اور وہ تابع شرائط ممبری کانفرنس ہذا انتخابِ جدید تک ممبر رہیں گے اور دوبارہ بھی منتخب ہو سکیں گے۔

(ب) کل تعداد ممبران جنرلِ کونسل کی تقسیم حسب ذیل ہوگی :۔
صوبہ جموں و پونچھ، صوبہ کشمیر بشمولِ سرحد :۔ تناسبِ آبادی کے حساب سے۔

صوبجاتی کانفرنس اپنی اندرونی تقسیم ممبرانِ جنرل کونسل خود کرے گی۔

(ج) جنرل کونسل کا ہر ممبر مبلغ تین روپیہ سالانہ چندہ تین مساوی اقساط میں ادا کرے گا۔ اگر جنرل کونسل کے کسی ممبر کا چندہ ایک سال سے زائد عرصہ کے لئے واجب الادا ہو۔ تو جنرل سیکرٹری ایسے ممبر کو نوٹس برائے ادائیگی بقایا چندہ دے گا۔ اگر ایسے نوٹس کے بعد ایک ماہ کے اندر اندر ممبر مذکور بقایا چندہ ادا نہ کرے تو بروئے ریزولیوشن جنرل کونسل اس کا نام ممبران سے خارج کیا جائے گا۔

(۱۳) آل جموں وکشمیر مسلم کانفرنس کے عہدے داران بلحاظِ عہدہ جنرل کونسل کے ممبران ہوں گے۔

ورکنگ کمیٹی

(۱۴) آل جموں وکشمیر مسلم کانفرنس کی جنرل کونسل اپنے سالانہ اجلاس میں ضروری امورِ اختیاری کانفرنس ہذا مندرجہ دفعہ ۲۸ کی انجام دہی کے لئے ۵ ممبران کی ایک ورکنگ کمیٹی منتخب کرے گی۔ جس میں جملہ عہدہ داران جنرل کونسل شامل ہوں گے۔

کانفرنس کے اجلاس

(۱۵) آل جموں وکشمیر مسلم کانفرنس کا سالانہ جلسہ اور کوئی اور جلسہ ایسے مقام اور وقت پر منعقد ہوگا جو جنرل کونسل

تجویز کرے۔

(۱۶) جنرل کونسل کوئی اور جلسہ بھی ایسے وقت اور مقام پر، جو وہ حسب اقتضائے رائے خود تجویز کرے، مدعو کر سکتی ہے۔ مگر شرط یہ ہے کہ ایسے اجلاس کی تجویز کانفرنس کے ۲۵ اور جنرل کونسل کے ۱۵ ممبران کی طرف سے جنرل سیکرٹری کے پاس بھیجی جائے۔

(۱۷) جنرل کونسل کے سالانہ جلسہ کے لئے ۵ ممبران کا کورم ہوگا۔

(۱۸) تمام ماتحت انجمنوں کے مندوبین بہ ادائے فیس مبلغ تین روپیہ کانفرنس کے سالانہ جلسوں میں شامل ہونے اور رائے دینے کے مستحق ہوں گے۔

(۱۹) ہر سالانہ جلسہ کے موقع پر پیش ہونے والی تجاویز کی دیکھ بھال اور منظوری کے لئے ایک کمیٹی مضامین اس طرح بنائی جائے گی کہ اس میں جنرل کونسل کے حاضر شدہ ممبران اور ایسے دیگر نمائندے جو خواہ جنرل کونسل کے ممبر نہ ہوں اور ہر ضلع کے ڈیلی گیٹوں میں سے ایسے اصحاب، جن کو کانفرنس منتخب کرے، شامل ہو سکیں۔

جنرل کونسل کے اجلاس

(۲۰) آل جموں وکشمیر مسلم کانفرنس کی جنرل کونسل کے اجلاس حسب ضرورت جنرل سیکرٹری بمنظوری پریزیڈنٹ بلا سکتا ہے اور

سال میں کم سے کم چار مرتبہ اجلاس ہونا چاہیئے۔

(۲۱) کانفرنس کی جنرل کونسل کے معمولی جلسہ کے لئے کورم کم ازکم تیس ممبران کا ہوگا۔ اور ایسے اجلاس میں پیش ہونے والے تمام معاملات کثرتِ رائے سے تصفیہ پائیں گے۔ مگر ملتوی شدہ جلسہ کی نسبت کورم کے قاعدہ کا اطلاق نہ ہوگا۔

(۲۲) جنرل کونسل کے ممبران کی تحریری رائیں، جنرل کونسل کے تمام جلسوں میں بطورِ ووٹ شمار ہوں گی۔

ورکنگ کمیٹی کے اجلاس

(۲۳) ورکنگ کمیٹی کا جلسہ ہر ماہ کم ازکم ایک بار منعقد ہوگا۔

(۲۴) ورکنگ کمیٹی کے جلسہ کا کم ازکم ۱۵ ممبران کا کورم ہوگا۔

(۲۵) ورکنگ کمیٹی تمام تجاویز تابع منظوری کونسل، منظور کرے گی۔

جنرل کونسل کے فرائض

(۲۶) جنرل کونسل حسب ذیل امور انجام دے گی:۔

(الف) دفعہ ۱۴ کے مطابق ورکنگ کمیٹی کا انتخاب کرنا۔

(ب) دفعہ ۵ کے مطابق کانفرنس کے ممبران کا انتخاب کرنا۔

(ج) دفعہ ۱۵ اور ۱۶ کے مطابق جموں و کشمیر مسلم کانفرنس کے اجلاس منعقد کرنا۔

(د) کانفرنس کے سالانہ جلسہ کے لئے پریزیڈنٹ انتخاب کرنا اور بغرض منظوری اجلاسِ عام میں پیش کرنا۔

(ہ) کانفرنس کے اغراض و مقاصد کے متعلق تمام ضروری اور مفید اطلاعات کانفرنس کو بہم پہنچانا۔

(و) کانفرنس کے اغراض و مقاصد کے متعلق اُن تمام معاملات کی نسبت جو کہ وقتاً فوقتاً درپیش ہوں، تجاویز پر غور کرنا اور اُن کو منظور کرنا۔

(ز) آل جموں و کشمیر مسلم کانفرنس یا جنرل کونسل کے کسی جلسہ کی منظور شدہ تجاویز پر عمل درآمد کرنے کے لئے عام ضروری کارروائی کرنا۔

(ح) کانفرنس کے سرمایہ کے تصرف میں ضبط و انتظام کو قائم رکھنا۔

(ط) اپنے فرائض کی انجام دہی و اختیارات کے استعمال کے لئے سب کمیٹیوں کا مقرر کرنا۔

(ی) قواعد کے تحت انجمنوں اور شاخوں کا الحاق کرنا، یا ان کے الحاق کو منسوخ کرنا۔

(ک) مندرجہ ذیل امور کے متعلق بائیلاز کا مرتب کرنا ___

(۱) کانفرنس کی جنرل کونسل اور کانفرنس کے جلسوں کے انعقاد کا انتظام۔

(۲) ضمن ط کے ماتحت مقرر شدہ سب کمیٹیوں کی کارروائی پر غور کرکے فیصلہ کرنا۔

(۳) قواعد کے تحت آل جموں و کشمیر مسلم کانفرنس سے الحاق شدہ

انجمنوں وشاخوں اور کانفرنس کے تمام باہمی معاملات کا اہتمام و انصرام

(۴) ایسے دیگر امور، جن کے لئے بائیلاز کا مرتب کرنا جنرل کونسل کی رائے میں ضروری ہو، مگر کوئی ایسا بائیلاز وضع کرنا، جو کہ اصول مندرجہ آئین ہذا کے نقیض ہو، جائز نہ ہوگا۔

(۲۷) جنرل کونسل مجاز ہوگی کہ وہ آل جموں وکشمیر مسلم کانفرنس کے جنرل سیکرٹری کو اپنے اختیارات سے کوئی ایک یا ایک سے زیادہ اختیارات تابع اُن قیود و شرائط کے، جو جنرل کونسل عائد کرنا مناسب خیال کرے، تفویض کر دے۔

ورکنگ کمیٹی کے فرائض

(۲۸) ورکنگ کمیٹی (مجلسِ عاملہ) مندرجہ ذیل امور انجام دے گی:۔

(الف) تمام معاملات سے متعلق اغراض و مقاصدِ کانفرنس جو وقتاً فوقتاً در پیش ہوں اور کانفرنس کی پالیسی یا اغراض کے نقیض یا مخالف نہ ہوں، اُن پر غور کرنا اور تجاویزِ متعلقہ کو منظور کرنا۔

(ب) اُن تجاویز کو، جو کانفرنس یا جنرل کونسل کے کسی جلسہ میں منظور ہو چکی ہیں، عملی جامہ پہنانے کے لئے تمام ضروری کارروائی کرنا ــــــ

(ج) جنرل کونسل کے زیر ہدایت اخراجات کا ضبط و انتظام

(ی) اپنے اختیارات کو استعمال کرنے اور اپنے فرائض کو انجام دینے کے لئے سب کمیٹیوں کا مقرر کرنا۔

(ک) کانفرنس کے اغراض و مقاصد کے متعلق تمام ضروری اور مفید اطلاعات جنرل کونسل کو بہم پہنچانا۔

(ل) ایسے دیگر فرائض کا انجام دینا جو کانفرنس یا جنرل کونسل اس کمیٹی کو تفویض کرے۔

کانفرنس کا سرمایہ

(۲۹) سرمایہ جمع کر کے ایک فنڈ قائم کیا جائے گا جس کا نام مسلم قومی فنڈ ہوگا جو کم از کم ایک لاکھ روپیہ پر مشتمل ہوگا۔ یہ رقم کواپریٹو بنکوں میں کانفرنس کے نام پر امانت رکھی جائے گی۔ اور اس کا منافع جنرل کونسل کے اغراض و مقاصد کانفرنس کی تکمیل کے لئے استعمال کرے گی۔

(۳۰) تمام فیسیں، جو مندوبین، ممبرانِ کانفرنس، عہدے دارانِ کانفرنس سے اور کانفرنس کے ممبرانِ جنرل کونسل کے وزیٹروں سے وصول ہوں اور تمام عطیات، چندے سالانہ یا دیگر اور دیگر محاصل، جو کانفرنس یا جنرل کونسل وقتاً فوقتاً وصول کرے اور سرمایہ جو دفعہ ۲۹ میں مذکور ہے، اس کانفرنس کا سرمایہ ہوگا۔

(۳۱) اس کانفرنس کا سرمایہ، جو فنڈ مذکور دفعہ ۲۹ سے مختلف ہوگا

کانفرنس کے نام پر کواپریٹو بنک میں بطورِ ڈیپازٹ یا سیونگس رکھا جائے گا۔ اگر کسی مقام پر کواپریٹو بنک موجود نہ ہو تو جنرل کونسل کو اختیار ہوگا کہ وہ کسی دوسرے بنک میں روپیہ رکھ دے!

جنرل سیکرٹری اور سیکرٹریوں کے فرائض و اختیارات

(۳۲) جنرل سیکرٹری اُن تمام اختیارات کا استعمال کرے گا جو زیرِ دفعہ ۲۷ جنرل کونسل نے اس کو تفویض کئے ہوں یا ورکنگ کمیٹی اس کو تفویض کرلے۔

(۳۳) جنرل سیکرٹری اُن تمام اختیارات کو استعمال کرے گا اور اُن تمام فرائض کو انجام دے گا جو ان قواعد کے نفاذ کے متعلق اور جنرل سیکرٹری کے عہدے سے عموماً واسطہ رکھتے ہوں۔

(۳۴) جنرل سیکرٹری کو کانفرنس کے تنخواہ دار ملازمین کے مقرر کرنے، سزا دینے، موقوف کرنے یا باتنخواہ یا بلا تنخواہ رُخصت دینے کا اختیار ہوگا۔ لیکن بصورتِ موقوفی اس کا فیصلہ جنرل کونسل میں اپیل کا تابع ہوگا۔ مگر تمام تقرریاں، جن کی تنخواہ بیس روپے ماہوار سے زیادہ ہو، جنرل کونسل کی منظوری کے تابع ہوں گی۔

(۳۵) جنرل سیکرٹری، ناگزیر مواقع پر، اور ایسے معاملات کے متعلق

جو کانفرنس کے آئین و قوانین کے بنیادی اصول پر اثر انداز نہ ہوں۔ جنرل کونسل کے ان ممبران کا ایک جلسہ مدعو کرے گا جو صدر مقام پر حاضر ہوں اور ایسے ممبران جنرل کونسل کی بجائے ایسی کارروائی انجام دینے کے مجاز ہوں گے جو وہ مناسب تصوّر کریں۔ تجاویز جو کسی ایسے جلسہ میں منظور ہوئی ہوں۔ جنرل کونسل کے مابعد معمولی جلسہ میں توثیق کے لئے پیش کی جائیں گی۔

(۳۶) سیکرٹریاں اپنے اپنے علاقہ میں تابع ہدایت صدر، جنرل سیکرٹری کے فرائض سرانجام دیں گے۔

عام قواعد

(۳۷) ریاست جموں و کشمیر کے ہر صوبہ میں ایک صوبجاتی مسلم کانفرنس قائم کی جائیگی اور ہر صوبجاتی مسلم کانفرنس کے اجلاس عام میں قرارداد منظور ہونے پر ایسی صوبجاتی کانفرنس، کانفرنس ہذا کے ساتھ ملحق کی جائے گی۔

(۳۸) ریاست جموں و کشمیر کی ہر وزارت "ضلع" میں پونچھ ایک ضلع تصوّر ہوگا۔ ضلع کی مسلم کانفرنس قائم کی جائے گی۔ جس کا الحاق بذریعہ قرارداد، جو اس ضلع کی کانفرنس کے عام اجلاس میں منظور کی گئی ہو۔ آل جموں و کشمیر مسلم کانفرنس کے ساتھ کیا جائے گا۔

(۳۹) ریاست جموں و کشمیر کی ہر تحصیل میں تحصیل مسلم کانفرنس قائم ہوگی۔ جس کا الحاق کانفرنس ہذا کے ساتھ اس صورت میں ہوگا جب

کہ ایسی تحصیل کی کانفرنس اپنے ضلع کی ملحق شدہ کانفرنس کے ساتھ ملحق ہوئی ہو۔

(۴۰) تحصیلوں کے ماتحت و ملحقہ انجمنیں کانفرنس ہذا سے الحاق یافتہ تصور ہوں گی اور تکمیل تنظیم کے لئے دیہہ وار انجمنوں کا قیام ضروری ہوگا۔

(۴۱) جنرل کونسل کسی اسلامی انجمن واقعہ ریاست جموں و کشمیر کا جو کہ مذکورہ بالا اغراض و مقاصد کے لئے قائم ہوئی ہوں۔ الحاق ایسی قیود و شرائط کے تابع، جو وہ مناسب خیال کرے۔ آل جموں و کشمیر مسلم کانفرنس سے کر سکتی ہے۔

(۴۲) آل جموں و کشمیر مسلم کانفرنس کی جنرل کونسل کسی اسلامی انجمن کا الحاق، جو کہ کانفرنس ہذا سے ملحق ہو چکی ہو، منسوخ کر سکتی ہے۔

(۴۳) تمام معاملات جو کہ کانفرنس، جنرل کونسل، ورکنگ کمیٹی یا ایسی سب کمیٹیوں کے جو قواعد ہذا کے مطابق مقرر کی جائیں، جلسوں میں زیر بحث آئیں، بذریعہ کثرت رائے انجام پائیں گے۔

(۴۴) جو عہدے سالانہ اجلاس کانفرنس کے وقفوں کے درمیان خالی ہو جائیں۔ ان پر جدید عہدے داروں کا انتخاب جنرل کونسل تابع منظوری کانفرنس کرے گی۔

(۴۵) آل جموں و کشمیر مسلم کانفرنس کے اغراض و مقاصد کی تکمیل اور کانفرنس کی جنرل کونسل و ورکنگ کمیٹی کی ہر قسم کی کارروائی کی

انجام دہی کے لئے جنرل کونسل کی تابع منظوری، کانفرنس قواعد وضع کرنے کا اختیار حاصل ہوگا۔

(۴۶) آل جموں و کشمیر مسلم کانفرنس کے آئین اساسی میں کوئی ایزادی یا ترمیم یا تنسیخ سالانہ اجلاس کانفرنس کے سوا اور ایسے جلسہ کے حاضر ممبران کی کم از کم دو تہائی آراء کی اکثریت کے بغیر نہ ہوگی۔

چودھری غلام عباس بی۔اے۔ ایل ایل بی
جنرل سیکرٹری مسلم کانفرنس

پرچم کشائی

آل جموں و کشمیر مسلم پولیٹیکل کانفرنس کا پہلا سالانہ اجلاس ۱۴-۱۵-۱۶- اکتوبر ۱۹۳۲ء کو شیخ محمد عبداللہ کی صدارت میں پتھر مسجد میں منعقد ہوا۔ اس جلسہ میں مسلمانوں کے تمام فرقوں کے نمایندوں نے ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ میرواعظ مولوی یوسف شاہ، میرواعظ ہمدانی، مولوی عبداللہ اپنے تمام ذرائع سے اس جلسہ کو کامیاب بنانے میں سرگرم عمل رہے۔ جلسہ کی کارروائی کا آغاز سبز ہلالی پرچم کے لہرانے کے بعد ہوا۔ اور پرچم کشائی کی رسم ولی اللہ زین العابدین نے اپنی مدلل اور فاضلانہ تقریر سے انجام دی۔ جس کا مفہوم یہ تھا کہ اس پرچم کو سرنگوں کرنے کے لئے سازشوں کا نہ تھمنے والا طوفان شروع ہوگا۔ مگر اب یہ

آپ لوگوں کے وقار اور عصمت کا سوال ہے۔ آج سے دو تین سال قبل کشمیری ایک مُردہ قوم کہلاتے تھے مگر آج کشمیری ہی دُنیا کی زندہ قوموں میں شمار ہوتے ہیں۔ پچھلے ایک سال کے قلیل عرصہ میں اس قوم نے اپنے طلبِ حقوق کی تحریک میں بے نظیر و عدیم المثال جانی و مالی قربانیاں پیش کیں جس پر آج دُنیا انگشت بدنداں ہے اور وہ قوم جو صدیوں سے جمود کے ابدی غار میں پڑی ہوئی تھی اور جس کا ذکر زبان پر لانا بھی مہذب اقوام عیب تصوّر کرتی تھیں۔ آج وہی اقوام نہایت فخر و ادب کے ساتھ نہ صرف کشمیریوں کا نام لیتی ہیں بلکہ اُن قربانیوں کو، جو کشمیریوں نے اس قلیل عرصہ میں دی ہیں، مثال کے طور پر پیش کرتی ہیں۔ آج ریاست کی تاریخ میں ایک نئے باب کا حرفِ اوّل میں سبز ہلالی پرچم کو لہرا کے لکھا جا رہا ہے۔ اس لئے جملہ کشمیریوں پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ اس پرچم اور جماعت، جس کا یہ منتخب نشان قرار پایا ہے کہ زیرِ سایہ مہاراجہ ریاست کے تمام فرقوں کے درمیان محبت و آشتی کا پیامبر ہے اور اُن کے لئے یہ امن، خوش حالی اور فارغ البالی کا ضامن رہے۔ آج جس پرچم اور کانفرنس کا ہم اپنے جوان اور بلند عزائم سے اس صحنِ پاک میں افتتاح کر رہے ہیں۔ خدا تعالےٰ سے اس کی کامیابی اور کامرانی کے لئے دُعا مانگنی چاہیئے۔

سالانہ اجلاس

شاہی مسجد میں تل دھرنے کو جگہ نہ تھی۔ تقریباً تین لاکھ غلاموں کے اس اجتماع نے شاہی مسجد کو ایک زیارت گاہ میں تبدیل کیا اور ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ صدیوں سے خفتہ کشمیری اس غلامانہ زندگی سے انتقام لینے کے لئے کفن بدوش اُٹھ کھڑے ہوئے ہیں۔ دریائے جہلم میں ہاؤس بوٹوں کی لمبی قطاریں لگی ہوئی تھیں۔ جن میں نمایندگانِ پریس، وزیٹر اور دُور دراز علاقوں سے آئے ہوئے مہمان اور مندوبین مقیم تھے۔

کانفرنس کی صدارت کرتے ہوئے شیخ محمد عبداللہ نے اپنے خطبۂ صدارت میں اپنے متفقہ طور پر صدر چنے جانے پر مسلمانانِ ریاست کا پُرزور الفاظ میں شکریہ ادا کیا اور گذشتہ واقعات پر سرسری روشنی ڈالتے ہوئے کہا:۔

"مہاراجہ پرتاپ سنگھ کے وقت میں مہاسبھائی خیالات کے وزراء نے مسلمانوں کو پیسنے میں کوئی کوتاہی نہ کی اور مسلمانوں کو اتنا دبایا کہ ان میں مجبوراً نشاۃ الثانیہ کے آثار پیدا ہونے شروع ہوئے۔ جس کا ثبوت ریشم خانہ کے واقعہ ہائلہ اور میموریل کے مشہور واقعہ کی صورت میں ظاہر ہوا۔ حکومت کے لئے اُن واقعات میں عبرت اور موعظت کے لاکھوں دفتر موجود تھے۔ مگر وہ اُن سے

مُتنبہ نہ ہوئی بلکہ اس نے اپنی گرفت کو اور بھی مضبوط کرنا شروع کیا ـــــــــــ آخر میں خطبۂ عید کی ممانعت اور قرآنِ پاک کی توہین کا جان گداز واقعہ پیش آئے۔

ہم مسلمانانِ پنجاب اور ہند کے بے انتہا ممنون ہیں کہ اُنہوں نے اس وقت اور اس کے بعد تک عدیم المثال قربانیوں کے ساتھ کامل ہمدردی کا ثبوت دیا ہے۔ اس طرح ہم تمام اسلامی پریس کے شکر گذار ہیں کہ اُنہوں نے ہماری مظلومیت کو دُنیا کے سامنے آشکارا کر کے رکھ دیا۔

ان ایّام میں مسلمانانِ ریاست نے جو قربانیاں پیش کی ہیں اور جس جرأت، دلیری اور بہادری کے ساتھ اپنی جانیں ملّت و وطن پر نثار کی ہیں وہ لائق صد ستائش و مباہات ہیں اور اس موقع پر اُن کی خدمت میں نہایت ہی خلوص کے ساتھ جذباتِ تشکّر و امتنان پیش کرتا ہوں ـــــــــــ یہ قربانیاں دراصل امتحان کی پہلی کڑی تھیں۔ مستقبل میں قوم کو شاید اس سے بھی زیادہ قربانیوں کی ضرورت پڑے گی اور حق تو یہ ہے کہ مسلمان کی زندگی ایثار و قربانی کا ہی دوسرا نام ہے لیکن نادان ہے وہ شخص، جو بغیر ضرورت اپنے آپ کو مصیبت میں ڈالتا ہے۔ اور مجرم ہے وہ جو مسلمانوں کی جان و مال کو بے فائدہ طور پر ضائع کرتا ہے۔ "

مسلم کانفرنس کوئی فرقہ پرست جماعت نہیں ہے بلکہ اس کے وجود سے ریاست کے تمام فرقوں کو برابر کا فائدہ حاصل ہوگا۔ اس نظریہ کی وضاحت کرتے ہوئے شیخ صاحب نے اپنے خطبۂ صدارت میں کہا: ـــ

"جیسا کہ ہماری طرف سے بارہا اعلان کیا گیا ہے، تحریکِ کشمیر فرقہ وارانہ تحریک نہیں ہے بلکہ سب اقوام کے لوگوں کی شکایت کے ازالہ کے لیے ہے اور میں اپنے برادرانِ وطن کو خواہ وہ ہندو ہوں یا سکھ، یقین دلاتا ہوں کہ ہم اسی طرح ان کے دُکھوں کو دُور کرانے کے لئے تیار ہیں جس طرح مسلمانوں کے دُکھوں کو۔ ہمارا مُلک ترقی نہیں کر سکتا جب تک کہ ہم ایک دوسرے کے ساتھ صُلح سے رہنا نہ سیکھ لیں گے۔ اور وہ تبھی مکمل ہو سکتا ہے جب ہم ایک دوسرے کے جائز حقوق کا پُورا احترام کریں۔ اور ایک دوسرے کی تکلیف دُور کرنے کی کوشش کریں۔ پس تحریکِ کشمیر ہرگز کوئی فرقہ وارانہ تحریک نہیں۔ "

مسلمانوں کو پُرامن رہنے کی تلقین کرتے ہوئے آپ نے کہا: ـــ

"غرض یہ کام جو ہمارے سامنے ہیں، جنہیں ہم امن کے قیام کے بغیر ہرگز نہیں کر سکتے ہیں۔ پس اگر یہی ہنگامی صورتِ حال قائم رہی تو ہم ان عظیم الشان کاموں سے غافل ہو کر ایسے اعلےٰ موقعہ کو، جو ہماری قوم کو سینکڑوں سال کے بعد

میسر ہوا ہے، کھو بیٹھیں گے۔

ہاں ہمیں اس عرصہ میں ملک کے چاروں گوشوں سے ان مطالبات کی تصدیق میں، جو اب تک منظور نہیں ہوئے، متواتر زور دیتے رہنا چاہیئے تاکہ حکومت کو یہ خیال نہ ہو کہ مسلمان اُن امور پر، جو گلانسی کمیشن نے منظور کیے ہیں، مطمئن ہو گئے ہیں اور اُن کی اُمنگیں وہیں پر آکر ختم ہو گئی ہیں۔"

گلانسی رپورٹ پر تبصرہ کرتے ہوئے شیخ صاحب نے اپنے خطبہ صدارت میں مسلمانوں کو بتایا کہ اُن کے مطالبات کیا تھے اور حکومت نے اُن میں سے کون کون سے منظور کیے جنہیں حکومت کی ہمدردانہ کارروائی قرار دے کر شکریہ ادا کیا گیا اور ساتھ ہی ان مطالبات کو دہرایا گیا :—

(۱) تبدیلِ مذہب پر جائداد کی ضبطی نہ ہو۔

(۲) انجمنیں بنانے کی آزادی

(۳) تقریر کی آزادی پر ہنوز پابندی ہٹانے پر زور دیا گیا۔"

پریس کی آزادی اور جدید پریس ایکٹ کو برطانوی ہند کے ہنگامی قوانین اور ریاست کے عام قوانین سے تشبیہہ دی گئی۔

لیجسلیٹو اسمبلی کے قیام کو تو حکومت تسلیم کر چکی ہے مگر اس کا وجود ایک سال کے اندر اندر عمل میں لایا جائے۔ صوبہ جموں میں جہاں مسلمانوں کا تناسب آبادی ۵۴ فی صدی ہے، اسمبلی میں ان کے لئے صرف سات نشستیں مخصوص رکھی گئی ہیں۔ اور مطالبہ کیا گیا کہ جموں میں

مسلمانوں کو آبادی کے تناسب سے نشستیں دی جائیں۔ مسلمانوں کو تعلیم نسواں، سماجی سُدھار، صنعت و حرفت، صحت اور والنٹیر کور تیار کرنے، بیاہ شادی کے موقعہ پر جاہلانہ رسمیں ترک کرنے کی بھی اپیل کی گئی۔

حکومت سے مطالبہ کیا گیا کہ علاقہ پونچھ، جو کہ صوبہ کشمیر کے ایک ضلع کے برابر ہے، چار لاکھ باشندگان پونچھ، جن میں اٹھانوے فی صدی مسلمان ہیں، نہایت ابتر حالت میں ہیں اور یہ علاقہ سمت ۱۹۸۵ بکرمی کے سرکاری اعلان کے تحت ریاست جموں و کشمیر میں ایک جاگیر کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس کے اندر نظم و نسق، علیحدہ قوانین اور ایڈمنسٹریشن قائم رکھنے کی بالکل ضرورت نہیں ہے۔ اس دو عملی کا سدّباب کیا جائے۔ اور پونچھ میں بھی وہی قوانین نافذ ہوں جو ریاست کے دوسرے حصوں میں جاری ہیں تاکہ جاگیر پونچھ کا کوئی حق نہ رہے کہ وہ علیحدہ اپنے قوانین ساخت کرے اور ریاستی اسمبلی میں باشندگانِ پونچھ کے لئے اُن کی نمایندگی کے حق کا فیصلہ کیا جائے اور علاقہ پونچھ کے لئے ایک آزاد کمیشن مقرر کیا جائے تاکہ وہاں کے مظلوم باشندوں کو ظلم و ستم سے نجات کا کوئی راستہ مل سکے!

کانفرنس میں متعدد ریزولیوشن پاس کئے گئے جن میں تبدیلیٔ مذہب پر ضبطیٔ جائداد، ملازمتوں میں آبادی کے لحاظ سے بھرتی، مالیہ میں تخفیف، فوج میں بھرتی، سیاسی قیدیوں کی رہائی،

میر پور علاقہ میں ہنگامی قوانین کا ہٹایا جانا، جاگیر پونچھ کے باشندوں کو اسمبلی میں حقِ نمایندگی وغیرہ اہم ہیں۔

ایک قرار داد کے ذریعہ صدر مسلم کانفرنس کو حق دیا گیا کہ وہ چار مہینے کے اندر اندر جنرل کونسل کا اجلاس بلائیں۔ جس میں دیکھا جائے کہ حکومت نے گلانسی کمیشن کی سفارشات پر عمل کیا ہے یا نہیں۔ اگر نہیں تو کوئی لائحہ عمل تیار کر کے حکومت پر دباؤ ڈالا جائے کہ وہ ایسا کرے!

کانفرنس کے اختتام پر شیخ محمد عبداللہ لاہور تشریف لے گئے ۱۷ دسمبر کو جموں میں مسلم کانفرنس کی ورکنگ کمیٹی کا اجلاس منعقد ہوا۔ جس میں حکومت کو تنبیہہ کیا گیا کہ وہ کانفرنس کے گذشتہ اجلاس میں پاس شدہ قرار دادوں کی طرف متوجہ ہو اور تحریر و تقریر اور انجمن سازی کی پوری اجازت دی جائے۔ اس اجلاس میں حکومت کو ان مطالبات کو پورا کرنے کے لئے چار مہینے کا الٹی میٹم دیا گیا۔

گشتی مراسلہ

۲۰ جنوری ۱۹۳۳ء کو شیخ محمد عبداللہ سرینگر واپس آئے اور ممبران ورکنگ کمیٹی کے نام ایک گشتی مراسلہ جاری کیا۔ جس میں اُن سے ۵ مارچ کو ایک ہنگامی اجلاس مندرجہ ذیل باتوں پر غور کرنے کے لئے طلب کیا گیا:—

(۱) گلانسی کمیشن کی سفارشات پر کہاں تک اور کس قدر عمل ہوا ہے کیا حکومت نے ایسی تدابیر اختیار کیں جن سے مسلمانوں کی بہتری مقصود ہو؟ اگر گلانسی رپورٹ پر عمل نہیں ہو رہا ہے تو کیوں؟ حصولِ مطالبات کے لئے اب کون سے ذرائع اختیار کئے جائیں؟

(۲) مسلمانوں کی اکثر مسجدیں کس مپرسی کی حالت میں پڑی ہوئی ہیں۔ اکثر وہ مساجد، جن کی آمدن عام حالات میں ان کے اخراجات اور مرمت وغیرہ کے لئے کافی سمجھی جا سکتی ہے۔ متولی حضرات میں دیانت داری کے فقدان کا رونا روتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ اندریں حالات یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ کانفرنس کے ماتحت ایک اوقاف کمیٹی قائم کی جائے۔ جس کا کام یہ ہو کہ تمام مساجد و زیارت گاہیں اور دیگر مقابر کی دیکھ بھال اور ان کا حساب کتاب اپنے ہاتھ میں لے۔

(۳) حکومت نے جو مساجد واپس کر دی ہیں اُن کی ملحقہ جائدادیں باوجود افسرانِ مجاز کے احکام کے مسلمانوں کو نہیں ملیں۔ ان کے واگذار کرنے کے لئے ذرائع پر غور کرنا۔

(۴) مشیر مال صاحب کے احکام، جو کہ نَو توڑ کے متعلق ہیں، پر غور و خوض کرنا۔

(۵) سرکاری مدرسوں میں فیس کا مقرر کیا جانا۔ اس سے مسلمانوں کی

تعلیم و تدریس میں حرج کا واقعہ ہونا ضروری ہے۔ لہٰذا اس کے دفعیہ کی صورت میں غور و خوض وغیرہ۔

(۶) میرپور، کوٹلی اور راجوری کی صورت حال کے متعلق غور کرنا اور علاقہ مذکور کے مسلمانوں کے تحفظات کی تدابیر سوچنا۔

(۷) کارخانۂ ابریشم، ٹیکنیکل کالج سری نگر اور محکمہ انڈسٹریز کی خستہ حالت کے اسباب اور دفعیہ پر غور کرنا۔

اس کے علاوہ غیر مسلموں کو تحریک میں حصہ لینے اور انہیں اپنا ہم نوا بنانے کے لئے خواجہ سعد الدین شال، چودھری غلام عباس خان صاحب، خواجہ غلام احمد عشائی، آغا سید حسین شاہ جلالی صاحب، مولوی عبداللہ صاحب وکیل، پیر حسام الدین صاحب گیلانی، خواجہ غلام احمد صاحب بٹ، میاں احمد یار صاحب، مولوی محمد حسین صاحب، منشی عبدالعزیز اور عبدالمجید قریشی پر مشتمل ایک کمیٹی مقرر کی گئی۔ مگر اقلیتی فرقے کے زعما کی طرف سے عدم تعاون کی بنا پر یہ کمیٹی کام نہ کر سکی!

---

(۱۵)

تصادم

۳۰ جنوری ۱۹۳۳ء کا دن ریاستی مسلمانوں کے لئے انتہائی منحوس دن تھا۔ میر واعظ مولوی محمد یوسف شاہ اس دن خانقاہِ نقشبندیہ میں وعظ خوانی کرنے کے لئے گئے۔ مسلمانوں کے درمیان اقتدار کے لئے درپردہ رسہ کشی شروع ہو چکی تھی۔ میر واعظ نے مجلس وعظ میں شیخ محمد عبداللہ پر یہ الزام لگایا کہ وہ مرزائی ہے اور مرزائیت کو ریاستی مسلمانوں میں فروغ دینے کے لئے راہ ہموار کر رہے ہیں۔ اس پر شیخ صاحب کے حامیوں نے ہنگامہ بپا کیا اور چند لمحوں کے اندر مسلمانوں کے شیرازۂ اتحاد کو بکھیر کے رکھ دیا۔ ایک دوسرے پر کانگڑیوں سے "بمباری" کی گئی۔ چنانچہ بعد ازاں سردار وزیر محمد خان سینئر سپرنٹنڈنٹ پولیس کے روبرو ایک معاہدے پر دونوں رہنماؤں نے دستخط کئے اور اس کے ماتحت میر واعظ مولوی یوسف شاہ اور اُن کے رفقاء نے مسلم کانفرنس سے علیحدگی اختیار کر لی۔

مرزا بشیر محمود احمد کا خط

جیسا کہ ہم پہلے بتا چکے ہیں، مسلم کانفرنس کو عالمِ وجود میں لانے کے لئے مرزائیوں کا درپردہ زبردست ہاتھ رہا ہے۔ اور وہ کشمیر کی سیاسی فضا کے پسِ منظر میں مرزائیت کو فروغ دینے کی زبردست کوششوں میں مصروف تھے۔ جہاں تک شیخ محمد عبداللہ اور مسلم کانفرنس کے دوسرے زعماء کا تعلق تھا، وہ فرقہ بندی سے بالاتر رہ کر ملک و قوم کے لئے کام کرنا چاہتے تھے۔ اس لئے اُن کے سامنے یہ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا کہ کسی فرقہ کو نظر انداز کریں۔ لیکن میرواعظ محمد یوسف شاہ اور اُن کے دوسرے رفقاء، جو کہ ہر رنگ میں مذہب کی برتری کے قائل تھے، اگر شیخ محمد عبداللہ کی لیڈرانہ حیثیت کو تسلیم کر چکے تھے۔ مگر وہ ایک لمحہ کے لئے بھی اس بات کو ماننے کے لئے تیار نہ تھے کہ مرزائیت مسلم کانفرنس کے پنڈال کے زیرِ سایہ پروان چڑھے۔ مرزائیوں کی دُوربین زمانہ شناس نظریں صورتِ حال کا تجزیہ کر چکیں۔

اس موقعہ پر مرزا بشیر محمود احمد امام جماعت احمدیہ قادیان کے خط نمبر ۳ مورخہ ۱۳ر اکتوبر ۱۹۳۲ء کو جو "برادرانِ کشمیر" کے نام سے شائع ہوا، کے چند اقتباسات واقعہ کی نوعیت کو سمجھنے کے لئے درج کئے جاتے ہیں:

"برادران! میں نے شروع سے اس امر کا خیال رکھا ہے کہ آپ لوگوں میں تفرقہ اور نفاق پیدا نہ ہو۔ اور اسی خیال نے مجھے مجبور

کیا ہے کہ میں یہ کھُلا خط آپ لوگوں کے نام شائع کروں۔ کیونکہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ قریب کے ایّام میں بعض لوگوں نے کشمیر میں اس سوال کو تفرقہ کا مُوجب بنایا ہے کہ احمدی لوگ کشمیر میں تبلیغ کیوں کرتے ہیں!

"شاید آپ لوگوں میں سے، جن دوستوں نے میرے ابتدائی خطوط پڑھے ہیں، اُنہیں یاد ہوگا کہ میں نے شروع ہی میں لکھ دیا تھا کہ اتحادِ سیاسی کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ کوئی فرقہ اپنی تبلیغ بند کردے۔ اور اب میں اس سے بھی زیادہ واضح طور پر کہہ دینا چاہتا ہوں کہ جو شخص کسی فریق کو اس امر سے روکتا ہے کہ وہ اپنے خیالات دوسروں تک نہ پہنچائے۔ وہ اتحاد نہیں بلکہ فتنہ کی بُنیاد رکھتا ہے۔ اور دوستی کے پردہ میں دُشمنی کرتا ہے، پس جن لوگوں نے مذہبی یا سیاسی پلیٹ فارم پر سے یہ آواز اُٹھائی ہے کہ احمدیوں کو تبلیغ نہیں کرنی چاہیئے۔ کیونکہ اس سے قومی اتحاد برباد ہوتا ہے۔ اُنہوں نے درحقیقت ایک بڑے فساد کی بُنیاد رکھی ہے۔ اللہ تعالےٰ اُمت کو ان کے شر سے محفوظ رکھے اور اُن کی غلطیوں کو معاف فرمائیں۔

میرواعظ مولوی محمد یوسف شاہ صاحب پر چوٹ کرتے ہوئے آپ لکھتے ہیں:۔

خلاصہ یہ کہ تبلیغ کو بند کرنے کا مطالبہ یا اختلافِ عقیدہ پر

لڑائی جھگڑا اور فساد کرنے کا طریقہ ملک کے امن کے لئے سخت مضر ہے اور اس طریق سے ملک میں کبھی امن نہیں پیدا ہو سکتا۔ چاہیے یہ کہ ہر قوم اپنے پیروؤں کو دین سے واقف کرلے اور اپنے مذہب کی باتیں سمجھا کر اس قدر ہوشیار کرلے کہ وہ دھوکے اور جہالت میں نہ مارے جائیں اور بجائے لوگوں کو خاموش کرکے آپ سو جائیں۔ خود بیدار ہو اور اپنے پیروؤں کو بیدار رکھے تاکہ قومی ترقی کے راستے میں روک پیدا نہ ہو۔ ورنہ اگر اختلافات رائے کو دبانے کی مرض شروع ہوئی تو سب ترقی رک جائے گی اور وہی مرض بڑے پیمانہ پر ظاہر ہوگا۔ جو پہلے چھوٹے پیمانے پر ظاہر ہو چکا تھا۔ یعنی میر واعظ یوسف شاہ صاحب، جن کو خاندانی روایات کے ماتحت یہ عادت تھی کہ اختلاف رائے کو نہ سن سکیں۔ انہوں نے جب شیخ محمد عبداللہ صاحب کو قومی رہنمائی کرتے ہوئے دیکھا تو ان سے برداشت نہ ہو سکا کہ میری موجودگی میں کوئی اور شخص زبان کھولے اور میری بات کو رد کرے۔ اب اگر اختلاف رائے کے اظہار کو جرم قرار دیا گیا۔ تو سارے ملک میں یہی مرض پھیل جائے گا اور ہر مخلص خیر خواہ قوم کی زبان بندی ہو جائے گی اور ملک تنزل کی انتہائی گہرائیوں میں جا گرے گا۔ اللہ تعالے اس برے دن سے آپ لوگوں کو بچائے ——————

اب تک حکومت نے گلانسی کمیشن کی سفارش کے مطابق وہ اعداد و شمار شائع نہیں کئے۔ جن سے معلوم ہوسکے کہ دوران سال میں کس قدر ملازم رکھے گئے اور ان میں سے کس قدر مسلمان اور کس قدر دوسری اقوام کے تھے۔ ابھی تک صنعتی کارخانوں کی ترقی کا انتظام نہیں ہوا۔ ابھی پریس اور پلیٹ فارم کی آزادی کا حصول بھی کامل طور پر میسّر نہیں ہوا۔ مسلمانوں کی تعلیم کے لئے کوئی خاص سہولت بہم نہیں پہنچائی گئیں۔ میونسپل کمیٹیاں اور ڈسٹرکٹ بورڈ اب تک نہ ہر جگہ قائم ہوئے ہیں اور نہ انتخابی عنصر کو ترقی دی گئی ہے۔ مسلمان تاجر اور صناع ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھے ہوئے ہیں اور ان کو اپنے مال کے لئے کوئی منڈی نہیں ملتی۔ تنظیم کا کام انتہائی درجہ کی توجہ چاہتا ہے لیکن ابھی اس کی ابتدائی منزل بھی طے نہیں ہوئی۔ قومی ریزرو فنڈ، جو قومی ترقی کے لئے ریڑھ کی ہڈی ہے، اس کی بنیاد بھی نہیں رکھی گئی۔ غرض ایک زندہ قوم کے لئے جن چیزوں کی ضرورت ہے، وہ اب تک میسّر ہی نہیں ہے اور ان کے میسّر کرنے کے لئے صحیح جد و جہد تک نہیں کی گئی اور جانتے ہو کہ باوجود شیخ محمد عبداللہ صاحب لیڈر کشمیر، میر واعظ ہمدانی، مولوی عبداللہ وکیل، مسٹر غلام احمد

عثمائی جیسے با اثر حضرات اور شیخ عبدالرحیم صاحب لیڈر و محمد یوسف صاحب ملک، مسٹر غلام نبی گلکار، مفتی ضیاء الدین صاحب اور مفتی جلال الدین صاحب بی اے جیسے نوجوان اور باہمت کارکنوں اور ان کے علاوہ علاقہ جموں، میرپور اور پونچھ کے مخلص قومی خادموں کی موجودگی کے یہ کام جب بخواہ کیوں نہیں ہو سکا۔ صرف اسی وجہ سے کہ اصل مقصد کو بھلا کر قوم ایک دوسرے سے آپس میں دست و گریباں ہو گئی ہے۔"

امام جماعت احمدیہ مرزا محمود بشیر الدین احمد نے جہاں میر واعظ مولوی محمد یوسف شاہ کو احمدیہ تبلیغ میں رکاوٹ پیدا کرنے کا ذمہ دار ٹھہرایا وہاں اس امر کا بھی اعلان کیا کہ احمدی ریاست کی سیاست سے زیادہ احمدیت کی تبلیغ میں دلچسپی رکھتے ہیں۔ قومی ریزرو فنڈ کا تذکرہ کرتے ہوئے میاں بشیر الدین نے لیڈران کشمیر کو اشاروں اشاروں میں بڑی دور کی بات کہی۔ غالباً یہی وجہ تھی کہ شیخ محمد عبداللہ کو لاہور میں کشمیر کمیٹی کے ایک جلسہ میں، جس کی صدارت حکیم مشرق علامہ اقبال کر رہے تھے، جماعت احمدیہ سے اپنی لاتعلقی کا اعلان کرنا پڑا۔

ان تمام ہنگامہ آرائیوں کے درمیان مسلم کانفرنس کے زعماء نے سری نگر کے اندر تقاریر کا سلسلہ شروع کیا جن میں حکومت پر کڑی نکتہ چینی کے ساتھ ساتھ لوگوں کو اس بات پر تیار کیا جاتا تھا کہ اگر حکومت

ان کے جائز مطالبات، جو گلانسی کمیشن نے منظور کئے ہیں، عمل نہ کرے گی تو وہ ورکنگ کمیٹی کے پروگراموں کو عملی جامہ پہنانے کے لئے فوری تیار ہو جائیں۔

چنانچہ اس سلسلے میں ریاستی ہندوؤں کے نام بھی ایک اپیل شائع کر دی گئی کہ وہ بھی اس تحریک میں شامل ہو جائیں۔ کیونکہ جن مطالبات کے لئے مسلمان جدوجہد کر رہے ہیں وہ قومی ہیں اور ان سے ہر ایک فرقہ کو یکساں فائدے ہو سکتے ہیں۔ اپیل میں اس بات کی طرف بھی اشارہ کیا گیا کہ اگر ہمارے ہم وطن ہماری تحریک میں شامل نہیں ہونا چاہتے ہیں تو مخالفت بھی نہ کریں۔

مسلم کانفرنس کی ان سرگرمیوں سے حکومت متحرک ہو گئی اور وزیر اعظم کرنل کالون، مسٹر وجاہت حسین وزیر داخلہ کو ساتھ لے کر جموں سے سری نگر شیخ محمد عبداللہ سے گفت و شنید کے لئے آئے۔ سری نگر پہنچ کر انہوں نے اکابرین کانفرنس اور شیخ صاحب سے تبادلہ خیالات کیا۔ جس کے بعد آپس میں چٹھیاں بھی بھیج دی گئیں۔ شیخ محمد عبداللہ نے مسلم کانفرنس کی ورکنگ کمیٹی میں ۸۔ مارچ کو مفصل بیان دیتے ہوئے کہا:۔

"گورنر کشمیر کی درخواست پر میں وزیر اعظم مسٹر کالون سے فون پر ملا۔ اور ان کی طرف سے کل شام کو ایک چٹھی بھی میرے خط کے جواب میں موصول ہوئی۔ اس میں انہوں نے مطالبات کے متعلق

تبادلۂ خیالات کرنے کی خواہش ظاہر کی۔ تقریباً دو گھنٹوں کی طویل گفتگو کے بعد وزیرِ اعظم کرنل کالون نے اس بات کو تسلیم کر لیا کہ گلانسی کمیشن کی چند سفارشات کو عمل میں لائے جانے میں درنگی ہوئی ہے۔ لیکن یہ ایسی وجوہات سے ہوئی ہے جو اُن کے حدِ اختیار میں نہیں تھیں۔ وزیرِ اعظم مسلمانوں کی خاص شکایات کو سُننے کا بھی خواہش مند تھا۔"

وزیرِ اعظم کے کہنے پر مہاراجہ صاحب کو ایک میموریل بھیج دیا گیا۔ جس پر فوری عمل ہوا۔ اہم سفارشات و مطالبات میں سے چند ایک کو منظور کر کے ان پر فوری عمل درآمد کیا گیا۔ ان میں انجمن بنانے کی آزادی اور تحریر و تقریر کی آزادی بھی شامل تھی۔

۱۶
نئی جماعتیں

اس اعلان کے ساتھ ہی کشمیری پنڈتوں نے اپنی تنظیم سناتن دھرم یووک سبھا کو باضابطہ سیاسی شکل دی۔ اُدھر مولانا محمد سعید مسعودی کے زیرِ اہتمام انجمن اصلاحِ رسوم کی بُنیاد پڑی، جو مسلمانوں میں مُروّجہ رسُومات کے سدِّباب اور مرزائیت کا مقابلہ کرنے کے لئے کام کرنے لگی۔ ایک اور انجمن خواجہ غلام نبی گلکار کی زیرِ سرپرستی "اتحاد المسلمین" کے نام سے عالمِ وجود میں آئی۔ جموں کے ڈوگروں نے ڈوگرہ سبھا کے نام سے اپنی الگ تنظیم بنائی۔ ان ہی دنوں نوجوانانِ کشمیر کی ایک اور سیاسی جماعت ینگ مینز مسلم ایسوسی ایشن کے نام سے قائم کی گئی۔ جس کے پریزیڈنٹ مولانا مسعودی، جنرل سیکرٹری سید غلام حسین گیلانی، وائس پریزیڈنٹ سید محمد مقبول شاہ بیہقی اور اسسٹنٹ سیکرٹری مسٹر اے، ایچ قریشی تھے۔ یہ بات یاد رکھنے

کے قابل ہے کہ خواجہ غلام محی الدین قرہ اور قریشی محمد یوسف دو مشہور لیڈر اسی جماعت کی پیداوار ہیں۔

مولویوں کی کشیدگی

یہی وہ دور تھا جب میرواعظ مولوی محمد یوسف شاہ اور مولانا مولوی احمد اللہ ہمدانی میں آپس کی کشیدگی، دشمنی اور جماعتی اختلافات نمایاں طور پر منظرِ عام پر آنے لگے اور ان دونوں میرواعظوں کی ذاتی دشمنی، جو وعظ خوانی کی آڑ میں اور مذہب کے نام پر لوگوں کو بے وقوف بنا کر اپنے گھروں کو مال و دولت سے بھر دیتے تھے، نے مسلمانوں کے شیرازۂ اتحاد کو بکھیرنا شروع کیا۔ چنانچہ خانقاہ معلی اور جامع مسجد جو تحریک حریت کشمیر کے مراکز شمار کئے جاتے تھے، ان واعظوں کی رجعت پسندانہ روش کی وجہ سے بغض و عناد کے اکھاڑوں میں تبدیل ہوئے۔ مولوی ہمدانی کی پشت پناہی کے لئے شیخ محمد عبداللہ اور اُن کے ساتھیوں نے درپردہ ساتھ دینا شروع کیا۔ جس کی وجہ سے تحریک حریت کشمیر کے انقلابی سپرٹ اور ترقی پسند نظریے کو بھی ہدفِ ملامت بننا پڑا۔

۱۶۔ اپریل سنہ ۱۹۳۲ عید الضحیٰ کا دن تھا۔ اس سے قبل عید کے موقعوں پر دونوں مولوی صاحبان نمازِ عید ادا کرنے کے لئے عیدگاہ جایا کرتے تھے اور عالی مسجد میں مولوی یوسف شاہ اور باہر عیدگاہ

میں مولوی ہمدانی وعظ پڑھا کرتے تھے۔ اب جب کہ دونوں ایک دوسرے کے خون کے پیاسے بنے تھے، حکومت کشمیر نے فیصلہ کیا کہ ان دونوں کے عیدگاہ میں جمع ہونے سے کوئی ہنگامہ برپا نہ ہو، اس لئے میرواعظ مولوی یوسف شاہ کو جامع مسجد اور میرواعظ ہمدانی کو عیدگاہ میں وعظ خوانی کا حکم دیا گیا۔ اس حکم کو میرواعظ نے مذہب میں مداخلت کا نام دیتے ہوئے عیدگاہ میں قدم رنجہ فرمایا۔ اور میرواعظ ہمدانی جامع مسجد کے اندر گھس پڑے۔ عیدگاہ میں ابھی نماز بھی ادا نہ ہوئی تھی کہ میرواعظ ہمدانی کے بارے میں معلوم ہوا کہ وہ جامع مسجد میں گھس پڑے ہیں۔ اب کیا تھا! میرواعظ مولوی محمد یوسف شاہ کے حامیوں کا خون جوش مارنے لگا۔ مولوی حبیب اللہ صاحب غالباً عیدگاہ نہیں گئے تھے۔ وہ اس واقعہ کی خبر پاتے ہی جامع مسجد گئے اور میرواعظ ہمدانی کو وعظ خوانی کرتے دیکھا۔ وہ آپے سے باہر ہو گئے۔ پاس پڑی ہوئی گھاس کی جوتی (پُلہور) جو کیچڑ سے لت پت تھی، اُٹھا کر میرواعظ ہمدانی کی طرف پھینکی جو بدقسمتی سے میرواعظ کی بجائے وعظ کی کتاب پر آگری۔ میرواعظ کے معتقدوں کی جماعت، جو دراصل وعظ سننے کم اور جامع مسجد پر قبضہ کرنے کی غرض سے آئے تھے، مولوی حبیب اللہ کی اس نازیبا حرکت کو کیسے برداشت کرتے، انہوں نے مل کر نہ صرف مولوی صاحب کے جوش کو ٹھنڈا کیا بلکہ اسے مار مار کر بے ہوش

کرکے چھوڑا۔

اس خبر کے پھیلتے ہی عیدگاہ سے مولوی محمد یوسف شاہ کے حامی مولوی محمد شاہ کی قیادت میں ہاتھوں میں ڈنڈے لئے جامع مسجد کے بیرونی صحن میں جمع ہونے لگے۔ جوں ہی میرواعظ ہمدانی کے حامی نماز ادا کرکے باہر نکلنے شروع ہوئے۔ مخالف پارٹی نے اُن پر زبردست حملے کئے جن سے شاید ہی کوئی محفوظ رہا ہو۔ اسی دن غلام قادر گاندربلی سابقہ ایم، پی نے بھی پیر سلام شاہ کی معیت میں خوب مار کھائی۔ میرواعظ کی اس ڈنڈہ فوج کی قیادت عبدالسلام دلال اور محمد امین گورکھو کر رہے تھے۔

افراتفری اور ہنگامہ خیزی میں میرواعظ ہمدانی کو پولیس اور ملٹری کی حفاظت میں جامع مسجد سے نکلنا پڑا۔ اور شہر میں مسلمان ایک دوسرے کو "ڈبکہ اور کرپہ" کے نام پر مارپیٹ کے علاوہ لوٹتے رہے۔

میرواعظ یوسف شاہ کی گرفتاری

حکومت نے موقعہ سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے دونوں میرواعظوں کو زیر دفعہ ۱۰۷ ضابطۂ فوجداری مقدمہ دائر کیا۔ اور ایڈیشنل ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے میرواعظوں سے ایک ایک ہزار روپے کی ضمانت طلب کی۔ میرواعظ ہمدانی نے ضمانت داخل کی لیکن میرواعظ مولوی

محمد یوسف شاہ نے انکار کیا۔ اس پر میرواعظ کے نام وارنٹ گرفتاری جاری کی گئی۔ مگر ان کے حامیوں کی ایک بڑی تعداد نے اُن کے دروازے پر ڈیرہ ڈالا۔ جس کی بنا پر کچھ دن تک حکومت انہیں گرفتار نہ کرسکی۔ آخر ۲۷ اپریل کی رات کو انہیں گرفتار کرکے اودہم پور بھیج دیا گیا۔ میرواعظ کی گرفتاری پر حکومت کے خلاف زبردست مظاہرے شروع ہوئے اور جلوس نکلے۔ کشمیری خواتین کا ایک زبردست جلوس حکومت کے اس اقدام کے خلاف نعرے لگاتا ہوا جانہ بی بی المعروف بہ جانہ گنڈ کی قیادت میں نکلا اور زینہ کدل پر دھرنا مار کر بیٹھ گیا۔ مظاہروں کا یہ سلسلہ ایک ہفتہ تک جاری رہا۔ میرواعظوں کی ان مسلم کش اور تنگ نظر سرگرمیوں پر تبصرہ کرتے ہوئے "صداقت" سرینگر ۸۔ ستمبر ۱۹۳۳ء رقم طراز ہے :۔

مسلمانوں کی بدبختی نے سری نگر کی مساجد کو میرواعظوں کی جائداد متنازعہ بنا دیا ہے اور جامع مسجد کو میدانِ کارزار بنایا گیا۔ تاآنکہ ان مساجد کے جھگڑے نے کُشت و خون کا بازار گرم کیا۔ بالآخر حضور مہاراجہ بہادر نے خاص وزراء کی کمیٹی زیر صدارت سر برجور دلال چیف جسٹس مقرر فرمائی۔ تاکہ اس منحوس اور مسلم کُش تنازعہ کا خاتمہ ہو۔ مولوی ہمدانی نے موقعہ غنیمت سمجھا اور فوراً کمیٹی کے احکام کی تعمیل کی۔ کیونکہ ان کو یقین ہے کہ جامع مسجد کسی کے باپ دادا

کی وراثت نہیں۔ لیکن فریقِ مخالف اس کمیٹی کا نام سُن کر ہی لرزہ بر اندام ہے اور آگ بگولا ہو گیا ہے۔ وہ نہیں چاہتے ہیں کہ یہ جھگڑا ختم ہو۔ اُنھوں نے جامع مسجد میں ہر روز جلسہ منعقد کر کے صدائے احتجاج بلند کی ہے۔ ان کو اصرار ہے کہ دینِ اسلام کا حکم یا قرآن شریف کے حکم کو یہ کمیٹی فیصلہ کر کے پرانے مُردے کو زندہ نہیں کر سکتی۔ یعنی جامع مسجد وغیرہ ہمیشہ ہمیشہ فریقِ ثانی کی واحد مقبوضہ ملکیت رہے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ اس نے کثیر التعداد رضاکاروں کو مسجد پر مستقل قبضہ قائم رکھنے کے لئے اور ایجی ٹیشن شروع کرانے کے لئے جمع کی ہے۔ اگر کبھی مولوی ہمدانی جامع مسجد میں آئے تو اُن کی خوب خبر لینی ہوگی۔ دیکھئے مسٹر وجاہت حسین کی بات چیت کا کون سا اثر ہوگا کہ مولانا ہمدانی کا فریقِ ثانی تقسیمِ مساجد کے بارے میں معقول طریق اختیار کرے گا یا نہیں!

آخر یہ اخبار لکھتا ہے:-

"بہرحال خدا کرے اس منحوس تنازعہ کا خاتمہ ہو۔ مسلمانوں کو اب آئندہ واعظوں پر قربان ہونے کی گنجائش نہیں۔ معمور حبشی، شیر بینی، رفع یدین وغیرہ جھگڑوں نے ان کو تباہ کر دیا ہے ـــ"

جس دن میرواعظ محمد یوسف شاہ کو پولیس اودھم پور لے جا رہی تھی، اُسی دن شیخ محمد عبداللہ اور میر مقبول گیلانی جموں سے سری نگر آ رہے تھے۔ مولانا سے اُن کی کُد میں ملاقات ہوئی اور رخصت ہونے پر ازراہِ ہمدردی شیخ محمد عبداللہ نے اُنھیں اپنا بستر اور میر مقبول گیلانی نے تولیا وغیرہ دیا۔

شیخ محمد عبداللہ کے استقبال کے لئے سونہ وار باغ میں ہزاروں لوگوں کے علاوہ میرواعظ ہمدانی بھی آئے تھے۔ جلسہ گاہ میں تقریر کرتے ہوئے شیخ محمد عبداللہ نے مولانا محمد یوسف شاہ سے اپنی ملاقات کا تذکرہ کرتے ہوئے بستر اور تولیا کا بھی ذکرِ خیر کیا۔ میرواعظ کے حامیوں نے شیخ صاحب کی بات کو جھٹلانے کی کوشش کی۔ اس پر شیخ محمد عبداللہ نے مولوی ہمدانی کی کُھل کر حمایت شروع کی۔ اور "شیر بکرا" نام پر مسلمان آپس میں بٹ گئے۔ شیخ محمد عبداللہ کے حامی "شیر یا گاڈہ" اور میرواعظ یوسف شاہ کی جماعت "بکرا چے" کہلانے لگی!

میرواعظ ۳ رمئی کو سید عطا اللہ شاہ بخاری کا کریری کی ضمانت پر رہا کئے گئے۔ اخبار "صداقت" اور اخبار "رہبر" نے خاص ضمیمے نکال کر ضمانت نامہ شائع کیا۔ اس پہ مولوی صاحب کی رہائی کے بعد پارٹی بازی کا سپرٹ زوروں پر آگیا اور اس مقابلے میں ایک دوسرے کو سیاسی شکست دینے کے لئے تقریروں کا سلسلہ شروع ہوا۔

لیکن اس کا نتیجہ بجز اس کے اور کچھ نہ نکلا کہ شہر کی فضا بگڑ گئی !

شیخ محمد عبداللہ کی گرفتاری

ان ہی ایام میں مولوی غلام نبی مبارکی نے چھتہ بل میں تقریر کی۔ جس کی بنا پر نعلبند پورہ میں محمد خلیل سوانی نام کا ایک شخص، جو شیر پارٹی سے تعلق رکھتا تھا، بلوے میں مارا گیا۔ شیخ محمد عبداللہ نے اس کے نمازِ جنازہ کا جلوس نکالا۔ جس کو حکومت نے جمالٹہ (نواکدل گرلز کالج) کے قریب دو گھنٹے تک روکے رکھنے کے بعد گذرنے کی اجازت دی۔ جلوس شام کو خانقاہِ معلی جا پہنچا۔ جہاں نمازِ جنازہ ادا کرنے کے بعد میت سپردِ خاک کی گئی۔ اس موقعہ پر شیخ محمد عبداللہ نے حکومت اور مخالف پارٹی پر سخت نکتہ چینی کی۔ نتیجے کے طور پر ۲۱ مئی کو شیخ محمد عبداللہ، مفتی ضیاء الدین، غلام نبی گلکار اور بخشی غلام محمد کو شیر پارٹی سے اور تین افراد کو میر واعظ پارٹی سے گرفتار کر لیا گیا۔ شہر میں ۱۹۔ ایل نافذ کیا گیا اور اخبارات کی اشاعت حکماً بند کر دی گئی۔ اس حکم کے زد میں آنے والے اخبارات میں اسلام۔ رہبر۔ صداقت۔ حقیقت اور البرق تھے۔ لیکن مدیرانِ اخبارات نے اس کے برخلاف زبردست پروٹسٹ کیا۔ جس کی بنا پر حکومت کو یہ پابندی ہٹانا پڑی۔

شیخ محمد عبداللہ کو پہلے ادہم پور اور بعد میں بٹوت میں

نظر بند رکھا گیا اور دوسرے گرفتار شدگان کو ریاسی جیل میں نظر بند کیا گیا۔ ۱۷ جولائی کو کشمیر گورنمنٹ کے پولیٹیکل ڈیپارٹمنٹ کی طرف سے ایک حکم نامہ جاری ہوا۔ "صداقت" یکم اگست ۱۹۳۳ء رقم طراز ہے :-

"حضور مہاراجہ بہادر نے منظور فرمایا کہ تعزیری چوکی چھ ماہ کے لئے ۱۰ ساون سے مائی سمہ میں مقرر کی جائے۔ جس کے اخراجات ایک ہزار آٹھ سو اٹھائیس روپے ہوں گے جو ان اشخاص سے وصول ہوں گے جو نہ ہندو نہ سکھ اور نہ یوسف شاہی مسلمان ہوں گے۔"

اس گرفتاری کے خلاف شہر میں جلوس نکلنے شروع ہوئے۔ امیرا [...]ی اور مائی سمہ میں گولی چلی۔ جس سے کئی آدمی زخمی ہوئے۔ اس پر [...]ون نے وار کونسل کا قیام عمل میں لایا اور خانقاہ معلی میں تقاریر [...]لہ جاری ہوا۔ چنانچہ مسلم کانفرنس کے زعما کو اس خیال نے [...]ی پریشان کیا کہ اگر حالات میں تبدیلی نہ آئی تو دوسرے سالانہ [...]ں کو منعقد کرنے اور کانفرنس کے زیرِ غور ترقیاتی پروگرام اور [...]کے وسیع مفادات کی جدوجہد ٹھنڈی پڑ جائے گی۔ اس [...]ن نے خواجہ سعد الدین شال، چودھری عبداللہ خان بھلی، [...]الدین گیلانی، میاں احمد یار خان، خواجہ غلام احمد عشائی، [...]بداللہ وکیل، شیخ غلام محی الدین، آغا سید حسین شاہ جلالی،

محمد مقبول اگلر بوڈ، مولانا محمد سعید مسعودی، سید محمد مقبول بہیقی، مولوی محمد یسین، قاضی عبدالغنی دلنہ، صوفی محمد اکبر سوپوری، شیخ غلام محمد صوفی، شیخ محمد اکبر وغیرہ نے صوبہ کشمیر کے مختلف علاقوں کا دورہ کر کے تقاریر کا سلسلہ جاری کیا۔ جن میں صدر مسلم کانفرنس کی جلسے گئے ہی پر روشنی ڈالی گئی۔ مخدوم صاحب اور خواجہ محمد دار شکوہ میں تقاریر کرتے ہوئے انہوں نے اس گرفتاری کو بے بنیاد حمایتوں کا نتیجہ قرار دیا۔ اور دو میر جو اعظوں نے جو میاں پنشتی مجھگڑے کا نام دیتے ہوئے مسلم کانفرنس کو اس سے بالکل علیحدہ قرار دیا۔ اس سارے ٹنگ و دو کا خلاصہ ایک پمفلٹ کے ذریعہ مشتہر کیا گیا۔ جس کا اثر عوام پر اُلٹا پڑا۔ اور اس اثر کو زائل کرنے کے لئے مسلم کانفرنس کی ورکنگ کمیٹی کے ممبروں کو "غلط فہمیوں کا ازالہ" کے نام سے ایک اور پمفلٹ شائع کرنا پڑا۔ جس میں وضاحت کے ساتھ اعلان کیا گیا کہ شیخ صاحب اور اُن کے رفقاء کے خلاف جو الزامات عائد کئے گئے ہیں وہ درست ہیں یا نہیں اور حکومت انہیں گرفتار کرنے میں حق بجانب ہے یا نہیں۔ ان تمام سوالات کا فیصلہ متفقہ طور ہو چکا ہے کہ شیخ محمد عبداللہ اور اُن کے رفقاء کی گرفتاری ناجائز ہے اور حکومت کے عائد کردہ الزامات بالکل غلط اور سچائی سے بہت دُور ہیں۔ پمفلٹ پر ورکنگ کمیٹی کے ان ممبران کے دستخط ثبت تھے :-

شیخ عبدالحمید ایڈوکیٹ قائم مقام پریذیڈنٹ آل جموں و کشمیر مسلم کانفرنس،

پیر حسام الدین وائس پریذیڈنٹ مظفر آبادی۔ چودھری عبداللہ خان بھلی پریذیڈنٹ رنبیر سنگھ پورہ تحصیل مسلم کانفرنس و ممبر ورکنگ کمیٹی۔ مفتی جلال الدین بی۔ اے ممبر ورکنگ کمیٹی و سیکرٹری۔ ڈاکٹر عبدالاحد ممبر ورکنگ کمیٹی، سید حسین شاہ جلالی ممبر ورکنگ کمیٹی۔ آغا مرتضےٰ جلالی ممبر ورکنگ کمیٹی، عبدالرحمٰن ڈار شوپیان ممبر ورکنگ کمیٹی۔ صوفی محمد اکبر سوپوری ممبر ورکنگ کمیٹی۔ مولوی محمد یسین ہمپوری ممبر ورکنگ کمیٹی۔ محمد مقبول لنگرو ڈسٹرکٹ پریذیڈنٹ بارہمولہ و ممبر ورکنگ کمیٹی۔ مولوی محمد عبداللہ وکیل ممبر ورکنگ کمیٹی۔ قاضی عبدالغنی دلنہ بارہمولہ ممبر ورکنگ کمیٹی۔ پیر ضیاء الدین بڈگامی ممبر ورکنگ کمیٹی۔ منشی غلام محمد خادم سوپوری ممبر ورکنگ کمیٹی، مولوی غلام نبی ہمدانی ممبر ورکنگ کمیٹی، منشی امیر الدین ڈسٹرکٹ پریذیڈنٹ اسلام آباد و ممبر ورکنگ کمیٹی۔ میر مقبول گیلانی خانیار ممبر ورکنگ کمیٹی۔

اس پر ۷ راگست کی شام کو شیخ محمد عبداللہ اور اُن کے ساتھیوں کو رہا کیا گیا اور ۱۵ راگست کی شام کو حضوری باغ سری نگر میں مسلم کانفرنس کا ایک پبلک جلسہ منعقد ہوا۔ جس میں رہا شدگان کو اہل شہر کی طرف سے سپاس نامہ پیش کیا گیا۔ اس جلسے میں شہر سری نگر کے ہندوؤں اور سکھوں نے بھی شرکت کی!

پابندی

۱۷ اگست کی شام کو میر واعظ محمد یوسف شاہ زیارتِ دستگیر صاحب واقع سرائے بالا میں وعظ خوانی کرنے چلے گئے۔ جہاں مسلمانوں کی دو جماعتوں میں زبردست فساد ہوا۔ اس موقعہ پر حکام نے میر واعظ کو بڑی مشکل سے ہجوم کے دستِ شر سے بچایا۔ ہری سنگھ ہائی سٹریٹ کو ٹریفک کے لئے بند کرنا پڑا۔ پولیس اور ملٹری کے دستے بلائے گئے۔ اس موقعہ پر انسپکٹر جنرل پولیس مسٹر لاتھر طنزاً کہہ رہا تھا:۔

Let them say what they say
Do not say "Bakra Chay!"

اس واقعہ کو "الفضل" قادیان نے ایسوسی ایٹڈ پریس کے حوالے سے یوں قلم بند کیا ہے:۔

"کل ایک وعظ کے بعد جس کے سننے کے لئے ہزاروں اشخاص جمع ہوئے، شہید گنج کے قریب مسلمانوں کی دو جماعتوں کے درمیان سخت فساد ہو گیا۔ طرفین نے ایک دوسرے پر پتھروں کی سخت بارش کی۔ پولیس کی جمعیت اور فائر بریگیڈ وقت پر پہنچ گئے۔ ورنہ سخت بدامنی رونما ہونے کا اندیشہ تھا۔ میر واعظ یوسف شاہ اور شیخ محمد عبداللہ کے درمیان سیاسی اختلافات کے باعث دونوں جماعتوں میں کشیدگی ہے۔"

اس قسم کی وعظ خوانی سے شہر کی فضا اور بھی بگڑ گئی۔ غنڈہ گردی اور لوٹ مار کا دور دورہ شروع ہوا۔ اس پر ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کے ایک حکم سے میر واعظ محمد یوسف شاہ ماسوائے جامع مسجد کے، میر واعظ ہمدانی خانقاہ معلے کے، اور شیخ محمد عبداللہ بجز مسجد کے کسی مسجد میں وعظ خوانی نہیں کر سکیں گے۔ یہ پابندی دو ماہ کے لئے نافذ کی گئی۔ کچھ عرصہ بعد شیخ محمد عبداللہ آل انڈیا کشمیر کمیٹی کے اجلاس میں شرکت کرنے لاہور چلے گئے۔ جس کا تذکرہ اوپر آ چکا ہے۔

شیر، بکرا

شیخ صاحب کی رہائی کے بعد شہر سری نگر کے مسلمان باقاعدہ دو ...وں میں تقسیم ہوئے۔ لوٹ مار اور مار پیٹ کے واقعات عام ہوئے۔ ...ن کے چند نعرے مشتر کہ تھے۔ مثلاً جہاں کہیں بھی کوئی مخالف جماعت کا ...نظر آیا، فوراً اُسے گھیر لیا جاتا تھا اور نعرہ لگایا جاتا تھا۔ "یا علی!" ...کا جواب "ململ" سے دیا جاتا تھا۔ یاد رہے اُس دور میں تقریباً ...اہلِ وادی پگڑی کا استعمال کرتے تھے۔ ململ کا مطلب تھا پگڑی ...لی جائے۔ دوسرے ہی لمحہ نرغہ میں پھنسے ہوئے شخص کی پگڑی غائب ...لی تھی۔ اسی طرح "حیدری" کا جواب "چادری" یعنی چادر سے ...تا تھا۔ لوٹ مار کے بعد گرفتار شدہ کی خوب مرمت کی جاتی تھی۔ ...مستعمل ہو کر اُسے چھوڑا جاتا تھا۔ اس لڑائی نے آگے چل کر ایسی

صورت اختیار کی کہ خاوندوں نے بیویوں کو محض اس بنا پر طلاق دے دیا کہ اُس کے والدین شیخ صاحب یا مولانا یوسف شاہ کے معتقدوں میں سے ہیں۔ اور ہمارے یہ محبوب رہنما ان باتوں کو اپنی شان سمجھ کر جاہلوں کی پیٹھ تھوپ رہے تھے۔ یہ واقعہ کس قدر تلخ اور عبرت انگیز ہے کہ شیخ صاحب بہ نفسِ نفیس ہائی سٹک لے کر کئی مرتبہ اپنے والنٹیروں کی رہنمائی کرتے رہے۔ اسی اثنا میں بخشی غلام محمد نے مسلم پولیٹیکل کانفرنس کے والنٹیر کور کی قیادت سنبھالی۔ جس کی وجہ سے بخشی غلام محمد "غلام محمد گاندھی" "سالار" کہلانے لگا۔ بخشی غلام محمد کی قیادت میں مسلم کانفرنس نے ترکی آرمی۔ سیکنڈ ہینڈ وردیاں والنٹیر کور کے لئے خریدیں اور یہ وردیاں مائی سمہ رجمینٹ کو پہنائی گئیں۔ کیونکہ مائی سمہ کے والنٹیر کور میں اکثریت ڈرائیوروں کی تھی جو میر واعظ کے جانبازوں کے ساتھ دو دو ہاتھ کرنے کے لئے گاڑیوں کو ساتھ لے کر زینہ کدل کے مورچہ پر عموماً ان پر دھاوا بولتے تھے۔

آزاد مُسلم کانفرنس

من ازیں بیش نہ دانم کہ کفن دُزدے چند
بہرِ تقسیمِ قبور انجمنے ساختہ اند

ان حالات میں یہ ناممکن تھا کہ میر واعظ مولوی محمد یوسف شاہ مسلم پولیٹیکل کانفرنس کے پلیٹ فارم کا رُخ کرتے۔ مگر سیاسی میدان میں

اُنہیں بھی اپنی لیڈری چمکانے کے دوش بدوش شیخ محمد عبداللہ سے جیتا ہوا میدان واپس حاصل کرتا تھا۔ وہ کیسے خاموش بیٹھتے! اس خیال کو عملی جامہ پہنانے کے لئے اُنہوں نے آزاد مسلم کانفرنس کے نام سے ایک الگ جماعت قائم کی۔ جس میں تقریباً تمام سرمایہ دار مسلمانوں نے ان کا ساتھ دیا۔ عبدالرحیم بانڈے، منشی اسد اللہ وکیل، خضر محمد زرو، منشی اسد اللہ حاجی سوکالی پورہ، غلام محمد ملک المعروف بہ ماہر بجو وغیرہ نے اس کانفرنس کے سنگِ بنیاد میں نہایت ہی اہم کردار ادا کیا۔ عبدالسلام دلال میر واعظ کے لیفٹیننٹ کے طور پر جلوہ گر ہوا۔ جوش و خروش کے ملے جلے جذبہ کے عالم میں میر واعظ نے آزاد مسلم کانفرنس(۱) کا پہلا سالانہ اجلاس جامع مسجد میں منعقد کرنے کا اعلان کیا۔ شیخ محمد عبداللہ اور مولوی ہمدانی کے عقیدت مندوں نے اس

(۱) آزاد مسلم کانفرنس کا وجود خواجہ محمد عبداللہ بسو کے مکان واقع مہاراج گنج میں مولوی محمد یوسف شاہ کے حامیوں کی ایک میٹنگ میں کیا گیا۔ جس میں عبدالسلام یارمو نے مسلم لیگ کا نام تجویز کیا تھا۔ مگر اُن دنوں ہندوستان میں مسلم لیگ کا سیاسی رول عوامی خواہشات اور جذبات کی صحیح عکاسی نہیں کرتا تھا۔ اس لئے مسلم لیگ کے نام کو ناپسندیدہ قرار دے کر صوفی احمد کا تجویز کردہ نام آزاد مسلم کانفرنس کی میر واعظ مولوی یوسف شاہ نے تائید کی اور آزاد مسلم کانفرنس کے نام سے نئی جماعت وجود میں آئی۔

اعلان کو اپنے لئے ایک چیلنج تصور کیا۔ اور اس کانفرنس کو ناکام بنانے
کے لئے انجمن اتحاد و ترقی کے نام سے ایک اور جماعت قائم کی۔ جس نے
ان ہی تاریخوں پر اجلاس منعقد کرنے کا اعلان کیا۔ یہ کانفرنس "شودہ
کانفرنس" کے نام سے مشہور ہوئی۔

ادھر جامع مسجد میں میرواعظ آزاد مسلم کانفرنس کے نام پر والئے
حکومت کو اپنی وفاداری کا یقین دلا رہا تھا، اُدھر شودہ کانفرنس کے
پنڈال واقعہ خانقاہ نقشبندیہ میں غلام نبی گلکار، مولوی عبداللہ وکیل
میاں احمد یار خان، بخشی غلام محمد اور ریاست کے اطراف واکناف
کے نمایندے آزاد مسلم کانفرنس کو کوس رہے تھے۔ اس موقعہ پر غنڈہ
گردی کا خوب مظاہرہ ایک منظم ٹولی کے ذریعہ جامع مسجد کے پنڈال
پر سنگ باری کرا کے کیا گیا۔ جس کے جواب میں آزاد والنٹیر کور
اُن کا پیچھا کرتے ہوئے نوہٹہ تک آتے تھے۔ اس سے آگے بڑھنے
کی اُن میں جرأت نہ پڑتی تھی۔

اُن ہی دنوں مولانا محمد سعید مسعودی نے قادیانیوں کے خلاف
سری نگر میں زبردست مورچہ قائم کیا۔ اور وعظ کی مجلس منعقد کر کے
قادیانیوں کے فتنۂ مرزائیت کو طشت ازبام کیا۔ یہ مولانا مسعودی
ہی کی شخصیت ہے جن کے مضبوط اور اٹل ارادے صحیح رہنمائی
اور شعلہ نوائی نے قادیانیوں کے جمتے ہوئے قدم ریاست سے اکھاڑ
دیئے۔ اس پر طرّہ یہ کہ قادیانی اُن کے خلاف اُس شدت کے ساتھ

پروپاگنڈا کر کے جس شدت سے انہوں نے مولانا میرواعظ مولوی
یوسف شاہ کو ہدف بنایا۔

غرضا یہ دَور مسلمانوں کی انتہائی بدقسمتی، پستی اور ذہنی دیوالیہ
پن کا بدترین دَور تھا۔ اور یہ حالت تقریباً ۱۹۴۷ء تک کچھ کچھ وقفہ
کے بعد تک جوں کی توں قائم رہی!

میرواعظ مولوی محمد یوسف شاہ کی علیحدہ پارٹی قائم کرنے پر ہر
محبِ وطن ریاستی نے اس حرکت کو نفاق اور مایوس کن قرار دیا اور
یہ فیصلہ کیا گیا کہ مسلم کانفرنس کو اس قدر مضبوط بنایا جائے تاکہ ہر اس
یلغار کا مردانہ وار مقابلہ کیا جاسکے، چاہے وہ حکومت کی طرف سے
ہو یا آزاد مسلم کانفرنس کے اشارہ پر کیا جائے۔ اس پروگرام کو
عملی جامہ پہنانے کے لئے مسلم پولیٹیکل کانفرنس کو تنظیمی اور مالی
اعتبار سے مضبوط بنانے کے لئے عملی جد وجہد شروع کی گئی۔ صوبہ
کشمیر اور صوبہ جموں کے تمام قصبوں اور دیہاتوں میں مسلم کانفرنس
کی شاخیں قائم کی گئیں۔ سوپور سے صوفی محمد اکبر، مولوی محمد یسین
بانڈی پورہ سے عبدالرحیم ڈار، عبدالکبیر خان المعروف بہ جیل بابا۔
مختار احمد، ترال سے عبدالغنی ترالی، اسلام آباد سے مرزا محمد افضل
بیگ، گاندربل سے غلام قادر گاندربلی وغیرہ نے اس آواز پر لبیک
کہا اور ان کی شب و روز کوششوں سے مسلم کانفرنس کے تنظیمی
یونٹ ان علاقوں میں قائم ہوئے۔ قومی فنڈ کے نام سے ادارہ بیت

المال قائم کیا گیا۔ جس میں ریاست بھر کے لوگوں نے دِل کھول کر چندہ دینا شروع کیا۔ بخشی غلام محمد اس ادارہ کے منتظمِ اعلیٰ مقرر ہوئے۔

(۱۷)

دوسرا سالانہ اجلاس

اسی اثنا میں شیخ محمد عبداللہ لاہور سے واپس آئے اور دوسرے سالانہ اجلاس کی تیاریاں شروع ہوئیں۔ مسلم کانفرنس کا دوسرا سالانہ اجلاس ۱۵۔ ۱۶۔ ۱۷ دسمبر ۱۹۳۳ء کو میرپور میں منعقد ہوا۔ سرینگر اور قصبہ جات سے ڈیلی گیٹ اجلاس سے چند دِن پہلے میرپور پہنچے۔ اس موقعہ پر غلام محمد صادق کی زبانی اجلاس میں شامل ہونے والے ڈیلی گیٹوں کے بارے میں مندرجہ ذیل معلوماتی بیان خالی از دلچسپی نہ ہوگا جس کا انکشاف صادق صاحب نے نیشنل کانفرنس کے ورکروں کے ایک اجتماع میں تقریر کرتے ہوئے مئی ۱۹۶۳ء میں کیا ــــــ

"ہماری سیاسی زندگی کا ڈھانچہ ہی کچھ بے ڈھب طریقے سے ترتیب دیا گیا۔ جس کے بُرے نتائج آئے دِن کی غنڈہ گردی

کی صورت میں ہمارے سامنے آ رہے ہیں۔ چنانچہ جب ۱۹۳۳ء میں مسلم کانفرنس کا دوسرا سالانہ اجلاس میرپور میں منعقد ہوا ڈیلی گیٹوں کی چند ٹولیاں اجلاس سے چند روز قبل میرپور روانہ ہوئیں اور اجلاس سے عین دو دن پہلے لیڈروں کی پارٹی یہاں سے چل پڑی تو راستے میں ہمیں سینکڑوں ایسے دیہاتی اور گوجر ملے جنہوں نے ہم سے شکایتیں کیں کہ آپ لوگوں سے قبل آنے والے لوگ بڑے غیر معقول اور تکلیف رساں تھے۔ اُنہوں نے ہماری بھیڑ بکریاں اور مرغیاں چرائیں۔ جس کسی نے ان کو ایسا کرنے سے منع کیا، اُس سے لڑ پڑے اور جب ہم لوگ میرپور پہنچے تو مندوبین حضرات نے میرپور والوں کے ساتھ خورد و نوش پر ایسا ہنگامہ کھڑا کیا کہ جس کے نتیجے کے طور پر تین دِن کا اجلاس دوسرے ہی دِن ختم کرنا پڑا۔ اور مندوبین کو وہاں سے رُخصت کیا گیا۔ اس پر ڈیلی گیٹ حضرات آگ بگولا ہو گئے۔ اور اُوڑی روڈ پر پہنچ کر اُنہوں نے فیصلہ کیا کہ جونہی مسلم کانفرنس کے زعما کی پارٹی پہنچے گی اُن کی خوب مرمت کی جائے۔ اس اطلاع کو پا کر ہم چند دن تک میرپور میں ہی ٹھہرے رہے۔"

غرض میرپور سالانہ اجلاس کی صدارت بھی شیخ محمد عبداللہ نے کی۔

اور اُنہوں نے اپنے خطبہ صدارت میں حکومت سے چند شکایتیں کیں۔ جن میں آزادیٔ پریس پر پابندیاں، ضابطہ فوجداری میں دفعہ ۱۰۸ (الف) تبدیلیٔ مذہب پر حقِ وراثت کا نہ ملنا، لیجسلیٹو اسمبلی کا عالمِ وجود میں نہ آنا، میونسپلٹیوں کا موجودہ آئین، مسلمانوں کا سرکاری ملازمتوں میں تناسب آبادی کے لحاظ سے حصّہ۔ زراعت پیشہ طبقہ اور مزدوروں کی طرف سے لاپروائی ———

آپ نے اپنے خطبہ صدارت میں مسلمانوں سے اپیل کی کہ وہ ذاتی تنازعات کو چھوڑ کر آپس میں شیر و شکر ہو جائیں اور غیر مسلموں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا :-

"عوام کے جو حقوق ضائع کئے گئے ہیں، ان میں کسی مخصوص ملت کو ہی نقصان نہیں پہنچا۔ مسلم اور غیر مسلم نقصان میں سب کے سب برابر حصہ دار ہیں۔ حکومت اگر ان تصرفات سے دست بردار ہو جائے تو حاصل شدہ حقوق سے سب اقوام کو یکساں فائدہ پہنچے گا۔ آل جموں و کشمیر مسلم کانفرنس نے جس قدر کارہائے نمایاں انجام دئے ہیں ان میں تمام اقوام کا فائدہ ملحوظ رکھا ہے۔ حقِ ملکیت، رعایتِ جنگلات، کاہچرائی، فیس معافی نذرانہ، آزادیٔ پریس و پلیٹ فارم و انجمن سازی اور اصلاحاتِ اسمبلی وغیرہ جو حقوق عطا ہوئے ہیں ان میں مسلمانوں کی کوئی تخصیص نہیں۔ اور یہ حقوق مسلم کانفرنس نے عوام کے کسی

طبقہ سے حاصل نہیں کئے بلکہ حکومت کے تصرف سے انہیں آزاد کرالیا ہے اور عوام میں تقسیم کیا ہے۔"

اجلاس میں کئی قرار دادیں پاس کی گئیں۔ جن میں ایک مشیر مال مسٹر وی' این مہتہ کے خلاف عدم اعتماد کی تھی جو پاس کی گئی۔ ایک اور قرار داد کے ذریعہ غیر مسلموں سے اپیل کی گئی کہ وہ بھی اس تحریک میں ہمارے دوش بدوش کھڑے ہو کر ملک اور قوم کو ذلت، افلاس اور غلامی سے نجات دلانے کی مہم میں حصہ لیں۔ کیونکہ مسلم کانفرنس کے پیش کردہ مطالبات صرف مسلمانوں تک محدود نہیں بلکہ ان سے ریاست کا ہر فرقہ اور ہر فرد مستفید ہو سکتا ہے۔ پھر کوئی وجہ نہیں کہ آپ اپنے ہم وطن مسلمان بھائیوں کے ساتھ مل کر اس قومی محاذ کو مضبوط بنائیں!

اس اجلاس میں شرکت کے لئے حکیم مشرق علامہ اقبال رح کو بھی دعوت دی گئی تھی۔ دعوت نامے کے جواب میں علامہ موصوف نے جو خط بھیجا، اُس کا متن من و عن درج ذیل ہے :-

لاہور ۱۲۔ اکتوبر ۱۹۳۳ء

ڈیر شیخ عبداللہ صاحب۔ السلام علیکم

آپ کا والا نامہ ابھی ملا ہے۔ مسلم کانفرنس کشمیر کے بارے میں اخبار میں پڑھ کر بہت خوشی ہوئی۔ مجھے یقین ہے کہ بزرگانِ کشمیر بہت جلد اپنے معاملات سلجھا سکیں گے۔ اس بات کے

کانفرنس کا آلۂ کار بنا ہوا ہے، تنزلِ عہدہ کرکے انسپکٹر بنایا۔

بظاہر یہ ایک معمولی سا واقعہ تھا جس پر کسی قسم کی ایجی ٹیشن یا تحریک جاری کرنا کوئی معنی نہیں رکھتا تھا۔ لیکن ینگ مینز مسلم ایسوسی ایشن کو تحریک جاری کرنے کے لئے ایک بہانہ ملا اور ینگ مینز ایسوسی ایشن نے اس واقعہ کو وزن دار بنا کر ایجی ٹیشن شروع کر دی۔ ایک شتر قد پوسٹر شائع کرکے اپنے مطالبات کی لمبی فہرست پیش کر دی اور ایک یاد داشت حکومت کے پاس بھیج دی۔ جس میں عوام کے پیدائشی حقوق کی واپسی کے مطالبے کے ساتھ ساتھ بعض دوسری شکایات کے ازالہ اور ملک میں ذمہ دار نظام حکومت کے قیام کی مانگ کی گئی۔ حکومت کو ان مطالبات کے تسلیم کرنے کے لئے چند دنوں کی مہلت دی گئی۔ میعادِ مقررہ ختم ہونے پر نوجوانوں نے وار کونسل قائم کرکے تحریک شروع کر دی اور تقریروں کا سلسلہ جاری کیا۔ اس طرح دوبارہ گرفتاریوں، جرمانوں اور ظلم و تعدی کا دور شروع ہوا۔ تنظیم کو بہتر ڈھنگ سے چلانے کے لئے وار کونسل پیر مبارک شاہ قادری مدیر ہفت روزہ "رہنما" (ایم ایل اے) کے ماتحت قائم کی گئی۔

خانقاہِ معلےٰ کے صحن میں جلسوں اور تقاریر کا سلسلہ شروع کر دیا گیا۔ حکومت نوجوانوں کے جذبات سے پہلے ہی دہشت زدہ ہو چکی تھی اور اپنی غلطی کا احساس کرتے ہوئے اُس نے یادداشت کا جواب بھیج کر مہلت طلب کی اور کہا کہ مطالبات پر غور کرنے کے لئے وقت دیا جائے۔

۱۴ر جنوری ۱۹۳۴ء عید کا دن تھا۔ حکومت اندرونی شورش سے تنگ آچکی تھی اور چاہتی تھی کہ کسی بھی قیمت پر امن قائم رہے ...سی جذبہ کے تحت گورنر کشمیر نے یہ سمجھ کر کہ گذشتہ سال کی طرح ...ر واعظوں کے درمیان فساد نہ ہوجائے، عیدگاہ میں ڈنڈا پولیس ...یعات کی اور عالی مسجد کے اندر میرواعظ احمد اللہ ہمدانی کو نماز ...ادا کرنے پر پابندی عائد کر دی۔ حکومت کا یہ قدم ینگ مینز مسلم ...سوسی ایشن کے زعماء کے لئے کیمیائی نسخہ بنا۔ اُنہوں نے اس پابندی ...و مذہب میں مداخلت قرار دیا۔ اس کے ساتھ ہی سری نگر میں ایک ...ت خیز ایجی ٹیشن نے جنم لیا۔ حکومت نے اس ایجی ٹیشن کو ...ہ گردی کا نام دے کر مولانا محمد سعید مسعودی، صدرالدین مجاہد، ...مقبول بیہقی، ایم اے صابر، سید غلام محی الدین اندرابی، ...ی غلام مصطفےٰ مسعودی کو ۲۸ر جنوری ۱۹۳۴ء کے دن گرفتار ...کے ایک ایک سال کے لئے جلاوطن کرنے کا حکم دیا اور شہر میں ...ل نافذ کیا۔ حکومت نے میرواعظ احمد اللہ ہمدانی کو وارننگ دی ...خانقاہِ معلےٰ کے سٹیج کو حکومت کے خلاف عوام میں جذبۂ ...ت پیدا کرنے کے لئے استعمال نہ کریں۔ مولانا نے یہ حکم ماننے ...رف انکار کیا بلکہ خود بڑھاپے کی زندگی میں کفنی پہن کر سٹیج ...اور اپنے جذبات کا اظہار کیا۔ میرواعظ ہمدانی کو بھی گرفتار ...لاہور جلاوطن کیا گیا۔ بخشی غلام محمد اور میر غلام حسن گیلانی

کو ریاسی جیل میں نظر بند کیا گیا۔ مسلم کانفرنسی زعماً اور بعض نوجوانوں کے نام وارنٹیں جاری کی گیئں۔ خواجہ غلام محی الدین ہمدانی (زہرا)۔ خواجہ غلام محی الدین قرہ، محمد اقبال بیاپری اور قریشی محمد یوسف کو خانقاہِ معلیٰ میں تقریر کرنے کے جرم میں بارہ بارہ سو روپے جرمانے اور ایک ایک سال قیدِ سخت کی سزا ہوئی۔ اس سے بگڑے ہوئے ماحول میں مزید ابتری پھیلی۔

حکومت کی سخت گیر پالیسی سے شہر اور مفصلات میں ہڑتالیں ہوئیں، جلوس نکالے گئے۔ حکومت نے تشدد کو آنچ دینی شروع کی۔ تازیانوں کے ساتھ اب بھاری جرمانے کی سزاؤں کا اضافہ کیا۔ اکثر گرفتار شدگان غربت کی وجہ سے جرمانے کی رقم ادا نہ کر سکتے تھے اُن کا اثاثہ منقولہ و غیر منقولہ نیلام ہونے لگا اور جرمانے کی رقم وصول کی جانے لگی۔ محلّہ وار تعزیری ٹیکس لگائے گئے اور پولیس چوکیاں قائم کی گئیں۔ غرض حکومت نے سائنٹفک طریقے پر اپنی غریب اور قلاش رعایا کے بدن سے خون کی آخری بوند تک چوس لینے کی ٹھان لی۔ سختیوں، ظلم و ستم اور دباؤ کی اس پالیسی کے

---

[1] اُن دنوں مجاہد منزل زیرِ تعمیر تھا اور بخشی غلام محمد اس کے مہتمم تھے۔ ان کی گرفتاری کے بعد بخشی صاحب پر یہ الزام زور و شور سے لگایا گیا کہ انہوں نے عوامی چندے کا خورد برد کیا ہے۔

باوجود ایجی ٹیشن میں کوئی فرق نہ آیا۔ اس پر ایجی ٹیٹروں میں ذہنی دباؤ ڈالنے کے لئے حکومت نے فرنچائز کمیٹی کی رپورٹ شائع کر دی۔ حکومت کا خیال تھا کہ اس سے عوام کے مشتعل جذبات ٹھنڈے پڑ جائیں گے اور قانون ساز اسمبلی کے قیام کا مژدہ سنتے ہی ایجی ٹیشن ختم ہو جائے گی۔ مگر نہ عوام کو ہی اور نہ عوامی رہنماؤں کو یہ رپورٹ اپنی طرف مائل کر سکی۔ یہاں تک کہ سیالکوٹ سے شیخ محمد عبداللہ نے بحیثیتِ صدر مسلم کانفرنس اپنے ایک بیان میں اس رپورٹ کو مایوس کن دستاویز قرار دیا اور کہا کہ اس سے کسی فرقہ کو کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا ہے۔

پلوامہ میں گولیوں کی بارش

۳ فروری جمعہ کا دن تھا۔ پلوامہ کے مسلمانوں نے عید گاہ میں ایک سٹیج تیار کیا۔ جہاں محمد اکبر ڈار، عبدالغنی ترالی اور دوسرے مقامی رہنما تقریر کر رہے تھے۔ علاقہ کے تحصیل دار نے نادر شاہی حکم نامہ جاری کیا اور اس کی تعمیل کے لئے خود بھی بنفسِ نفیس مسلح پولیس کی ایک جماعت لے کر عید گاہ آئے اور عوام سے پنڈال ہٹانے کو کہا۔ اس پر مجمع میں کھلبلی مچی۔ تحصیل دار نے پولیس کو لاٹھی چارج کرنے کا حکم دیا۔ لوگ بھاگتے بھاگتے تحصیل دار کے خلاف نعرے بلند کرتے رہے۔ ان نعروں کے جواب میں انہیں گولیوں

کا نشانہ بنایا گیا۔ جس سے دس نوجوان شہید ہوئے اور ساٹھ کے قریب زخمی ہوئے۔ اسی طرح بیج بہاڑہ میں بھی ۱۹-ایل، تعزیری ٹیکس اور تازیانوں کی وحشیانہ سزا کے خلاف صدائے احتجاج بلند کیا گیا اور جلوس نکالے گئے۔ یہاں بھی اسی جرم میں نادر شاہی فرمان "امن قائم کرو" کے تحت پولیس اور ملٹری نے گولی چلائی۔ تین قیمتی جانیں ضائع ہوئیں۔ ان واقعات کے تاثرات سے لولاب، ہندواڑہ اور بڈگام وغیرہ علاقے خالی نہ رہے۔ ان علاقوں میں بھی فولادی ہونٹوں سے دُکھی عوام کی زبان بند کرائی گئی۔ جس سے کئی جانیں ضائع ہوئیں۔ حکومت کے ظلم و ستم کے ان واقعات کا تذکرہ ہفتہ وار "صداقت" سری نگر نے "خونِ مسلمان کی ارزانی" کے عنوان کے تحت کیا۔ اور بڈگام میں ہڑتال کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا کہ "ہڑتال اس قدر مکمل تھی کہ ماسوائے چند کُتوں کے کوئی بھی سڑک پر نظر نہیں آتا تھا۔" ان الفاظ کو حکومت نے اپنی طرف منسوب کر کے ایڈیٹر "صداقت" کو ۱۹-ایل کے تحت گرفتار کر لیا اور ساتھ ہی ......
ایڈیٹر "البرق" کو پلوامہ کے حالات درج اخبار کرنے پر گرفتار کر کے چھ ماہ کی قیدِ سخت کی سزا سنائی گئی۔

سیالکوٹ میں مجلس عاملہ کا اجلاس

تحریک تیزی سے جاری تھی۔ خانقاہ معلی کے صحن میں تقاریر

کا سلسلہ جاری تھا۔ ڈکٹیٹر روزانہ تقریر کے بعد گرفتار ہو رہے تھے۔ جب یہ سلسلہ تھمتے نظر نہ آیا اور حکومت پریشان ہوئی تو اس نے لوگوں کے جذبۂ ناراضگی کم کرنے کے لئے فرنچائز کمیٹی کی رپورٹ پر عمل کرنے کا اعلان کیا۔ خیال تھا کہ لوگ اس اعلان سے قدرے مطمئن ہو کر تحریک کو بند کرنے کا فیصلہ کریں گے۔ مگر اس کا اُلٹا اثر ہوا۔ مسلم کانفرنس جو اس وقت تک نوجوانوں کی تحریک سے دور اپنا دامن بچائے ہوئے تھی۔ حکومت کی اس شاطرانہ چال سے حرکت میں آ گئی اور کانفرنس ے صدر شیخ محمد عبداللہ نے جو ریاست سے باہر تھے سیالکوٹ میں جلس عاملہ کا اجلاس طلب کیا۔ مجلس عاملہ کے تقریباً بیس سے یادہ رکن، جن میں غلام نبی گلکار، غلام محمد صادق، شیخ احمد دین ہالی، مولوی عبداللہ وکیل، چودھری غلام عباس خان، شیخ الحمید وکیل، میاں احمد یار خان، منشی عبدالعزیز، اللہ رکھا غر وغیرہ شامل ہیں، بھیس بدل کر ریاست سے باہر چلے گئے۔

ریاست کی سیاسی صورت حال اور فرنچائز کمیٹی کی رپورٹ زہ لینے کے لئے ۱۰ فروری کو سیالکوٹ میں مسلم کانفرنس لس عاملہ کا اجلاس منعقد ہوا۔ جس میں یہ فیصلہ کیا گیا کہ مجلس کو توڑ دیا جائے اور ڈکٹیٹر شپ قائم کی جائے۔ چنانچہ چودھری باس خان کو ڈکٹیٹر بنا کر بھیجا گیا۔ اگرچہ شیخ صاحب متفق اور اُن کا نقطۂ نظر یہ تھا کہ یہ تحریک سوچ سمجھ کر جاری

نہیں کی گئی ہے اور مسلم کانفرنس کا اس کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس لئے گفت و شنید کا سلسلہ جاری کر کے صورت حال کو درست کرنے کی کوشش کی جائے۔ مگر اکثریت نے ان کے ساتھ اتفاق نہیں کیا۔ سری نگر پہنچ کر چودھری غلام عباس خان نے مسلم کانفرنس کی ہدایات کے مطابق وزیر اعظم کرنل کالون کو ایک چٹھی بھیج دی۔ جس میں کہا گیا کہ گلانسی کمیشن کی سفارشات کو پس پشت ڈالنے کے کیا معنی ہیں؟ اس چٹھی میں لیجلیٹو اسمبلی قائم کرنے اور فرنچائز کمیٹی کے متعلق مسلم نقطۂ نگاہ پیش کرنے کے علاوہ مطالبہ کیا گیا کہ ریاستی مسلمان ذمہ وار اسمبلی قائم کرنے کے طلب گار ہیں۔

کرنل کالون نے گلانسی سفارشات کے متعلق شکایات پر بحث کرنے کے لئے چودھری غلام عباس خان کو دعوت دی لیکن چودھری صاحب نے اس دعوت کو یہ کہتے ہوئے ٹھکرا دیا کہ جب تک حکومت آئینی اصلاحات والے معاملے پر بھی گفت و شنید کے لئے تیار نہیں ہوتی۔ یہ ملاقات مفید ثابت نہیں ہو سکتی ہے۔ کرنل کالون فرنچائز رپورٹ پر بحث و مباحثہ اور اُس میں ترمیم کرنے پر تیار نہ تھے۔ کچھ عرصہ بعد چودھری غلام عباس خان نے اُس تمام خط و کتابت کو، جو حکومت اور اُن کے درمیان ہوئی تھی، شائع کر کے ایک بیان کے ذریعہ سول نافرمانی کا حکم دیا۔

چودھری غلام عباس خان کے اس نعرۂ حق سے فضا میں انقلابی جوش و خروش پیدا ہوا۔ جلسوں اور جلوسوں کا نئے سرے سے تانتا بندھا۔ روزانہ خانقاہِ معلیٰ کے پنڈال پر تقاریر کا نیا سلسلہ شروع ہوا۔ اور اس نئے ولولہ اور عوامی جوش و خروش کو دیکھ کر حکومت نے اپنی سخت گیر پالیسی کو اور سخت کر دیا۔ چودھری صاحب نے خانقاہ معلیٰ میں تقریر کرتے ہوئے ریاستی باشندوں سے اپیل کی کہ وہ حکومت کے غیر آئینی ظلم و ستم اور اپنے مطالبات کے لئے پُر امن طور پر اس پنڈال کو اُس وقت تک قائم رکھیں جب تک حکمرانوں کے ایوان میں عوامی چیخ و پکار سے زلزلہ نہ آئے۔ تقریر کے اختتام پر چودھری صاحب کو گرفتار کر کے حکومت کے خلاف نفرت پھیلانے کے جرم میں چھ ماہ کی قید ہوئی۔ اسی دن چودھری صاحب کے ساتھ عبدالغفار والنٹیر نے چودھری صاحب کی تقریر کی تائید کرتے ہوئے ڈاکٹر اقبال کا یہ شعر پڑھا ؎

سُلطانیٔ جمہور کا آتا ہے زمانہ
جو نقشِ کہن تم کو نظر آئے مِٹا دو

عبدالغفار کو بھی چھ ماہ قیدِ سخت کی سزا ہوئی اور حکیم مشرقؒ کے فلسفیانہ شعر کو پڑھنے کی پاداش میں ڈیڑھ سال اور پانچ سو روپے جُرمانے کی سزائے مزید دی گئی۔ عدمِ ادائیگی جُرمانہ مزید چھ ماہ کا حکم سُنایا گیا۔

ہمدانی، اقبال ملاقات

چودھری غلام عباس خان کی گرفتاری پر حالات بہت خراب ہو گئے اور ہر طرف سے انقلابی خبریں آنے لگیں۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے ایک ریاست گیر تحریک نے جنم لیا۔ لاہور میں مولانا میرواعظ احمد اللہ ہمدانی کی جلاوطنی کو اُن کے بڑھاپے کی وجہ سے بڑی قدر کی نگاہوں سے دیکھا گیا۔ اسیری کے اس عالم میں بھی روزانہ مولانا کے گرد و پیش لوگوں کا ہجوم رہنے لگا اور اُن سے کشمیر کے حالات و واقعات دریافت کرتے رہے۔ اخبارات میں مولانا کے ذریعہ کشمیر کی جدوجہد آزادی اور مظلوم کشمیریوں پر حکومت کے ظلم و استبداد کے دل خراش واقعات تفصیل کے ساتھ شائع ہونے لگے۔ جلاوطنی کے اس دور میں اُنہیں ایک مرتبہ حکیمِ مشرق علامہ اقبال سے ملنے کا خیال آیا۔ وقت مقرر ہوا۔ اور میرواعظ کشمیر، بطلِ حریت علامہ اقبال سے ملنے اُن کے دولت کدہ پر تشریف لے گئے۔ علامہ موصوف نہایت خندہ پیشانی سے پیش آئے۔ مزاج پرسی کے بعد سیاسیاتِ کشمیر پر گفتگو ہوئی۔ مولانا نے کشمیری عوام کی جدوجہد آزادی اور حکمران طبقہ کے ظلم و ستم کی طویل داستان سُنائی۔ علامہ اقبال نہایت خاموشی سے میرواعظ کی زبانی واقعات سُنتے رہے۔ غالباً اس کا علاج سوچ رہے تھے۔ چنانچہ مولانا کا سلسلۂ

کلام ختم ہونے کے بعد ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ کتنا بہتر ہوتا، اگر مولانا جلاوطن ہونے کے بجائے کشمیر میں ستمگروں کے ہاتھوں شہید ہو جاتے! اس کا فائدہ یہ ہوتا کہ جس ظلم و ستم کی داستان آپ سُنا رہے ہیں اُس میں بڑی حد تک کمی ہو جاتی! کیونکہ قربانی نجات کا باعث ہوتی ہے۔" میرواعظ حکیم مشرق علامہ اقبال کا یہ مختصر جملہ، جو بے باکی، صاف گوئی اور فلسفۂ حیات کا سرچشمہ ہے، سُن کر سخت خفا ہوئے اور اُٹھ کر چلے آئے۔ مولانا کی علامہ اقبال سے ملاقات کا چرچا کئی دن پہلے سے اخبارات کا موضوع بنا ہوا تھا۔ ملاقات کے وقت اخباری نمائندوں کی ایک خاصی تعداد ڈاکٹر صاحب کی کوٹھی پر تفصیلات جاننے کے لئے موجود تھی۔ میرواعظ کو دیکھتے ہی اُنہوں نے قلم اور کاغذ کو سنبھالتے ہوئے سوال کیا۔ "آپ کی علامہ سے کیا بات چیت ہوئی؟" میرواعظ کوئی سنجیدہ جواب دینے کے بجائے یوں گویا ہوئے کہ "ایک چرسی قسم کے آدمی سے میری کیا گفتگو ہو سکتی ہے!"

آج نہ ہمارے درمیان علامہ اقبال کی ذات گرامی ہے اور نہ میرواعظ ہمدانی کی جلیل القدر ہستی۔ البتہ اُن سے وابستہ واقعات ضرور موجود ہیں۔ غرض لاہور کے قیام کے دوران مولانا کے بارے میں پنجاب کے اخبارات موافقت اور مخالفت میں کالموں کے کالم سیاہ کر رہے تھے ... مسلم کانفرنس کے پنڈال سے ریاستی حکومت سے عوامی مطالبات

کے ساتھ ساتھ میر واعظ کی واپسی کے لئے قراردادیں پاس ہو رہی تھیں۔

مولانا مسعودی کی پُراسرار واپسی

سری نگر میں تحریک زوروں پر تھی۔ مگر پسِ پردہ تحریک چلانے والوں میں اختلافِ رائے پیدا ہوا تھا۔ نُورالدین بانڈے غداری پہ الزام لگایا گیا کہ وہ حکومت کے ساتھ مِلا ہوا ہے۔ اس پر ینگ مینز مُسلم ایسوسی ایشن کے دائیں بازو نے مولانا محمد سعید مسعودی کو لاہور اطلاع بھیج دی۔ مولانا مسعودی، صدرالدین مجاہد کو لے کر لاہور سے چل پڑے۔ دومیل چونگی پوسٹ کو عبور کرنے کے لئے مولانا نے بھیس بدل دیا اور گوجروں کا لباس پہن کر اور سر پر گھاس کی گٹھڑی لاد کر ریاست کی حدود میں داخل ہوئے۔ اسی بھیس میں سری نگر پہنچے اور محمد شعبان عرف "چری بُڈھا" کے مکان واقع فتح کدل میں داخل ہوئے۔ راتوں رات تمام بچے کھچے ورکروں کو خبر دی گئی۔ چند دِنوں تک باہمی صلاح ومشورے ہوتے رہے۔ . . . آخرکار یہ طے پایا کہ مولانا بھی خانقاہ معلّی کے سٹیج پر آکر تقریر کریں۔ چنانچہ مولانا مسعودی کے ساتھ صدرالدین مجاہد نے بھی تقریر کی۔ انہیں گرفتار کر کے جیل بھیج دیا گیا۔ اس کے چند دِنوں بعد تحریک سرد پڑ گئی۔ اس کی بُنیادی وجہ یہ ہوئی کہ حکومت نے اسمبلی کے لئے انتخابات کرانے کی تیاریاں قریب مکمل کی

تھیں۔ اپریل کے تیسرے ہفتے میں ریگولیشن نمبر ۱ آف سمت ۱۹۹۱ شائع ہوا۔ جس میں مجوزہ اسمبلی کے اختیارات درج تھے۔ ان ہی دِنوں شیخ صاحب سیالکوٹ سے سرینگر آئے اور گرفتاری سے بچے ہوئے ارکان کانفرنس سے مشورہ کر کے اعلان کیا۔ اگرچہ اسمبلی کا موجودہ ڈھانچہ ہمیں قبول نہیں۔ کیونکہ وہ ہماری خواہشات اور اُمنگوں کے مطابق نہیں ہے۔ تاہم ہمیں تدبّر سے کام لینے کی ضرورت ہے اور حکومت کو اپنے بُرے ارادوں میں کامیاب ہونے کا موقع نہیں دینا چاہیئے ہمیں چاہیئے کہ ہم اس انتخاب میں حصہ لیں اور حکومت اور دُنیا پر واضح کر دیں کہ مسلم کانفرنس کی کتنی طاقت ہے۔ چنانچہ ان کی اس رائے سے اتفاق کیا گیا۔ اس طرح انتخابات میں حصہ لینے کا فیصلہ لیا گیا۔ اور چودھری غلام عباس خان جوکہ اودھم پور جیل میں قید کے دِن کاٹ رہے تھے، شیخ محمد عبداللہ نے حکومت سے اجازت لے کر اُن سے مُلاقات کی اور انتخابات میں اُن کی حمایت حاصل کرنے کی کوشش کی۔ مگر چودھری صاحب کو وہ مائل نہ کر سکے۔ اس پر اُن کی اسیری سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے یہ پروپیگنڈا کیا گیا کہ چودھری صاحب کے مشورے اور رائے سے سِول نافرمانی کی تحریک ملتوی کی جارہی ہے۔ اور چودھری صاحب کی حمایت اور ہدایت پر ہی انتخابات میں حصہ لیا جارہا ہے۔ یاد رکھنے کے قابل ہے کہ چودھری غلام عباس خان نے اسمبلی کے بائیکاٹ کا اعلان کیا اور جیل چلے گئے۔ شیخ محمد عبداللہ نے جماعت

کے فیصلہ کے خلاف صریح عمل کیا۔ اس واقعہ پر شیخ صاحب کی سیاسی مزاج کا تجزیہ کرتے ہوئے چودھری غلام عباس اپنی خود نوشت سوانح عمری میں اُن کے متعلق اپنے تاثرات کو یُوں بیان کرتے ہیں :—

"شیخ صاحب کی طبیعت کا یہ پہلو واضح رہے کہ جب تک وہ دوست ہیں تو پکّے دوست ہیں۔ لیکن جب بھی وہ اپنی آنکھیں پھیر لیتے ہیں تو دُشمنی میں بڑے سے بڑا دُشمن بھی اُن کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ مجھے اس حقیقت کا اعتراف ہے کہ جب تک ہم اکٹھے تھے، ہم دونوں کے درمیان کسی معاملہ میں اختلاف نہ ہوا۔ اور اکثر متنازعہ فیہ معاملات میں شیخ صاحب میری طرف جُھکنے پر مائل ہو جاتے تھے۔ لیکن ان کی طبیعت اور سیاسی زندگی کا سب سے بڑا سقم آزادیٔ رائے کا فقدان رہا ہے۔ اُن کے لئے ہمیشہ ایک مشیر کا حاصل ہونا ضروری ہے اور یہ مشیر حالات کے مطابق بدلتے بھی رہے ہیں۔ ہر اہم معاملہ کے حُسن اور قبح پر وہ سنجیدگی سے غور کر سکتے ہیں اور بحث و تمحیص میں حصّہ بھی لے سکتے ہیں۔ لیکن آخری فیصلہ کبھی اُن کے بس کا روگ نہیں رہا۔" ["کشمکش" صفحہ ۱۹۵]

۱۹

فرنچائز رپورٹ

سیاسیاتِ کشمیر سے دلچسپی رکھنے والوں کے لئے یہ جاننا ضروری ہے کہ فرنچائز رپورٹ کیا تھی اور اس کے ذریعہ کون سے حقوق باشندگان ریاست کے تسلیم کئے گئے۔

۳۱ رمئی ۱۹۳۲ء کو مسٹر گلانسی کی سفارشات پر ایک فرنچائز کمیٹی سر بیور دلال کی صدارت میں مقرر کی گئی۔ جس کے دوسرے ممبران یہ تھے :- مسٹر ایل، ڈبلیو جارڈین نائب صدر، راؤ بہادر سردار ٹھاکر کرتار سنگھ ممبر۔ خان بہادر شیخ عبدالقیوم ممبر۔ مسٹر رام ناتھ شرما رجسٹرار ہائیکورٹ سیکرٹری (بعد میں سر آئیوا لیٹ نے ۲۴ رمارچ ۱۹۳۳ء کو مسٹر جارڈین کی جگہ لے لی اور رام ناتھ شرما کی جگہ ہیرانند رینہ کمیٹی کا سیکرٹری مقرر ہوا۔) کمیٹی نے سفارش کی کہ

لیجسلیٹو اسمبلی کے کُل ممبران کی تعداد بمعہ ۱۶ سولہ کونسلروں اور بارہ اہل کاروں یا سرکاری ممبروں کے ۷۵ ہو۔ مسلمان منتخبہ ممبران ۲۱ ــ ہندو ۱۰ اور سکھ ۲ دو ہوں۔ نامزد ممبر ۳۰

مسلمان ممبران کی تعداد کم از کم ۳۲ } ماسوائے ۱۲ سرکاری ممبروں کے
ہندو " زیادہ سے زیادہ ۲۵ }

اس کمیٹی نے حق رائے دہندگی، اسمبلی کی ہیئت ترکیبی، منتخبہ رکنیت اسمبلی کے متعلق اپنی رپورٹ پیش کی۔ جس کو مہاراجہ ہری سنگھ نے ۲۰ جنوری ۱۹۳۴ء کو منظور کرتے ہوئے نافذ العمل قرار دیا۔

مسودۂ قواعدِ انتخاب

(۱) کسی حلقۂ انتخاب کی فہرست میں ہر وہ شخص درج ہونے کا مستحق ہوگا جس میں مندرجہ ذیل قابلیتوں میں سے کوئی نہ ہو :ــ

(الف) جو اعلان نمبر ا ــ ایل / ۱۸۹۴ مورخہ ۱۸ اپریل ۱۹۲۷ء میں تعریف شدہ اقسام میں سے کسی قسم کا سٹیٹ سبجکٹ نہ ہو۔

(ب) جس ماہ میں فہرست رائے دہندگان شائع ہو، اُس کی پہلی تاریخ کو ۲۱ برس کی عمر کو نہ پہنچ چکا ہو۔ یا

(ج) جو کسی عدالت مجاز نے فاتر العقل قرار دیا ہو۔ یا

(د) اگر عورت ہو تو مڈل پاس سرٹیفکیٹ یا کوئی دیگر سارٹیفکیٹ جس کا ذکر قاعدہ ۴ ۔ ۵ میں ہے یا اس نے کوئی اعلےٰ درجہ کا

امتحان پاس کرنے کا سرٹیفکیٹ حاصل نہ کیا ہو۔ اور جو اُن اوصاف سے متصف ہے جو اس حلقۂ انتخاب کے رائے دہندگان کے لئے قواعد نمبر ۲، ۳، ۴ میں مقرر کی گئی ہیں۔

(۲) وہ شخص قابلیت رائے دہندگی سے متصف ہوگا :ــ

(الف) مسلم حلقۂ انتخاب میں جو مسلم ہے۔

(ب) سکھ حلقہ انتخاب میں جو سکھ ہے۔

(ج) کسی دیگر حلقۂ انتخاب میں وہ، جو نہ سکھ ہو اور نہ مسلم!

(۳) کوئی شخص فقط اُس حلقہ انتخاب کا رائے دہندہ ہوسکتا ہے۔ جس میں وہ عموماً سکونت رکھتا ہو یا کاروبار کرتا ہو۔ لیکن شرط یہ ہے کہ کوئی شخص بھی اس امر کا مستحق نہ ہوگا کہ وہ ایک سے زیادہ حلقہ ہائے انتخاب میں اپنا نام درج کرائے۔ مگر اس بات کا اُسے اختیار ہوگا کہ وہ جس حلقۂ انتخاب میں اپنا نام درج کرانا چاہتا ہے، اُسے منتخب کرے۔

(۴) کوئی شخص رائے دہندہ ہوسکتا ہے جو اوصافِ ذیل میں سے کسی ایک سے متصف ہو :ــ

(۱) ذیل دار۔ سفید پوش یا نمبردار ہو۔

(۲) کسی مسجد کا امام یا مفتی یا کسی مندر کا ادھشٹاتا ہو یا کسی گورو دوارہ کا بھائی یا گرنتھی ہو۔ یا کسی مسیحی گرجا گھر کا مقرر شدہ پادری ہو اور فہرست رائے دہندگان کی تیاری سے

کم از کم چھ ماہ قبل سے یہ کام کرتا ہو۔

(۳) مسلمہ خطاب یافتہ ہو۔

(۴) ریٹائرڈ یا پنشن یافتہ افسر ہو یا ہز میجسٹی یا ہز ہائی نس کی افواج کا نان کمیشنڈ آفیسر یا سپاہی ہو۔ بشرطیکہ وہاں سے وہ رسوائی کن حالت میں برطرف نہ ہوا ہو۔

(۵) ریاست ہذا کے خزانہ سے یا کسی دیگر سرکاری خزانہ سے کم از کم دس روپے ماہوار پنشن لیتا ہو۔

(۶) ڈاکٹر، حکیم، وئید، وکیل یا مدرس ہو۔ جو اس ریاست میں فی الواقع اپنے پیشہ پر کاربند ہو۔

(۷) مڈل سکول سرٹیفکیٹ یا بدھیان، رتن، ادیب، منشی، مولوی یا پراجنا کا سرٹیفکیٹ یا اس سے کوئی اعلےٰ درجے کا امتحان پاس کرنے کا سرٹیفکیٹ حاصل کیا ہو۔

(۸) اتنی آراضی کا مالک ہو کہ جس کا مالیہ مشخصہ کم از کم بیس روپے سالانہ ہو۔

(۹) علاقہ دار ہو۔

(الف) جاگیردار، معافی دار یا گذارہ خوار ہو۔ جس سے کم از کم بیس ۲۰ روپے سالانہ مالیہ تفویض ہو۔

(۱۰) مزارع موروثی، جو کم از کم بیس روپے سالانہ لگان ادا کرتا ہو۔

(۱۱) ریاست ہذا میں جائداد غیر منقولہ ماسوائے اراضی کا مالک ہو،

جس کی مالیت چھ سو روپے سے کم نہ ہو۔

(۱۲) کم از کم بیس روپے سالانہ فیس کاہ چرائی گورنمنٹ کو ادا کرتا ہو۔ مگر بکروال نہ ہو۔

(۵) جہاں دو یا دو سے زیادہ اشخاص اُس اراضی کے، جس کا مالیہ تشخیص کیا گیا ہو یا تفویض مالیہ میں یا کسی دیگر جائداد غیر منقولہ میں یا موروث میں بطور حصہ دار ہوں تو ہر وہ شخص قابلیت رائے دہندگی سے متصف ہوگا جس کی ایسی اراضی جائداد، تفویضگی مالیہ یا موروث میں حصہ الگ ہونے پر قابلیت رائے دہندگی بحال رہے گی۔ اُس شخص کا حصہ، جو اکیس ۲۱ برس سے کم عمر کا ہو، اُس کے باپ کا سمجھا جائے گا۔ اور اگر باپ وفات پا چکا ہو تو اُس کے سب سے بڑا بھائی کا، بشرطیکہ اُس کا باپ یا سب سے بڑا بھائی، جیسی کہ صورت ہو، جائداد میں اس کا حصہ دار ہو۔

اگر تقسیم جائداد کرنے پر ان میں سے کوئی بھی شخص رائے دہندہ بننے کا مستحق نہ ہوگا تو ان میں سے کوئی ایک یا دو یا اتنے جتنی دفعہ کہ کُل مالیہ یا تفویضگی مالیہ یا لگان موروث بیس ۲۰ میں تقسیم ہو سکتا ہو یا جتنی دفعہ کہ کُل جائداد غیر منقولہ چھ سو روپے سے تقسیم ہو سکتی ہو، رائے دہندہ بننے کے مستحق ہوں گے۔ شرکائے حصہ اُن اشخاص کو نامزد کریں گے جو اس طرح بطور رائے دہندہ

ووٹ دینے کے قابل ہوں گے۔

(۶) ان قواعد کی غرض کے لئے کسی شخص کی نسبت یہ سمجھا جائے گا کہ وہ اُس مدت کے لئے جائداد کا مالک رہا ہے یا فیس ادا کی ہے جس مدت کے لئے وہ کسی شخص کے ذریعہ، جس سے اُسے وراثت کا حق پہنچتا ہے، مالک جائداد رہا ہو، یا فیس ادا کی ہو۔

(۷) ہر ایک حلقۂ انتخاب کے لئے ایک فہرست رائے دہندگان شائع کی جائے گی۔ جس میں اُن تمام اشخاص کا نام درج ہوگا جو اس حلقہ کے رائے دہندگان میں درج ہونے کے مستحق معلوم ہوں۔ یہ فہرست اُسی حلقہ میں بمعہ ایک نوٹس کے شائع ہوگی جس نوٹس میں یہ صراحت ہوگی کہ فلاں طریقہ سے فلاں وقت تک کوئی شخص، جس کا نام درجِ فہرست نہ ہوا ہو، مگر وہ اندراج کا دعوےٰ دار ہے یا کوئی وہ شخص، جس کا نام درج ہو۔ مگر وہ اپنے یا اور کسی شخص کے نام درج ہونے پر معترض ہو تو افسر نگران کے پاس اپنا دعوےٰ یا عذر پیش کر سکتا ہے۔

(۱) افسر نگران کا حکم قطعی ہوگا اور فہرست رائے دہندگان کو اس حکم کے مطابق ترمیم کیا جائے گا۔ وہ فہرست اس ترمیم کے بعد گورنمنٹ کے مقرر کردہ طریق پر شائع ہوگی۔

(۸) کوئی شخص موقعہ انتخاب پر ووٹ نہیں دے سکے گا۔ اگر اُس تاریخ پر، جب کہ پرچی ڈالی جائے گی وہ شخص سزائے قید بھگت رہا ہو یا پابندِ ضمانتِ نیک چلنی کیا گیا ہو اور ضمانت کا عرصہ ابھی ختم نہ ہوا ہو۔

(۹) کوئی شخص کسی حلقہ انتخاب کے لئے اسمبلی ممبر منتخب ہو سکتا ہے بشرطیکہ وہ:۔

(الف) ۲۵ برس سے زیادہ عمر کا ہے اور

(ب) اُردو زبان میں نوشت و خواند کر سکتا ہے اور

(ج) اس حلقہ کے رائے دہندوں کی فہرست میں درج ہے یا اگر وہ حلقہ انتخاب شہری ہو تو اُس شہر کی فہرست رائے دہندگان میں درج ہوا ہو جس شہر کا وہ حصہ انتخاب کا ایک حصہ ہو اور

(د) جس ماہ میں فہرست رائے دہندگان شائع ہو، اُس کی پہلی تاریخ سے بارہ ماہ پہلے سے اُس حلقہ انتخاب یا شہر میں عموماً سکونت پذیر ہو یا کاروبار کرتا ہو۔

نوٹ:۔ اس قاعدہ کی غرض کے لئے کسی حلقہ انتخاب میں سکونت پذیر مانا جا سکتا ہے اگر وہ اس حلقہ میں ایک خاندانی مکانِ رہائشی کا مالک ہے یا اپنے مکان کا حصہ دار ہو اور وہ مکان سالم یا اُس کا کوئی حصہ پیشتر کے بارہ ماہ کے عرصہ میں کرایہ پر

نہ دیا گیا ہو۔

(۱۰) کوئی شخص، جس کی تجویز مجرمیت کسی فوجداری عدالت نے ایسے جرم کے تحت کی ہو، جس کی سزا ئے قید چھ ماہ سے زائد ہو اور اگر اُس کا جرم معاف نہ کیا گیا ہو۔ تو وہ اختتامِ سزا کی تاریخ سے پانچ سال تک انتخاب میں کھڑا ہونے کے قابل نہیں ہو سکتا۔

(۱۱) کوئی شخص منتخب نہیں ہو سکتا جو غیر بے باق شدہ دیوالیہ ہو یا جس نے بے باق شدہ دیوالیہ قرار دئے جانے پر عدالت سے اس بحث کی تصدیق حاصل نہیں کی ہو، کہ اُس کا دیوالیہ اُس کی بد اعمالی کے بغیر بد قسمتی کا نتیجہ تھا۔

(۱۲) جو شخص انتخاب کے متعلق مروجہ قواعد کے تحت ناجائز طریقہ استعمال کرنے کا مجرم ثابت ہوا ہو، اُس کا نام فہرست رائے دہندگان سے خارج کیا جائے گا اور اس فیصلہ کی تاریخ سے پانچ سال تک کسی فہرست رائے دہندگان میں درج نہیں کیا جائے گا اور ایسا شخص اتنے عرصہ کے لئے اسمبلی کے لیے منتخب ہونے کا بھی حق دار نہیں ہوگا!

اِنتخابات

گو کہ کشمیری لیڈروں کی خواہشات ہندوستان میں تحریکِ آزادی

کی جنگ لڑنے والے جانبازوں سے کم نہ تھیں۔ اور وہ ایک ایسی اسمبلی جس کے وجود کی حقیقت ایک "شو بولئے" سے زیادہ حیثیت نہ رکھتی تھی۔ کو کسی قیمت پر قبول کرنے کے لئے تیار نہ تھے۔ مگر حالات کے پیش نظر وہ اس سے زیادہ کی توقع بھی تو نہیں رکھ سکتے تھے۔ اس لئے شیخ محمد عبداللہ نے سری نگر پہنچ کر جیل سے باہر بچے ہوئے رفقاء سے تبادلہ خیالات کر کے اور زبردست بحث و تمحیص کے بعد یہ فیصلہ کیا کہ مسلمانوں کو اس موقعہ سے پورا پورا فائدہ اٹھاتے ہوئے اسمبلی کے انتخابات میں حصہ لینا چاہیئے، پھر چاہے وہ مجوزہ اسمبلی کی تشکیل آئین یا اختیارات سے مطمئن ہوں یا نہیں۔ اس طرح سے جو فوری فائدہ ریاستی باشندوں کو ہوگا۔ وہ یہی کہ حکومت پر واضح ہو جائے گا کہ مسلم کانفرنس کو ریاست میں کیا حیثیت ہے اور اُن فرقہ پرستوں پر یہ راز افشا ہو جائے گا جو یہ کہتے اور پروپیگنڈا کرتے پھرتے رہے ہیں کہ مسلم کانفرنس نام کی جماعت مخصوص افراد کی ٹولی ہے۔ ان تمام سازشوں اور الزامات کا واحد علاج انتخابات لڑ کر اور اپنے نمائندے چن کر اسمبلی میں بھیجنے میں مضمر ہے۔ یہ فیصلہ ہوتے ہی ریاستی حکومت سے کہا گیا کہ چونکہ مسلم کانفرنس پر امن ماحول میں انتخابات لڑنا چاہتی ہے اور حالیہ تحریک میں ملک کے سیاسی اُفق سے دلدوز گرد کے بادل ہٹ جائیں اور مطلع صاف ہو جائے۔ حکومت نے مسلم کانفرنس کے زعماء کے اس

مطالبے کو جائز قرار دیتے ہوئے یقین دلایا کہ حالات سازگار ہوتے ہی تمام سیاسی قیدیوں کی رہائی عمل میں لائی جائے گی۔

لیکن ماہ جون میں جبکہ کاغذاتِ نامزدگی داخل کرنے میں صرف دو دن رہ گئے۔ حکومت نے گرفتار شدگان کو رہا کرنے سے صاف انکار کیا۔ اس نازک موقع پر مسلم کانفرنس کے کارکنوں نے ہمت نہ ہاری۔ اُنہوں نے پارٹی کے تمام ورکروں کو بذریعہ تار اطلاع دی کہ وہ انتخابات کے لئے کھڑے ہو جائیں اور اس بات کی بالکل پروا نہ کریں کہ قابل اشخاص دستیاب ہوتے بھی ہیں یا نہیں۔ اس طرح مسلم کانفرنس نے اسمبلی کے تجربات کی پہلی کسوٹی پر پُورا اُترنے کی ٹھان لی، کاغذات نامزدگی داخل کرنے کے بعد انتخابی مہم کو تیز تر کرنے کے لئے سری نگر میں محلہ وار تقریروں کا سلسلہ شروع ہوا کیونکہ آزاد مسلم کانفرنس نے سرینگر کے پانچ مُسلم نشستوں کے لئے اپنے اُمیدوار کھڑے کئے تھے جس سے شہر سری نگر میں انتخابی مُہم میں بڑی گرما گرمی پائی جاتی تھی۔ اور ہار جیت کے اس کھیل میں "شیر بکرا" کی صدائے بازگشت بھی سُنائی دے رہی تھی جس سے کبھی کبھی لُوٹ مار اور بلوؤں کی صورت حال سے بھی اہل شہر کو دو چار ہونا پڑتا تھا۔

۴ ستمبر کو پولنگ شروع ہوئی اور ووٹ ڈالے گئے۔ مسلمانوں کی پانچوں نشستوں پر مُسلم کانفرنس کا قبضہ ہوا۔ اور آزاد کانفرنس

نے شکست کھائی۔ انتخابات کے ان نتائج میں میرواعظ پارٹی کا رہا سہا بھرم کھُل گیا۔ ان انتخابات پر تبصرہ کرتے ہوئے چودھری غلام عباس خان صاحب اپنی خُود نوشت سوانح حیات میں لکھتے ہیں :-

"مسلم کانفرنس منظم جماعت تھی۔ اس کے کارکنوں کی تعداد بہت تھی۔ جو تمام کے تمام آزمودہ کار تھے۔ اور قید و بند کے مصائب جھیلنے کے لئے ہر وقت تیار رہتے تھے۔ اس کے برعکس میرواعظ میں یہ باتیں مفقود تھیں۔ اس لئے آخر کار میرواعظ کا پہلا رسُوخ و اثر بہت کم ہو گیا۔ اور اُن کی تحریک اپنے ذاتی حلقہ اثر تک محدود ہو کر رہ گئی۔ میرواعظ اپنے مخصوص مذہبی ماحول کی وجہ سے قید و بند کے لئے موزون نہ تھے۔ گو قید و بند کے معاملے میں شیخ محمد عبداللہ بھی پھسڈی واقع ہوئے تھے۔ جو ہمیشہ چور دروازہ کے ذریعہ ہی جیل سے باہر آئے۔ لیکن وقت کی پکار، ضرورت، اور مجبوری کے "محاسن" سے خوب واقف تھے۔"

("کشمکش" صفحہ ۱۵۲)

انتخابات کے نتیجے میں مندرجہ ذیل اصحاب عوامی نمایندے بن کر اسمبلی منتخب ہو کر گئے :-

کانفرنس کی ٹکٹ پر کامیاب اُمیدوار	حلقہ انتخاب	بمقابلہ آزاد مُسلم کانفرنس
خواجہ علی محمد	فتح کدل	
مولوی محمد عبداللہ وکیل	ٹنکی پورہ	
	خانقاہِ معلی	خواجہ عبدالاحد فاروقی عرف اخند کشرو



۳، حاجی احمد اللہ شہدلو — تاش وان

۴، سید حسین شاہ جلالی — رعناواری — خواجہ مظفر شال

۵، خواجہ غلام محمد صادق — امیراکدل — خواجہ سعدالدین شال

بلا مقابلہ ممبران :-

۶، خواجہ ثنا اللہ شاہ درگولہ ہندواڑہ

۷، خواجہ غلام محی الدین خان بٹگام

۸، خواجہ غلام حسن ملک کولگام

۹، خواجہ محمد اکبر ڈار وبہ گام (اسلام آباد)

۱۰، میاں احمد یار خان مظفر آباد

۱۱، ایم فتح محمد خان پونچھ

۱۲، الیاس خان محمد پونچھ

۱۳، چودھری عبدالکریم جموں

۱۴، چودھری عبداللہ خان بھلی جموں

۱۵، شیخ محمد امین جموں شہر

۱۶، کرنل عبدالرحمان خان ادھم پور

۱۷، میجر عطا محمد ریاسی

۱۸، میاں قربان احمد کٹھوعہ

۱۹، راجہ مروت خان بھمبر

۲۰، مرزا محمد افضل بیگ اسلام آباد

۲۱، خواجہ محمد شفیع شاہ بارہ مولہ

ہندو نمائندے :-

۱، پنڈت امرناتھ کاک سرینگر

۲، پنڈت جیالال کلم سرینگر

۳، لالہ امرناتھ کوہلی جموں

۴، پنڈت دیوراج شارما جموں

۵، بخشی موتی رام جموں

۶، چودھری جاید سنگھ جموں

۷، پنڈت رام چند دوبائی جموں

۸، کوتوال چمن رام جموں

۹، وزیر گنگا رام ریاسی

۱۰، پنڈت گوبند رام بالو کشمیری

سکھ نمائندے :۔

(۱) سردار بدھ سنگھ میرپور پونچھ سکھ

(۲) سردار کہنیا سنگھ کشمیری سکھ

۱۷ اکتوبر ۱۹۳۴ء کو ریاستی اسمبلی کا افتتاحی اجلاس دربار گڑھ جموں میں منعقد ہوا۔ جس میں مہاراجہ ہری سنگھ نے بھی شمولیت کی اور وزیر اعظم نے ریگولیشن ۱ آف سمت ۱۹۹۱ جو کہ اپریل ۱۹۳۴ء کے تیسرے ہفتے میں شائع ہوا تھا۔ پڑھ کر سنایا جس میں مجوزہ اسمبلی کے اختیارات درج تھے۔ اور مہاراجہ ہری سنگھ کی طرف سے اسمبلی کے وجود میں آنے پر پیغام تہنیت بھی شامل تھا اسمبلی کا پہلا اجلاس ۲ نومبر تک جاری رہا۔ اسمبلی کے اس سیشن میں مسلم کانفرنس پارٹی کے لیڈر میاں احمد یار خان نے اپنی تنظیم کا نقطۂ نظر پیش کرتے ہوئے کہا کہ "اس وقت جو ڈھانچہ پیش کیا گیا اور جو آئین ہمارے سامنے رکھا گیا۔ اس سے بہتر آئین کے ریاستی عوام مستحق ہیں۔"

(۲۰)
مُسلم کانفرنس کا تیسرا اجلاس

۱۱، ۱۲، ۱۳ نومبر ۱۹۳۴ء کی تاریخیں مُسلم کانفرنس کے سالانہ اجلاس کے لئے مقرر ہوئیں۔ مسلم کانفرنس کے جیل سے بچے ہوئے رہنماؤں نے اجلاس کی کامیابی پر اپنی تمام تر توجہ مرکوز کی۔ یہ اجلاس اس لحاظ سے بھی اہم کہلانے لگا۔ کیونکہ سری نگر سے ۳۲ میل دُور سوپور جیسے پس ماندہ علاقے کے باشندوں نے اپنی سیاسی سُوجھ بُوجھ اور روشن ضمیری کا ثبوت دیتے ہوئے سوپور میں اجلاس منعقد کرنے پر اصرار کیا۔ اس اجلاس میں میاں احمد یار خان کو صدارت کے فرائض تفویض ہوئے۔ اُنھوں نے اپنے خطبۂ صدارت میں اس امر پر خصوصی طور پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ وہ اس آئین سے کسی بہتر آئین کے قائل تھے جو اُن کو دیا گیا۔ اُنھوں نے گلانسی سفارشات کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے پر زور دیتے ہوئے حکومت سے مطالبہ کیا کہ ریاستی

عوام کے معیارِ زندگی کو بڑھانے کے لئے صحت اور صنعت و حرفت کے وسیع ذرائع کو بڑھاوا دینے کے لئے اپنی مشینری کو حرکت میں لائے ۔۔۔۔

میاں احمد یار خان نے اپنے خطبہ صدارت میں ہندو مُسلم اتحاد کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا:۔

"آل جموں وکشمیر مسلم کانفرنس ہز ہائینس مہاراجہ بہادر کے زیرِ سایہ اس ملک اور جمیع باشندگانِ ملک کو ترقی اور اصلاح یافتہ بلالحاظ مذہب و ملت دادگستری سے مستفید ہوتا ہوا دیکھنا چاہتی ہے۔"

نیا نعرہ، نئی اُمنگ

مسلم کانفرنس کے سالانہ اجلاس کے اختتام پر شیخ محمد عبداللہ سیاسیات ہند کا بغور مطالعہ کرنے کی غرض سے ہندوستان کے مختلف علاقوں میں پھرتے رہے۔ ان ہی دنوں اُن کی ملاقات پنڈت جواہر لال نہرو سے ہوئی اور ہندوستان کے تقریباً تمام سیاسی جماعتوں کے لیڈروں سے تبادلہ خیالات کرتے رہے۔ چنانچہ لاہور میں آپ نے ڈاکٹر سیف الدین کچلو کے مکان پر ایک پریس کانفرنس میں بیان دیتے ہوئے کہا ۔۔۔

"کشمیر میں فرقہ وارانہ فسادات بہت حد تک پنجاب کے فرقہ

پرست لیڈروں کے پروپیگنڈا کا نتیجہ ہیں۔ ہم چاہتے ہیں
کہ پنجاب کے لوگ ہمارے اندرونی معاملات میں کوئی دخل نہ کریں
... ان کا پروگرام کانگریس کے اصولوں پر کام کرنا ہوگا۔
اور میں عنقریب وطن جاکر اس قسم کی ایک انجمن کی بنیاد ڈالنا
چاہتا ہوں۔ جو قوم پرور نظریہ کی حامی ہو۔"

شیخ محمد عبداللہ کے اس بیان کو جہاں پنجاب میں اُن کی قوم پرستی اور وسیع القلبی سے تعبیر کیا گیا۔ وہاں مسلمانوں کی کئی جماعتیں اُن سے بدظن ہوئیں۔ اور اُن کے خلاف پروپیگنڈا کی زبردست مہم شروع کی گئی۔ اس پر طرّہ یہ کہ ہندوؤں کی وہ ٹولی، جو مسلم کانفرنس کو فرقہ پرست جماعت کہہ کر اُس کے خلاف سرد جنگ میں اپنے لیل و نہار صرف کر رہی تھی۔ اس بیان کو ڈپلومیسی اور مکر و فریب سے تعبیر کرنے لگی۔ لاہور سے واپسی پر اُنہوں نے اپنے بیان کو عملی صورت دینی شروع کی۔ اُنہیں مسلم کانفرنس کے حامیوں سے یہ نظریہ منوانے میں کوئی دشواری پیش نہ آئی۔ گو کہ مسلمانوں کی تحریک کو ہر قدم پر فرقہ وارانہ رنگت حاصل ہوتی رہی۔ مگر اُن کے مطالبات میں مُلک کی بہتری مقصود تھی۔ اور مسلم کانفرنس حکومت سے جو مطالبات کر رہی تھی۔ وہ کسی ایک خاص طبقہ تک محدود نہ تھے۔ مثلاً ریاست میں مجلس قانون سازیہ کا قیام۔ پریس، انجمن سازی اور تقریر کی آزادی۔ زمینداروں کی شکایات کا انسداد

رشوت ستانی کی روک تھام۔ ریاست کے تمام فرقوں کو سرکاری ملازمتوں میں جائز حصہ دینا۔ جاگیرداروں کے مظالم سے کسانوں کو نجات
تجارت کو فروغ دینا ایسے مطالبات تھے جو کسی صورت میں فرقہ وارانہ قرار نہیں دے جا سکتے تھے۔ مسلم کانفرنس کے پنڈال سے بار بار اجتماعی اور انفرادی طور پر ریاست کے غیر مسلموں کو دعوتِ اشتراک دی گئی۔ اور اُن کے مفادات کے تحفظ کا یقین دلایا گیا۔

اسی طرح ریاستی غیر مسلموں کا پڑھا لکھا حلقہ مسلم کانفرنس کے پروگرام کو اپنانے لگا اور دبی زبان میں یہ سوال اُٹھایا گیا کہ مسلم کانفرنس کے نام کو بدلا جائے اور آئین میں ترمیم کی جائے چنانچہ پنڈت پریم ناتھ بزاز اور مولانا مسعودی کے زیر ادارت اشتراکِ عمل کے پروگرام کی تشہیر کی غرض سے اخبار "ہمدرد" جاری کیا گیا جس میں ہندو مسلم اتحاد اور اُن کو مشترکہ پلیٹ فارم پر جمع ہونے کے لئے مضامین کا سلسلہ شروع ہوا۔ اس آواز پر لبیک کرنے والوں میں سردار بدھ سنگھ، لالہ گردھاری لال آنند صراف جموں، درگا پرشاد در، پنڈت کاشی ناتھ کارہلو، پنڈت شیام لال صراف اس فہرست میں سرِ فہرست ہیں۔ ان غیر مسلموں نے صاف اور غیر مبہم الفاظ میں اس بات کا اعلان کیا ـــــ

"سیاسیات میں مذہب کی بناء پر برہمنوں کا جدا جدا رہنا انتہائی بے وقوفی اور غیر دانشمندانہ فعل ہے ہم چاہتے

ہیں کہ ہم سب بلا تمیز مذہب و ملت اور بلا تفریق رنگ و خون زنجیرِ غلامی کو ٹکڑے ٹکڑے کرنے کے لئے مل کر زور لگائیں۔"

ان کے اس اعلان پر ہندو فرقہ پرستوں میں صفِ ماتم چھا گئی کیونکہ وہ ہر رنگ میں حکومت کے اشاروں پر ناچنا اپنی سلامتی اور تحفظ خیال کرتے تھے۔ اور مسلمانوں کے ساتھ مِلنا مہاراجہ کے خلاف سازش تصور کرتے ہوئے اس قسم کے اعلانات کو عتابِ شاہی کے نزلہ کی یورش کی ابتدا سمجھتے تھے۔ ہندو نوجوانوں کو اس خطرناک کھیل سے باز رکھنے کے لئے سماجی بائیکاٹ کی دھمکی دی گئی۔ اور اُن کی صفوں میں خوف و دہشت پھیلانے کی کوشش کی گئی۔ مگر قومی مفادات کے سامنے اُن کے ارادے غیر متزلزل ثابت ہوئے۔ خراماں خراماں کٹّر فرقہ پرستوں نے بھی ان کی باتوں پر دھیان دینا شروع کیا۔ اور رفتہ رفتہ ایک ایسا غیر فرقہ وارانہ ماحول وجود میں آنے لگا۔ جس نے تمام گذشتہ دلخراش واقعات کو حرفِ غلط کی طرح مٹانے کی پہل شروع کی اور ہندوؤں، مسلمانوں نے ملک و قوم کی بھلائی، تعمیر و ترّقی کے لئے مشترکہ طور پر جدوجہد کرنے کی ٹھان لی۔

۱۹۳۵ء میں برطانوی حکومت کے مطالبے پر مہاراجہ ہری سنگھ گلگت کے فوجی اور سول انتظامات سے دستبردار ہو گیا اور یہ علاقہ ساٹھ برس کے لئے حکومت ہند کی براہِ راست

نگرانی میں چلا گیا۔ اور ایک عہد نامہ تحریر پایا جس کی رُو سے مہاراجہ کو یہ باور کرایا گیا کہ آئینی طور پر اُن کی سرداری گلگت پر برقرار ہے عہد نامہ کا ترجمہ درج ذیل ہے ——

عہد نامہ فیمابین برطانوی حکومت، مہاراجہ صاحب جمّوں و کشمیر

معاہدہ فیمابین سرکار والا برطانیہ و کرنل ہز ہائنس مہاراجہ ہری سنگھ، اندر مہندر بہادر جی سی، ایس، آئی، جی سی آئی، ای، کے سی، وی، او، اے، ڈی سی، مہاراجہ جموں و کشمیر و وارثان و جانشینان مہاراجہ موصوف۔ جو ایک جانب لفٹیننٹ کرنل لابونل ایڈورڈ لینگ صاحب بہادر سی، آئی، ای، ایم سی، نے بہ تقویت اُن اختیارات کامل کے موثق کیا جو صاحب بہادر موصوف کو ہز ایکسیلنسی رائٹ آنریبل فری مین طامس آرل آف ولیگڈن بی، سی، جی، ایم، ایس آئی، جی، سی، ایم، جی، ایم، آئی، ای، جی، بی، ای، نواب والسرائے و گورنر جنرل بہادر کشور ہند نے عطا فرمائے اور دوسری جانب کرنل ہز ہائی نیس مہاراجہ ہری سنگھ بہادر ممدوح نے اصالتاً موثق کیا۔

بذریعہ ہذا حسب ذیل معاہدہ کیا جاتا ہے۔

دفعہ اوّل:- نواب وائسرائے و گورنر جنرل بہادر کشورِ ہند کو اختیار ہے کہ اس معاہدہ کو استحکام دیئے جانے کے بعد کسی وقت وزارت صوبہ گلگت ریاست جموں و کشمیر کے اس حصہ کا ملکی اور فوجی انتظام اپنے ہاتھ میں لے لیویں جو دریائے سندھ کے پار اس کے داہنے کنارے پر واقع ہے (جس کا حوالہ متعاقب "ملک متذکرہ بالا" کی اصطلاح سے دیا جائے گا) لیکن باوجود شرائط ہذا ملک متذکرہ بالا ممالک محروسہ ہز ہائی نیس مہاراجہ بہادر جموں و کشمیر کی حدود کے اندر شامل رہے گا۔

دفعہ دوئم:- بہ ثبوت اس امر واقعہ کے کہ ملک متذکرہ بالا ممالک محروسہ ہز ہائی نیس مہاراجہ بہادر جموں و کشمیر کی حدود کے اندر شامل ہے۔ بموقع سالگرہ ہز ہائی نیس و بتقریب بیساکھی و دسہرہ و بسنت پنچمی اور بموقع دیگر ایسی تقریبوں کے جن کے متعلق فیما بین ہز ہائی نیس و نواب وائسرائے و گورنر جنرل بہادر کشورِ ہند اتفاق رائے ہو جائے افسران انتظامی کا فرض ہوگا کہ ملک متذکرہ بالا میں ہز ہائی نیس کی سلامی سر کریں اور اعزازات مروّجہ کی پوری تعمیل کرتے رہیں۔ ہز ہائی نس کا جھنڈا سرکاری صدر مقام ایجنسی پر ہمیشہ قائم رہے گا۔

دفعہ سوئم:- معمولی حالات میں سرکار برطانیہ کی کوئی افواج گورہ یا افواج ہندوستانی اس حصہ وزارت صوبہ گلگت کے

اندر سے نہیں گذریں گی۔ جو دریائے سندھ کے اُس طرف اس کے بائیں کنارے پر واقع ہے۔

دفعہ چہارم:- تمام حقوق متعلق معدنیات بحق ہز ہائی نیس مہاراجہ بہادر جموں و کشمیر محفوظ ہیں۔ مگر تلاشِ معدنیات کی اجازت یا اجرائے کام، معدنیات کا ٹھیکہ بر زمانۂ اجرائے معاہدہ ہذا متذکرہ بالا دفعہ آئندہ نہیں دیا جائے گا۔

دفعہ پنجم:- معاہدہ ہذا تاریخ استحکام سے ساٹھ سال تک نافذ رہے گا۔ اور بعد انقضائے اس میعاد کے یہ پٹہ مختتم ہو جائے گا۔

سنہ ۱۹۳۵ء کے ماہ مارچ کی ۲۶ ویں تاریخ کو بمقام جموں اس معاہدہ پر دستخط کیے گئے اور اس کا تبادلہ عمل میں آیا۔

دستخط:- ہری سنگھ مہاراجہ جموں و کشمیر

دستخط:- ایل، ای لینگ لیفٹیننٹ کرنل
ریزیڈنٹ کشمیر

دستخط:- ویلنگڈن

ہز ایکسیلینسی نواب وائسرائے و گورنر جنرل بہادر کشورِ ہند نے سنہ ۱۹۳۵ء کے ماہِ اپریل کی تیسری تاریخ کو بمقام دہلی اس معاہدہ کو استحکام دیا۔

دستخط:- ایم، اے، ایف میٹکاف
سیکرٹری وزارتِ خارجہ۔ حکومت ہند

(۲۱)

چوتھا سالانہ اجلاس

اسی اثنا میں مسلم کانفرنس کے چوتھے سالانہ اجلاس کی تیاریاں شروع ہوئیں۔ ۲۵، ۲۶، ۲۷ اکتوبر ۱۹۳۵ء کا یہ اجلاس ایک تاریخی اجلاس تھا جس میں پہلی مرتبہ ریاست کے غیر مسلموں نے انفرادی طور پر حصہ لیا۔ اور اجلاس میں جوق در جوق شامل ہوئے یہ واقعہ اس بات کی غمازی کرنے لگا کہ عنقریب جہالت اور پستی کے عمیق غاروں میں صدیوں سے پھنسی ہوئی قوم نئی کروٹ لینے والی ہے۔

اس سالانہ اجلاس کو شاندار اور پُر رونق بنانے کے لئے صدر کا استقبالی جلوس دریائی تھا۔ دریائے جہلم میں ایک شاندار پرندہ تیار کرایا گیا۔ اور نہایت تزک و احتشام سے رنگا رنگ کپڑوں اور آرائشی سامان سے دریا کے دونوں کناروں کو

سجایا گیا۔ اس پرندہ کے ناخداؤں کو بھی زرق برق لباس پہنایا گیا۔ اس پرندہ میں صدر مسلم کانفرنس چودھری غلام عباس خان کے علاوہ شیخ محمد عبداللہ سوار تھے۔ خواجہ غلام نبی گلکار وغیرہ کو اس جلوس کے تمام انتظامات سونپے گئے تھے۔ ان کے پیچھے ہزاروں کشتیاں جارہی تھیں۔ یہ منظر دیکھنے سے تعلق رکھتا تھا۔ دریا کے دونوں کناروں پر لوگ تالیوں اور نعروں سے خیر مقدم کررہے تھے

مسلم کانفرنس کا چوتھا سالانہ اجلاس شاہی مسجد سری نگر میں منعقد ہوا۔ مجلس استقبالیہ کے سیکرٹری بخشی غلام محمد تھے۔ مجاہد منزل پہنچنے پر مولوی غلام نبی ہمدانی صدر استقبالیہ نے خطبہ پڑھا۔ اس خطبہ کے اقتباس کشمیر کی سیاست کے نشیب و فراز سے واقفیت حاصل کرنے کی غرض سے درج ذیل کیے جاتے ہیں۔

"امسال انگلینڈ میں ملک معظم کی سلور جوبلی کے جشن کی وجہ سے اور ۳۰ مئی کو کوئٹہ میں ہولناک زلزلہ کی وجہ سے سیاحوں کی آمد میں کمی ہوئی اس پر ایک مقامی اخبار نے مذاقاً کوہ سلیمان کے پھٹنے اور کشمیر میں زلزلہ آنے کی خبر شائع کی جس کی وجہ سے کشمیر میں آئے ہوئے سیاح واپس پنجاب کی طرف بھاگ گئے تحصیل کولگام میں ہیضہ کی وبا پھوٹی جس نے تھوڑی مدت میں اسلام آباد، پلوامہ، بڈگام وغیرہ علاقوں کے علاوہ

سری نگر شہر کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ اس ضمن میں حکومت اور مسلم کانفرنس نے مل کر ملک میں شایاں شان عوامی خدمات انجام دے۔"

اس اجلاس میں چودھری غلام عباس کو صدارت کے فرائض تفویض ہوئے۔ اور عوام کی طرف سے "قائدِ ملت" کا خطاب دیا گیا۔
چودھری صاحب نے بحیثیت صدر اپنے فصیح و بلیغ، جامع و مانع مدلل اور معقول خطبہ صدارت میں شہدائے کشمیر کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے کہا۔

"شہدائے کشمیر کی شہادت ہمارے لئے دم مسیحائی کا حکم رکھتی ہے اور اُن کا پاک خون ہماری اُمید کی بالیدگی کے لئے شفا کا حکم رکھتا ہے۔ وہ قوت روحانی سے مالا مال ہیں اور ان کا دامنِ مُراد خدا کی رحمتوں اور برکتوں سے بھرپور ہے۔ آؤ ہم سب مل کر اُن کے حق میں فاتحہ کے لئے ہاتھ اُٹھائیں۔"

مسلم کانفرنس کی تنظیم کو مضبوط بنانے پر زور دیتے ہوئے۔ آپ نے کہا۔

"اسلامیانِ کشمیر کے پیش نظر جو کام ہے۔ وہ اسی چیز یعنی تنظیم کا متقی اور متمنی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ اس بارہ میں اس وقت تک کافی کامیابی حاصل ہو چکی ہے

اور الحمد للہ کہ کانفرنس کے قیام نے کتابِ ملت کشمیر کے اوراقِ پریشان کو بہت حد تک مجتمع کر لیا ہے۔ لیکن باایں ہمہ میں سمجھتا ہوں کہ ابھی یہ کام ادھورا ہے۔ اور وہ مہتم بالشان ترقی اور عدیم المثال فروغ جو ہماری آئندہ کامیابی کا ایک جزوِ اعظم ہے ابھی تک باقی ہے۔"

چودھری صاحب نے اپنے خطبہ میں اہل ریاست کو ایک قائد کی خوبیاں بیان کرتے ہوئے کہا کہ قائد ہونے کا کون دعویٰ کر سکتا ہے۔ اور ایک کامل لیڈر میں کیا اوصاف ہونے چاہئیں۔

"قائد کو کن خصوصیات کا حامل ہونا چاہیئے۔ اور جماعتوں کو اس کے انتخاب میں کن چیزوں کا خیال رکھنا چاہیئے۔ کیونکہ یہ امر بھی کسی تحریک کی کامیابی کا اہم ترین پہلو ہے۔ اس بات کے لئے زیادہ جستجو کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ اسلام نے اس بارے میں زرین اصول قائم کئے ہیں۔ البتہ یہاں ضمناً یہ ظاہر کر دینا ضروری ہے کہ قائد حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی طرح شتر سوار بھی ہو اور نکیل کو ہاتھ میں پکڑ کر پیدل چلنے میں بھی کسرِ شان نہ سمجھے۔ وہ خالد بن ولید رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی طرح دلیر، جری اور بہادر ہو۔ لیکن اگر قوم اُسے معزول کر دے تو وہ اس میں اپنی قوم کی بہتری سمجھے اور برابر سرگرم جدوجہد رہے وہ تحمل و بردباری کا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرح پیکرِ مجسم ہو کہ اگر وہ قوم

کو   کے الفاظ سے مخاطب کرے اور قوم کا کوئی فرد
اس پر اعلانیہ حرف گیر ہو، اُسے عائد شدہ جرم کی سماعت میں
ہچکچاہٹ یا تامل نہ ہو۔ بلکہ وہ اپنی بریت پر شہادت لائے، وہ
فرض شناس بھی ہو۔ اور اگر قوم پر کچھ بن آئے یا مذہبی ناموس
خطرہ میں ہے تو وہ امام الشہدا حضرت امام حسین علیہ السلام
کی طرح اپنے آپ کو قوم کی بھینٹ چڑھانے سے دریغ نہ کرے۔"
گلانسی دستورِ اصلاحات سے اختلاف رائے اور سیلف گورنمنٹ کا مطالبہ
کرتے ہوئے آپ نے کہا:—
"کاش! حکومت اصلاحات کے نفاذ کے وقت صوبہ سرحد
کی مثال کو اپنے ذہن میں رکھتی، شاید اس طرح ریاست میں
آئے دن کی بے چینیوں اور بد امنیوں کا مستقلاً سدِباب ہو جاتا
جہاں تک، تعلیم، سیاسی بیداری، معاشرتی اور تمدنی
ارتقا اور سیلف گورنمنٹ کی اہلیت اور عوام کا ملکی نظم و
نسق میں صلاحیت کا تعلق ہے۔ ہم وثوق سے کہہ سکتے ہیں
کہ رعایا ریاست کسی صورت اور کسی حالت میں بھی رعایا سرحد
سے ان باتوں میں پیچھے نہیں۔ پس اگر حکومت انگلیشہ صوبہ
سرحد میں اصلاحات کے اجرا کے آغاز میں ہی رواداری
کا ثبوت دے سکتی تھی تو کوئی وجہ نہیں کہ ریاست کی حکومت
جس میں اور اوّل الذکر میں یہ فرق ہے کہ وہ ہندوستانیوں

کے نقطۂ نگاہ سے بیرونی حکومت ہے۔"
ریاستی حکومت کو اس کے طرزِ عمل کے بُرے نتائج سے آگاہ کراتے
ہوئے چودھری صاحب نے کہا—
"کوئی قوم یا ملک جب کسی خاص مقصد کو لے کر اُٹھتا
ہے۔ تو تاوقتیکہ وہ اس میں کامیاب نہ ہو اس کی جد و جہد مسلسل
جاری رہتی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ واقعات اس طرح رونما
ہو جائیں کہ ہنگامی طور پر اس کی سرگرمیاں معرضِ تعطل میں
آجائیں۔ لیکن یہ التوا بجائے اس کی قوتِ ارادی اور جوش
آزادی کو منجمد کرنے کے تند اور بلاخیز طوفانوں کی طرح
اس کے ارادوں میں زیادہ بلندی، اس کے ولولوں میں
زیادہ شدت اور اس کے عزائم میں زیادہ مضبوطی پیدا
کر دیتا ہے۔"
اصلاحات کے تعلق میں ہمارا مطالبہ حکومت کی نظروں
سے گذر چکا ہے۔ یہ مطالبہ ایسا جائز ہے کہ موجودہ انقلاب
زمانے کے پیشِ نظر راعی اور رعایا کے تعلقات ملکی اور
جذبات مہر و محبت کو مضبوط اور استوار بنانے کا واحد
ذریعہ ہے۔ پس ہم عمالِ حکومت سے نہیں بلکہ والئے
ملک سے جس کا سیاسی نظریہ ایوان گول میز کانفرنس
سے خراجِ تحسین حاصل کر چکا ہے، کہتے ہیں کہ جس صورت

میں آپ کا نصب العین وہی ہے جو رعایا کا ہے۔ تو پھر وہ چیز جو آپ آج بغیر مزید بدامنی کے رعایا کو عطا کر سکتے ہیں۔ اُسے کیوں غیر متعین زمانہ تک معرضِ التوا میں رکھا جائے۔ بالخصوص جب احتمالات یہ ہوں کہ رعایا اپنے مقاصد کے حصول کے لئے اپنی جدوجہد متواتر و مسلسل جاری رکھے گی۔ اور نتیجہ یہ ہوگا کہ حکومت اور رعایا دونوں نقصان و فساد، ہولناکی، خوفناکی، بدحالی و بے اطمینانی کے بے کار سمندر کے تھپیڑوں سے دوچار ہوں گے ——— لیکن افسوس اس بات کا ہے کہ اگر ہم حکومت سے انصاف کے خواہاں ہوتے ہیں۔ تو ہم کو ۱۲۴ الف کے مجرم تصور کیا جاتا ہے۔ توپوں اور ٹکٹکیوں کے زور سے ہمارے جذباتِ حق و صداقت کو پامال کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔"

اسمبلی میں حکومت نامزد ممبروں کی اکثریت کے بل بوتے پر اپنی خواہشات کی تکمیل کراتی ہے۔ اُس کا نقشہ کھینچتے ہوئے آپ نے کہا:

"گذشتہ اجلاس اسمبلی کی کارروائی اس بات کی شاہد ہے کہ کس طرح حکومت نے عمداً سرکاری ممبروں کی حمایت کے بل بوتے پر تخفیفِ مالیہ کے ریزولیوشن اور مسوّدۂ قانون شفع اور ترمیم ریگولیشن انتقال اراضی کو ٹھکرا دیا اور چند منسٹروں نے حریفانہ صورت میں ان چیزوں کی اعلانیہ مخالفت کی۔"

حقوقِ رائے دہندگی کے سخت گیر قوانین پر تبصرہ کرتے ہوئے آپ نے کہا:۔

"حقوق رائے دہندگان کا معیار میونسپلٹیوں میں اسمبلی سے مقابلتاً نہایت سخت گیر ہے۔ چاہیے تو یہ تھا کہ عوام میں سے ہر بالغ کو حقوقِ شہریت حاصل ہوں تاکہ عامۃ الناس اپنی رائے کا صحیح استعمال کرنا سیکھیں۔ اور اس طرح ذمہ داری اور رواداری کا احساس ان میں پیدا ہو۔ لیکن یہاں یہ صورت ہے کہ جہاں اسمبلی کے لئے کم از کم تعلیمی معیار رائے دہندگان کے لئے مڈل پاس ہونا ضروری قرار دیا گیا ہے۔ وہاں میونسپل انتخابات کے لئے معیار رائے دہندگی گریجویٹ ہونا ضروری ہے۔ اس طرح جائیداد اور آمدنی کا معیار بھی مقابلتاً بہت تنگ ہے۔ یہاں تک کہ اکثر افسرانِ حکومت جو گریجویٹ یا صاحبِ جائیداد نہیں، حقِ رائے دہندگی سے محروم کر دیے گئے ہیں۔"

ہندو مسلم اتحاد جو وقت کی سب سے اہم ضرورت تھی۔ اُس پر روشنی ڈالتے ہوئے اپنے فاضلانہ خیالات کو بیان کرتے ہوئے چودھری صاحب نے اعلان کیا:۔

"گذشتہ تلخ کامیوں کو بھول کر ہم مسلمانانِ ریاست کی طرف سے نہایت صدق دلی سے اپنے غیر مسلم ہم وطنوں

سے اپیل کروں گا کہ وہ ہمارے ساتھ تعاون کریں۔ میں اُنہیں یقین دِلاتا ہوں کہ مسلمان کسی قوم کے جائز حقوق پر غاصبانہ ڈاکہ نہیں ڈالنا چاہتا۔ وہ ہر قوم کے لئے انصاف کا طلب گار ہے۔ اور اپنے لئے صرف اپنا حق مانگتا ہے۔ آؤ مل کر ہم استخلاصِ وطن کے لئے جدّوجہد کریں۔ میں غیر مُسلم ریاستی رہنماؤں سے متوقع ہوں کہ وہ مصالح ملکی کے پیش نظر میری اپیل پر جرأت اور نیک نیتی سے غور کریں گے۔ انہیں یقین رکھنا چاہیئے کہ ان کی اپنی قوم کی بھی حقیقی فلاح اسی میں ہے۔"

چودھری صاحب نے اپنے خطبۂ صدارت کے آخر پر حکومت پہ صاف لفظوں میں واضح کیا کہ اگر وہ مسلم کانفرنس سے کوآپریشن نہیں کرے گی۔ تو کانفرنس کے ادنےٰ سے اشارے پر اُس کو مشکلات سے دو چار ہونا پڑے گا۔

"حکومت کو سوچنا چاہیئے کہ ریاست کی سب سے بڑی سیاسی جماعت کا تعاون اور حمایت کس قدر قیمتی چیز ہے۔ لیکن افسوس کہ حکومت نے اس تعاون کی قدر نہ کی۔ کار پردازانِ حکومت کو معلوم ہونا چاہیئے کہ مُلکی قوانین کے اندر رہ کر بھی اگر کانفرنس صرف تعاون کی پالیسی تنگ آکر تبدیل کردے اور ہر بات میں اور ہر علاقہ

یں حکومت سے تعاون کرنا قطعاً ترک کردے اور عوام کو ہر جگہ ہدایات کردے کہ مروجہ قانون کی حدود میں رہ کر حکومت کے ہر کام سے علیحدگی اور عدم معاونت کے اصول پر سختی سے کاربند ہوں تو حکومت کو اپنے روزمرہ کے انتظامات میں کس قدر مُشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا۔"

ان ہی ایّام میں برٹش پارلیمنٹ میں ایک مسوّدۂ قانون پاس ہوا جس کو گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ء کہا جاتا ہے۔ اس ایکٹ کے تحت ہندوستان کو ایک وفاقی ریاست میں تبدیل کرنا قرار پایا۔ اس ایکٹ کے نافذ ہونے پر وائسرائے ہند نے ہندوستان کے ۵۶۱ والیان ریاست کو دعوت دی کہ اگر وہ چاہیں تو ہندوستانی صوبوں کی طرح اس وفاق (فیڈریشن) میں شامل ہو جائیں۔ مگر ہندوستان کے تمام نوابوں، راجوں، مہاراجوں نے اس ایکٹ کے تحت فیڈریشن میں شامل ہونے کو اپنے اقتدار اعلیٰ کے زوال سے تعبیر کیا۔ بعینہٖ اسی طرح مہاراجہ ہری سنگھ نے اس فیڈریشن میں شامل ہونے سے لیت ولعل سے کام لیا۔

مُسلم کانفرنس اور ریاست کی دوسری چھوٹی چھوٹی سیاسی ...اعتوں نے بھی مرکزی وفاق میں شامل ہونے سے سردمہری کا ...ہار کیا۔ اور مہاراجہ ہری سنگھ سے کہا گیا اگر ریاست جموں و ...میر کو فیڈریشن میں شامل ہونے کے لئے مجبور کیا جائے تو ریاست

... نمائندے ... ختم کر کے بھیج دیا جائیں۔

۱۹۳۷ء میں ہندوستان میں کانگرس نے اسی ایکٹ کے تحت صوبائی حکومتیں سنبھالیں اور ۲۶ر اکتوبر ۱۹۴۷ء کو مہاراجہ ہری سنگھ نے اسی ایکٹ کے تحت ریاست جموں و کشمیر کا ہندوستان کے ساتھ مشروط الحاق کیا۔

اسی دوران قائد اعظم محمد علی جناح پہلی بار ... کی غرض سے کشمیر آئے اور مسلم کانفرنس کی طرف سے انہیں سپاسنامہ پیش کیا گیا۔ جس کے جواب میں جناح صاحب نے کہا کہ ریاست میں مسلمانوں کی بھاری اکثریت کی وجہ سے مسلمان رہنماؤں اور تمام مسلمانوں پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ نہ صرف غیر مسلموں کی تالیفِ قلوب کریں بلکہ انہیں اپنی سیاسی اور اقتصادی گاڑی کا ایک پہیہ سمجھ کر ان سے بھرپور تعاون کریں۔

"ذمّہ وار اسمبلی ڈے"

سالانہ اجلاس سے فارغ ہو کر مسلم کانفرنس کے زعماء نے ہندو مسلم اتحاد کے لئے اپنی سرگرمی زیادہ تیز کر دی۔ ریاستی ہندوؤں میں بھی یہ احساس زور پکڑنے لگا تھا کہ حکومت ریاستی عوام اور دنیا کو یہ کہہ کر دھوکہ دے رہی ہے کہ اہلِ ریاست کو کاروبارِ حکومت میں شریک بنا لیا گیا ہے۔ مگر اسمبلی کے گذشتہ

چھ اجلاسوں نے اسمبلی کے نقائص اور کھوکھلا پن کو نمایاں کر دیا تھا، …تے کہ وہ غیر مسلم، جو کل تک اپنے بھائی بندوں کو مسلمانوں کو اشتراک و تعاون دینے سے باز رکھنے کے لئے "ہندو راج خطرے میں" کا نعرہ بلند کرتے تھے اور اس بات کا پروپیگنڈا کر رہے تھے کہ اگر مسلم عوام سے اشتراکِ عمل اور تعاون کیا جائے گا تو ریاستِ جموں و کشمیر میں "مسلم راج" قائم ہو جائے گا۔ "اس وقت ہندو راج ہے۔ اس کی حفاظت کرو۔" اسمبلی میں حکومت کی ریشہ دوانیاں اور سازشیں دیکھ کر انہیں بھی اپنے خیالات بدلنے پڑے کہ حکومتیں ہندو یا مسلم کہلانے سے قائم نہیں ہوتیں۔ ان کے قیام کے لئے عدل و انصاف کا قائم کیا جانا پہلی شرط ہے!

اس میں شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں کہ مسلم کانفرنس کے لیڈر بڑے ہی زمانہ شناس واقع ہوئے ہیں۔ ان بدلتے ہوئے حالات میں انہوں نے ۸ر مئی ۱۹۳۶ء کو ریاست کے طول و عرض میں "ذمّہ وار اسمبلی ڈے" منانے کا اعلان کیا۔ جس کے خاطر خواہ نتائج برآمد ہوئے۔ پونچھ، جموں، ریاسی، راجوری، بھمبر، رنبیر سنگھ پورہ، میرپور، مظفرآباد، کٹھوعہ، سانبہ، اودھم پور، بارہ مولہ، سوپور، شوپیاں، اسلام آباد، بانڈی پورہ وغیرہ مقامات پر ہندوؤں، سکھوں اور مسلمانوں نے "ذمّہ وار اسمبلی" کے مطالبہ کو متفق اللفظ دہرایا۔ اور بعض مقامات پر ایسا بھی ہوا کہ .....

جائے۔"

ہندو مسلم سکھ اتحاد کی فضا کو مضبوط بنانے کے لئے اسکولوں اور کالجوں کے طلباء نے کشمیر اسٹوڈنٹس یونین کا قیام عمل میں لاکر ایک سنہری باب کا اضافہ کیا۔ ۴ نومبر کو انہوں نے اپنا پہلا اجلاس منعقد کیا جس میں ذمہ دار اسمبلی کے مطالبہ کی تائید کے ساتھ ساتھ ہندو مسلم سکھ اتحاد پر زوردار تقاریر کی گئیں۔ ۷ جنوری ۱۹۳۷ء کو مسلم کانفرنس سوشلسٹ پارٹی میر عبدالعزیز کی صدارت میں بنائی گئی۔ فروری ۱۹۳۷ء میں اسمبلی کے ضمنی انتخابات عمل میں لائے گئے اور مستعفی شدہ ممبران انتخابات میں کامیاب ہوکر پھر اسمبلی میں آگئے۔ اس طرح حکومت پر یہ ثابت ہوا کہ مسلم کانفرنس کی آواز میں کس بلا کی تاثیر ہے اور عوام کی کس قدر پشت پناہی اس جماعت کو حاصل ہے۔

---

(۲۲)

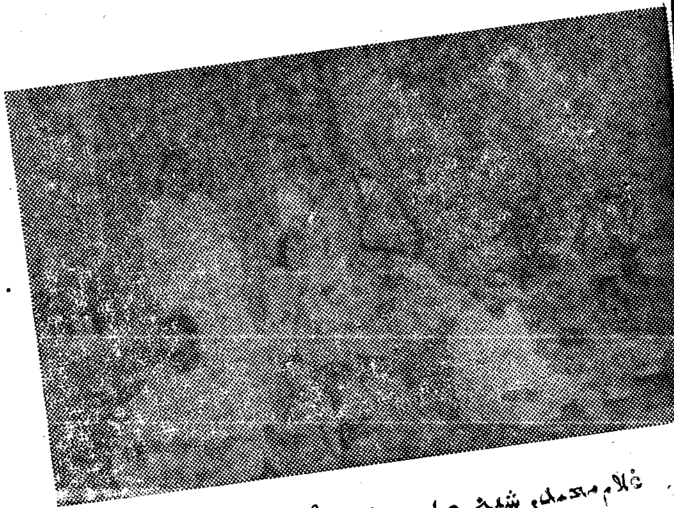
پانچواں سالانہ اجلاس

۱۴ مئی ۱۹۳۷ء کو مسلم کانفرنس کا پانچواں سالانہ اجلاس بمقام پونچھ جناب شیخ محمد عبداللہ کی صدارت میں منعقد ہوا۔ اس اجلاس میں مسلمانوں کو خصوصی طور پر تعلیم حاصل کرنے کے لئے زور دیا گیا۔ چند ایک قراردادیں پاس ہوئیں جن میں پونچھ کے علاقہ میں انٹرمیڈیٹ کالج قائم کرنے کا مطالبہ کیا گیا۔ نیز مانگ کی گئی کہ ملک میں صنعت و حرفت اور دستکاریوں کو ترقی دینے کے لئے عملی قدم اٹھائے جائیں۔ سرینگر صدر ہسپتال کی بوسیدہ عمارت کو ہٹا کر از سرِ نو تعمیر کیا جائے۔ ریاست میں معدنیات کی کھوج لگانے کے لئے ماہرینِ معدنیات کا تعاون حاصل کرکے اس پوشیدہ دولت کو ریاستی باشندوں کی فلاح و بہبود کے لئے استعمال میں لایا جائے اور ریاست میں ایک یونیورسٹی قائم کی جائے۔

اس اجلاس میں ذمہ دار نظام حکومت کی تجویز بھی پاس ہوئی اور



۱۹۳۷ء کے مسلم کانفرنسی ورکروں کا ایک گروپ



غلام محمد شیخ صاحب اور اُن کے بچوں کے ساتھ

اعلان کیا گیا کہ ذمہ وار نظامِ حکومت، نہ ہندو کی حکومت کہلائے گی، نہ مسلمان کی، بلکہ وہ صحیح معنوں میں عوامی حکومت ہوگی۔ شیخ صاحب نے اپنے خطبۂ صدارت میں ذمہ وار نظام حکومت پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا:

"ذمہ وار اسمبلی اور خود مختار نظام حکومت کو آج ہی ہم اپنا نصب العین نہیں بنانے لگے ہیں بلکہ یہ مطالبہ تو تحریکِ آزادی کی ابتدا سے ہی مقصدِ اعلیٰ کی حیثیت میں ہمارے ساتھ رہا ہے۔ خاص کر ۱۹۳۴ء میں جب موجودہ لیجسلیٹو اسمبلی کا آئین مرتب ہو رہا تھا، اُس وقت ذمہ وار اسمبلی کا مطالبہ ریاست جموں و کشمیر کے گوشہ گوشہ سے کیا گیا۔ ان ہی دِنوں مسلم کانفرنس کے جنرل ڈکٹیٹر چودھری غلام عباس خان صاحب نے اس مطالبے کے سلسلے میں ارکانِ حکومت کے ساتھ نہ صرف پر کہ خط و کتابت کی بلکہ ملاقاتوں کے دوران میں بھی وزیرِ اعظم اور دیگر وزراء کے سامنے ملک کا یہ اہم ترین مطالبہ پیش کیا ——— یہی وجہ ہے کہ گذشتہ ڈیڑھ سال سے "موجودہ آئین سے بہتر آئین" کا مطالبہ مسلم اکثریت کے ساتھ مخصوص نہیں رہا۔ بلکہ اقلیتیں بھی مختلف انداز میں ایک بہتر آئین کا مطالبہ کر رہی ہیں ——— ہمیں یقینِ کامل ہے کہ نادار ہندوؤں اور سکھوں کی آبادی عن قریب ہمارے دوش بدوش ذمہ وار نظام حکومت کے لئے مصروفِ جد و جہد نظر آئے گی۔ اس لئے ہمیں اپنی مخلصانہ کوششوں کو مسلسل جاری رکھنا چاہیے۔

اور بلاواسطہ ریاست کے ہندو سکھ عوام تک اپنی آواز پہنچانی چاہئے۔"
اُن شبہات کا، جو اقلیتی فرقوں کی طرف سے ظاہر کئے جاتے تھے
جواب اور اُن کے حقوق کے تحفظ کا یقین دلاتے ہوئے آپ نے کہا :-
"ہمارے پڑوسی ملک برطانوی ہند کے بعض صوبوں میں ہندوؤں
کی اکثریت ہے اور چند ایک میں مسلمان اکثریت میں ہیں۔ وہاں
انڈین نیشنل کانگرس نے تحفظِ حقوق کی نسبت جو ریزولیوشن
پاس کر رکھا ہے، ہمارا اعلان اُس معیار سے کافی اونچا ہے۔
اور ہم نے اقلیتوں کو عملاً عطائے حقوق سے گریز کرتے ہوئے
کبھی منطقیانہ ایچ پیچ کی آڑ نہیں لی۔ بلکہ ہمیشہ صریح الفاظ
میں اُن کے حقوق تسلیم کئے ہیں اور انہیں سمجھوتہ کی دعوت
دی ہے۔ اس پر بھی اگر ریاست کی اقلیتیں مُصر ہوں کہ انہیں
ریاست میں وہی کچھ ملے جو برطانوی ہند میں اُن کی متوازی
اقلیتوں کو اکثریت کی طرف سے دیا جائے گا تو ہمیں ایسا کرنے
میں کوئی تردد یا عذر نہ ہوگا۔ بہرصورت ہماری طرف سے
اتحاد و اشتراکِ عمل کے لئے ہاتھ بڑھانے میں نہ کبھی کوتاہی ہوئی
ہے اور نہ ہوگی۔ اب ہمارے ہندو اور سکھ بھائیوں کا فرض ہے
کہ وہ مزید وقت ضائع کئے بغیر غیر ذمہ دار نظام حکومت کی
زندگی دراز نہ کریں جس کی سختگیر پالیسی سے ہم اور وہ
یکساں نالاں ہیں۔"

فرقہ پرستی کے چُنگل سے آزاد ہونے والے غیر مُسلموں کو خراجِ
تحسین پیش کرتے ہوئے آپ نے کہا :-

"غیر مُسلموں سے ایک ایسی جماعت میدان میں آگئی ہے جس کی
مخلصانہ مساعی وطن کی غُربت زدہ اور مُفلس آبادی کی خیر خواہی
کے لئے وقف ہے۔ یہی وہ لوگ ہیں جو ذمّہ دار اسمبلی کے مطالبہ
میں مُسلمانوں کا ہم نوا رہنا اپنا ایمان سمجھتے ہیں۔ مُحبِ وطن حضرات
کی یہ جماعت خواہش مند ہے کہ ہم انہیں اپنے ساتھ ایک مشترکہ
پلیٹ فارم پر لے لیں تاکہ ذمّہ دار اسمبلی کے نصب العین میں پُوری
طاقت کے ساتھ قومی قافلہ گامزن رہے۔ ہمارا فرض ہے کہ
ہم اپنے ہمسایہ بھائیوں کی خواہشِ اشتراک کا خیر مقدم کریں۔
کیونکہ اُن کی یہ خواہش ہماری سابقہ دعوتوں کا نتیجہ اور اپیلوں
کا جواب ہے۔ جس مُخلص دِل میں بھی ہمارے نصب العین کی
حمایت کے جذبات موجزن ہوں، وہ ہمارے احترام کا مستحق ہے۔"

شیخ صاحب نے گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ء کا تذکرہ
کرتے ہوئے کہا :-

"آئینِ جدید کا دوسرا حصّہ، جو فیڈریشن کے ساتھ تعلق رکھتا ہے
اس کا اثر ریاستوں اور اہلِ ریاست ہائے ہند پر براہ راست
پڑتا ہے کیونکہ فیڈرل اسمبلی اور فیڈرل کونسل کے ایوانوں
میں برطانوی ہند کے ارکان کے دوش بدوش ریاستوں کے نمائندوں

کو بھی جگہ دی گئی ہے۔ مگر برطانوی مدبروں نے آئین کو ترتیب
دیتے وقت ہندوستانی ریاستوں کے آٹھ کروڑ باشندوں کے
حقوق کو جس بے دردی سے نظر انداز کیا ہے وہ (۱۹۳۵) آئین کی
سیاہ تاریخ میں سیاہ ترین صفحہ شمار ہوگا۔ ریاستوں کے آٹھ
کروڑ باشندے خالص حیوان تصوّر کئے گئے ہیں۔ جن کی رائے
اور خواہش کو حکومت برطانیہ نے کوئی وُقعت نہیں دی اور
اُن کے نمائندے نامزد کرنے کے اختیارات اُن محدودے چند
افراد کے سُپرد کر دئے گئے ہیں جن کے نازیبا سلوک سے یہ آٹھ
کروڑ انسان پہلے ہی نالاں ہیں۔ اگر ریاستوں کو فیڈریشن میں
شامل کرنے سے حکومت برطانیہ کا مقصد ریاستوں کی حمایت حاصل
کرنا ہے تو یہ مقصد آٹھ کروڑ انسانوں کے قلوب کو مُٹھی میں
لینے سے حاصل ہو سکتا تھا، نوابوں اور مہاراجوں کی محدود
حمایت اس مقصد کو پُورا نہیں کرسکتی!

ہندوستان کے وہ قومی کارکن، جو اس وقت آٹھ کروڑ مظلوم
ریاستی باشندوں کی ترجمانی کرنے سے ہچکچاتے ہیں وہ فیڈریشن
کے نافذ ہونے پر ان ریاستوں کو اپنے دوش بدوش کھڑا کرنے
میں اپنی کامیابی سمجھیں گے۔ ان حالات میں زیادہ دُور اندیش
نواب اور مہاراجے وہی مقصود ہو سکتے ہیں جو یا تو فیڈریشن
میں شمولیت سے محتاط رہیں یا پھر نامزد نمائندوں کی بجائے

مرکز میں جانے والے نمایندوں کے انتخاب کا اختیار اپنی رعایا کے
سپرد کریں۔"

ناموسِ رسولؐ کی توہین

فرقہ پرستی اور تنگ نظری کی پرستار مُسلم کانفرنس کے پنڈال سے
حُب الوطنی اور قوم پرستی کے اس نظارے کی تاب نہ لا سکے اور اتحاد و اتفاق
کے اس ابتدائی تجربہ کو تارپیڈو کرنے کے لئے یووک سبھا کے پریزیڈنٹ
پنڈت شیو نرائن فوطیدار نے پہل کی۔

۷ جون ۱۹۳۷ء کو اُنہوں نے کشمیری پنڈت جاتی کو شیتل ناتھ میں
خطاب کرتے ہوئے مسلمانوں کی دِل آزاری کے لئے فرمایا کہ "ہندو گائے
کا وہی احترام کرتے ہیں جو مُسلمان حضرت محمدؐ کا۔" ان غیر ذمہ دارانہ
اور گستاخانہ الفاظ سے مُسلمانوں کے جذبات مشتعل ہونے لازمی تھے۔
جو خیرالبشر، سرورِ کائنات، رحمۃ للعالمین حضرت محمد مصطفےٰ احمدِ مجتبےٰ
صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ اقدس میں کہے گئے۔ ان کی بے ہودہ تقریر
معہ مندرجہ صدر جُملے کے ۸ جون ۱۹۳۷ء کے "مارتنڈ" سری نگر میں شائع
ہوئی۔ اس پر مُسلم حلقوں میں زبردست شورش کا اظہار کیا گیا اور
حالات نے زبردست پلٹا کھایا۔ شہر کی پُرسکون فضاؤں میں انقلابی
جوش و خروش پیدا ہونے پر حکومت نے دفعہ ۱۴۴ نافذ کیا۔ میرواعظ محمد
یُوسف شاہ، جو بہت حد تک سیاست سے کنارہ کش ہو چکے تھے،

اور صرف جامع مسجد تک ہی ان کی وعظ خوانی محدود ہو چکی تھی، مسلمانوں
کے مجبور کرنے پر توہینِ رسُولؐ کے نام پر دفعہ ۱۴۴ کو توڑتے ہوئے جامع
مسجد سے پروٹسٹ کے طور پر نکالے ہوئے ایک جلوس کی قیادت کرتے
ہوئے چل پڑے۔ اہلِ جلوس اسلام زندہ باد۔ "توہینِ مذہب کرنے والے
عناصر کو قرارِ واقعی سزا دی جائے" کے علاوہ یہ دلخراش آہ و زاری کرتے
جا رہے تھے کہ "اسہ کو رکھ توہینِ مذہب اُسی کرو نا سر فدا!"
(یعنی ہمارے مذہب کی توہین کی گئی، ہم کیوں نہ اپنے سر قربان کریں!)
اس جلوس اور پولیس کے مابین مڈبھیڑ ہو رہی کدل پُل کے قریب ہوئی۔
پولیس جلوس کو روکنے میں ناکام ہوئی اور جلوس پر گولی چلائی گئی۔
جس سے ایک نوجوان شہید ہوا۔ اہلِ جلوس لاش کو لے کر پُرامن
طریقے پر جلوس کی شکل میں آگے بڑھتے گئے۔ جلوس کے بہانہ محلہ پہنچتے ہی
پولیس نے ان پر ایک اور بار لاٹھی چارج کیا اور مولوی یُوسف شاہ
زخمی ہو کر گرفتار کر لئے گئے۔ شیخ محمد عبداللہ نے، جو اُن دنوں بیج بہارہ
میں تھے، اس واقعہ کی اطلاع پاتے ہی ایک بیان میں کہا کہ "مذہب
کسی کی میراث نہیں۔ اگر میرواعظ دوپہر کا کھانا جیل میں کھاتے ہیں
تو رات کے کھانے پر ہم اُن کے دسترخوان پر شریک ہوں گے!"
حالات سے خوف زدہ ہو کر اگلے دِن اخبار "مارتنڈ" نے تقریر کے
اس حصہ کو رپورٹر کی غلط رپورٹنگ سے تعبیر کرتے ہوئے اس کی
تردید کی اور پنڈت شیو نرائن فوطیدار نے معافی مانگی۔ درحقیقت یہ

طوفان اُن کے اس شر انگیز بیان سے اُٹھ کھڑا ہوا، اُس نے کوطلیدار جی کی ساری شوخی فرو کر دی اور وہ فرقہ پرستی کو اُبھارنے والے تمام فن کو فراموش کر کے مُسلم کانفرنس کے رہنماؤں کے چرن پکڑنے میں ہی اپنی بقا و سلامتی تصور کرنے لگا۔ اور اس طرح کوطلیدار جی نے اس واقعہ کے فوراً بعد اپنی تمام تر خدمات مُسلم کانفرنس کے سیاسی نظریہ ذمہ دار نظام حکومت کے حصول کے لئے پیش کیں۔ اس پر بخشی غلام محمد نے کچھ دِن بعد اُسے ایک کھُلی موٹر کار میں سوار کر کے مہاراج گنج اور شہر کے دوسرے اندرونی علاقوں کا گشت لگوایا۔ جس کا ظاہری و باطنی مقصد یہ تھا کہ کوطلیدار جی نے معافی مانگی اور مُسلم کانفرنس کے رہنماؤں نے اُسے معاف کر دیا۔

ان ہی ایام میں پونچھ کے علاقہ میں سنہ ۱۹۳۲ء کی طرح دوبارہ زبردست فرقہ وارانہ فسادات شروع ہوئے۔ شیخ محمد عبداللہ نے موقعہ کو غنیمت سمجھ کر سردار بدھ سنگھ جی اور پنڈت پریم ناتھ بزاز کی ہمراہی میں اُدھر کا رُخ کیا۔ کچھ عرصہ کے لئے پونچھ میں رہ کر جب شیخ صاحب واپس سری نگر آئے تو توہینِ رسُول صلعم کے اس واقعہ پر بیان دیتے ہوئے کہا کہ "وہ جھوٹ تھا اور سچ کا سُورج طلوع ہوتے ہی زائل ہوا۔"

مُسلمانوں کے شیرازۂ اتحاد میں رخنہ پڑنے کی وجہ سے میرواعظ محمد یوسف شاہ کو قفس میں سخت جسمانی تکالیف کا سامنا کرنا پڑا۔

تقریباً پندرہ دن تک حکومت نے انہیں اپنے مظالم کا شکار بنانے کے بعد جب حکومت کو اس امر کا یقین ہوا کہ وہ کسی قسم کا مچلکہ دینے کے لئے تیار نہیں ہیں، اُنہیں غیر مشروط طور پر رہا کر دیا۔ مگر اُن کی مخالف جماعت اور افراد نے اُن کی رہائی کے فوراً بعد یہ پروپیگنڈا کرنا شروع کیا کہ مولانا نے "آئندہ کسی ایسی تحریک کو نہ اُبھارنے" کا مچلکہ دے کر رہائی حاصل کی ہے۔

اس پروپیگنڈے کے جواب میں میرواعظ کے حامیوں نے جامع مسجد سری نگر کے اندر ایک عظیم الشان جلسہ منعقد کیا۔ جس میں مولانا یوسف شاہ نے، جن کے چہرے اور جسم کے بعض حصوں پر زخموں کے داغ نمایاں تھے اور جن کی مرہم پٹی کی گئی تھی، تقریر کرتے ہوئے اس افواہ کی تردید کی کہ میں نے معافی مانگ کر رہائی حاصل کی ہے اور نہ میری رہائی کے پسِ منظر میں کوئی مصلحت کارفرما ہے!

۳۰ رجون سنہ ۱۹۳۷ء کو اخبار "اسلام" سری نگر نے ایک خصوصی ضمیمہ شائع کیا۔ جس میں میرواعظ کے تردیدی بیان کو "اعلان" کے عنوان سے صفحۂ اوّل پر شائع کیا گیا۔ اعلان کا متن درجِ ذیل ہے:-

"چند اشخاص شہر میں اس قسم کی افواہیں پھیلا رہے ہیں کہ میں حکومت سے معافی مانگ کر یا ضمانت دے کر رہا ہوا ہوں۔ یہ ایک بہتانِ عظیم ہے۔ جو غرض چند اشخاص کی طرف سے مجھ پر لگایا جا رہا ہے۔ لہذا میں اس قسم کی غلط فہمیوں کے

انسداد کے لئے اعلان کرتا ہوں کہ میں نے نہ تو کسی قسم کی ضمانت دی ہے نہ حکومت سے معافی کا خواستگار ہوا ہوں۔ حکومت نے ۲۶ر جون کو مجھے ایک پُرامن جلوس کی قیادت کرتے ہوئے گرفتار کیا اور کل ۹ بجے رات کو میرے مکان پر لا کر مجھے چھوڑ دیا۔

میں آج آسمان اور زمین اور ہر اس چیز کو، جو اس میں موجود ہے، گواہ قرار دے کر اعلان کرتا ہوں کہ جس مقصد کے لئے مجھے گرفتار کیا گیا تھا، آج بھی وہی میری زندگی کا واحد نصب العین ہے اور اس کے حصول سے سوائے موت کے اور کوئی چیز مجھے روک نہیں سکتی۔ اور وہ مقصد وہی ہے جس کا اعادہ آج ۲۰ روز سے ہم کر رہے ہیں اور جس کی پاداش میں بے انداز جانبازوں کو شہید و مجروح اور گرفتار ہونا پڑا۔ یہ تحریک روز بہ روز زیادہ تیزی کے ساتھ جاری رہے گی۔ جب تک شاتمِ رسول صلعم کو قرارِ واقعی سزا نہیں دی جاتی۔ اُس وقت تک میں بدستور سر بکف ہوں۔ اگر حکومت سمجھتی ہے کہ میری رہائی کسی معاہدہ کی رُو سے عمل میں آئی ہے تو اس کی حقیقت میری آج کی تقریر سے واضح ہو چکی ہے۔"

خادمِ اسلام والمسلمین محمد یوسف شاہ میر واعظ کشمیر
عفی عنہٗ

مزدور سبھا

نومبر ۱۹۳۷ء میں خواجہ غلام محی الدین قرہ کی زیر قیادت کشمیر مزدور سبھا کی بنیاد ڈالی گئی۔ ۱۴ر نومبر کو "یوم مزدور" منایا گیا۔ اس سبھا کے اہتمام سے مزدوروں کی تنظیم شروع ہو گئی۔ جلسے جلوس اور دیگر مظاہرے ہونے لگے۔ اس پر سبھا کے ایک سرگرم رکن فیض احمد پراچہ کو ریاست سے باہر نکالا گیا۔ فیض احمد ۱۹۲۹ء میں پشاور سے سری نگر آیا تھا۔ اور زہرہ بیگم نام کی ایک لڑکی سے شادی کی تھی۔ اس سے پہلے نواب بلوچستان کا ذاتی سیکرٹری رہ چکا تھا پراچہ صاحب اشتراکی خیالات رکھتے تھے اور حکومت کشمیر نے ان کو کشمیر بدر کرنے کی ایک وجہ یہ بتائی کہ وہ روسی سرحد پر اپنی سرگرمیاں جاری رکھنے سے باز نہ آئے!

پنڈت پریم ناتھ بزاز، جو ہفتہ وار "ہمدرد" کے ذریعہ سبھا کی حمایت کر رہے تھے ان کی چھ ماہ کے لئے زبان بندی کے احکام جاری ہوئے۔

(٢٣)

اسمبلی کے جدید انتخابات

۳۱ر دسمبر ۱۹۳۷ء کو اسمبلی کی میعاد ختم ہوئی اور اگلے انتخابات کی تیاریاں شروع ہوئیں۔ حکومت نے اب انتخابات میں خصوصی طور پر صوبۂ جموں میں مسلمانوں کے شیرازۂ اتحاد کو بکھیرنے کے لئے گوجر، جاٹ اور راجپوت وغیرہ کے نام سے مسلمانوں کو اُبھارا۔ اور نتیجہ کے طور پر مسلمان آپس میں گتھم گتھا ہو گئے۔ مگر چودھری غلام عباس خان، مسٹر اللہ رکھا ساغر اور چودھری حمید اللہ کی قیادت نے ان تمام سازشوں کو ناکام بنا کے رکھ دیا اور مسلم کانفرنس نے ۲۱ نشستوں میں سے ۱۹ پر ووٹوں کی بھاری کثرت سے کامیابی حاصل کی۔ مسٹر اللہ رکھا ساغر جموں، ایس فتح محمد خان مینڈر (پونچھ) خان محمد خان پونچھ، خواجہ غلام محمد صادق سری نگر، میاں احمد یار خان ٹنکی پورہ سری نگر، مسٹر ایم اے حفیظ رینہ (آزاد امیدوار) رعناواری سری نگر، آغا سید حسین

جلالی خانقاہِ معلی سری نگر، خواجہ احمد اللہ شہداد تاشوان سری نگر، خواجہ اکبر ڈار اونتی پورہ، مرزا محمد افضل بیگ اسلام آباد، محمد خلیل کچلو، عبدالغنی دِلنہ (بارہ مولہ)، صوفی محمد اکبر سوپور، مسٹر غلام نبی اسلام آباد، چودھری حمید اللہ خان، مولانا محمد سعید مسعودی، عبدالغنی ترالی وغیرہ از مسلم کانفرنس۔ یووک سبھا نے تین کشمیری پنڈت نشستوں میں سے دو پر اور پنڈت شیو نرائن فوطیدار اور پنڈت امرناتھ کاک کو کامیاب بنا کر قبضہ کر لیا۔ آگے چل کر جب مسلم کانفرنس کے آئین اور نام میں تبدیلی کی گئی تو یہی جماعت نیشنل کانفرنس گروپ کے نام سے میاں احمد یار خان کی قیادت میں اسمبلی میں کام کرنے لگی۔

اسی دوران مسلم کانفرنس کے چھٹے سالانہ اجلاس کی تاریخیں مقرر ہوئیں۔ مسلم کانفرنس کے رہنماؤں نے اس بات کا اٹل فیصلہ لیا کہ مسلم کانفرنس کے آئین اور نام کو بدل کر ایک ایسا دستور اور ضابطہ مرتب کیا جائے جس سے ریاست کے تمام باشندے بلا امتیاز مذہب و ملت مشترکہ طور پر ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو سکیں اور ذمہ دار نظام حکومت کے قیام کے لئے جدوجہد شروع کریں۔ ان ہی دنوں ہندوستان میں سٹیٹس پیوپلز کانفرنس پنڈت جواہر لال نہرو کی قیادت میں قائم کی گئی۔ جس سے یہ امر لازمی بن گیا کہ اگر مسلم کانفرنس کے زعماء تحریک حریت کشمیر کی حمایت ہندوستان کے قوم پرستوں سے حاصل

کرنا چاہتے ہیں تو اُنہیں اپنے نظریات میں وسعت پیدا کرنی چاہیئے۔ اور جماعت کے نام اور آئینِ اساسی میں تبدیلی لانی ہوگی۔

۲۴
مسلم کانفرنس کا چھٹا سالانہ اجلاس

مسلم کانفرنس کا چھٹا سالانہ اجلاس ۲۵ — ۲۶ — ۲۷ مارچ ۱۹۳۸ء کو جموں میں زیر صدارت شیخ محمد عبداللہ منعقد ہوا۔ شیخ محمد امین ممبر لیجسلیٹو اسمبلی نے بہ حیثیت صدر مجلس استقبالیہ اپنے خطبۂ استقبالیہ میں مسلم کانفرنس کی گذشتہ کارکردگیوں پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ "یہ مسلم کانفرنس کے رہنماؤں کی قیادت اور قربانیوں کا اعجاز ہے کہ اس تھوڑے سے عرصہ میں ریاست کی جملہ اقوام نے یکساں طور پر فائدے حاصل کئے اور انشاء اللہ آئندہ بھی ان کی جدوجہد سے ملکی اقتصادیات، سیاسی اور مجلسی زندگی میں انقلاب لانے اور ترقی کی راہیں استوار کرنے میں اہلِ ریاست مستفید ہوتے رہیں گے!

شیخ محمد عبداللہ نے اپنے خطبۂ صدارت میں ذمہ دار نظام حکومت کی وضاحت کرتے ہوئے کہا:-

"ہمیں اپنے گھر کا انتظام کرنے میں خود مختاری دے دی جائے اور ہمارے اُن قدرتی و پیدائشی حقوق، جو انسانیت کے ابتدائی اور عام حقوق ہیں، ان میں کوئی بیرونی اور مطلق العنانہ اندرونی مداخلت نہ کی جائے۔ اسی چیز کا نام ذمہ دار نظام حکومت ہے اور یہی ہمارا وہ نصب العین ہے جس کے حصول کی خاطر ہم اپنی زندگیاں وقف کر چکے ہیں اور جس کو ہر قیمت پر حاصل کرنا ہمارا محبوب ترین مقصدِ حیات قرار پا چکا ہے۔

ذمہ دار نظام حکومت کے حصول میں اُن تمام لوگوں کی شرکت فرضِ اولین ہے جنہیں موجودہ نظام حکومت کے وقت مختلف النوع غلامیوں اور فقر و فاقہ کی مصیبتوں کا شکار بنایا جا رہا ہے۔ وہ لوگ کون ہیں؟ وہ صرف مسلمان ہی نہیں، صرف ہندو اور سکھ ہی نہیں، اچھوت اور بودھ ہی نہیں بلکہ ریاست کے تمام باشندے ہیں۔ بعض مسلمان اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ آٹھ لاکھ
کے آٹھ لاکھ غیر مسلم نہایت ہی آرام کی زندگی بسر کر رہے ہیں! یہ خیالِ خام ہے۔ درحقیقت آٹھ لاکھ میں سے

چند ہزار غیر مسلم ہی ایسے ہوں گے جو مصائب و آلام سے بچے ہوئے ہوں! ورنہ باقی سب کے سب آپ ہی کی طرح بے علمی، جہالت، مفلسی، قرضہ، بھاری بھرکم محصولات اور اسی قسم کی دوسری مصائب کے مارے ہوئے ہیں ـــــ

یہ نظامِ حکومت صرف ۸۰ فی صدی مسلم آبادی کے لئے ہی طلب نہیں کیا جارہا ہے، یہ تو سو فی صدی باشندگانِ جموں و کشمیر کے لئے مانگا جارہا ہے۔ اس لئے اس کو حاصل کرنے کے وقت ۲۰ فی صدی ہندوؤں، سکھوں، بودھوں اور ہری جنوں کو بھی شمولیت کی دعوت دینا اور انہیں اپنے ساتھ ملا کر آگے بڑھنا اشد ضروری ہے ـــــ

میرے نزدیک قومی عمارت کو صحیح بنیادوں پر قائم کرنے کے لئے دو باتیں لازمی اور جمہوریت کی جان ہیں۔ اوّلاً تمام سیاسی و معاشی امور میں ہندو، سکھ اور مسلم، غیر مسلم کے امتیازات کو ختم کرکے مشترکہ اور متحدہ قومی محاذ قائم کرنا۔ دوم ملک کے ہر ایک بالغ مرد و زن کو حقِ رائے دہندگی کے زیور سے آراستہ و پیراستہ کرکے مشترکہ طریقہ انتخاب کو رائج کرنا ـــــ"

اجلاس میں اس حقیقت کی صراحتاً وضاحت کی گئی کہ غیر مسلموں کو دعوتِ اشتراکِ عمل دینا نہ زمانہ سازی ہے اور نہ ڈپلومیسی

بلکہ یہ دل سے نکلی ہوئی پُرخلوص آواز ہے جس کو بہرصورت عمل میں لانا لازمی ہے۔ اس سوال کا حل پیش کرتے ہوئے کہ غیر مسلموں کو مسلم کانفرنس بہ حیثیت مسلم کانفرنس اپنا ممبر نہیں بنا سکتی، اس لئے عملی اشتراک کے لئے کون سا طریقہ اختیار کیا جائے، شیخ صاحب نے کہا کہ میں اس سوال کی معقولیت کو سمجھتا ہوں۔ ریاست کے مسلم و غیر مسلم کو ایک مرکز پر کھڑا کرنے کی صورت موجودہ حالت سے مختلف ہونی لازمی ہے۔ ایک مشترکہ قومی جماعت کی تعمیر کے لئے جماعت کے نام بعض جزوی قواعد میں ضروری ترمیم کرنی لازمی اور ضروری ہے!

اجلاس میں متعدد قراردادیں پاس کی گئیں۔ جن میں ایک قرارداد کے ذریعہ حکومت کو متنبہ کیا گیا کہ حکومت نے محض اپنی ... واری کو اخباری تنقیدوں سے محفوظ رکھنے کے لئے ریاستی ... ت کا گلا گھونٹنے کے لئے پریس ایکٹ میں ترمیمیں پاس کی ... ضرورت اس بات کی ہے کہ اس طرح پریس پر نئی عائد شدہ ... ں کو منسوخ کیا جائے۔ مالیہ کی شرح، زمین کے رقبہ کے حساب ... ل کی جائے اور کم رقبہ زمین کے مالکوں کو مالیہ سے مستثنیٰ ... ئے۔ آئے دن ہزاروں کسان چند پیسوں کی بر وقت دوا ... نہ ہونے کی وجہ سے جانوروں کی طرح بے دردی سے



خواجہ غلام محی الدین همدانی



خواجہ غلام محی الدین قرہ



ری شیو نرائن فوطیدار



خواجہ محمد عمر بٹ

جان دے دیتے ہیں۔ خاص کر دیہی مستورات کو ایام زچگی کے دوران اتنی طبی اعانت بھی میسر نہیں ہوتی جتنی شہروں میں کسی حیوان کو میسر ہو سکتی ہے۔ حکومت کے لئے لازمی ہے کہ دیہات میں بسنے والے لوگوں کی زندگی سدھارنے کی طرف فوری توجہ دے۔

اس اجلاس میں مسلم کانفرنس کا نام نیشنل کانفرنس میں تبدیل کرنے کی تجویز بھی پیش کی گئی۔ مگر پاس نہ ہو سکی!

نیشنل کانگرس

مئی ۱۹۳۸ء میں پنڈت رگھوناتھ ویشنوی نے خواجہ محمد عمر بٹ کے ساتھ مل کر ریاست میں نیشنل کانگرس نام کی ایک نئی جماعت کی داغ بیل ڈال دی۔ اس کانگرس کو انڈین نیشنل کانگرس سے کوئی تعلق نہ تھا۔ اس پارٹی کے صدر خواجہ محمد عمر بٹ اور جنرل سیکرٹری پنڈت رگھوناتھ ویشنوی تھے۔ قابلِ ذکر ممبروں میں مسٹر مدن لال ویر پرکاش، سیٹھ کشوری لال اور خواجہ علی محمد بٹ آف بسنت باغ ہیں۔ ریاست میں نیشنل کانفرنس بننے کے بعد یہ جماعت اس میں مدغم ہو گئی۔

ایک تجویز

۲۸؍ جون ۱۹۳۸ء کو مسلم کانفرنس کی ورکنگ کمیٹی میں

تجویز پیش ہوئی کہ اگر ورکنگ کمیٹی کی رائے میں وقت آن پہنچا ہے
کہ ملک کے تمام ترقی پسند عناصر حصولِ ذمہ دار نظام حکومت
کے لئے ایک جھنڈے تلے جمع کئے جائیں۔ اسی لئے مجلسِ عاملہ
جنرل کونسل سے سفارش کرتی ہے کہ آئندہ ہونے والے سالانہ اجلاس
کے موقعہ پر کانفرنس کے نام اور آئین میں اس قسم کی تبدیلی اور ترمیم
جائے تاکہ تمام ایسے لوگ، جو اس سیاسی جدوجہد میں حصہ
نے کی خواہش رکھتے ہوں، بلاتمیز مذہب و ملت اور رنگ و
ل آسانی کے ساتھ کانفرنس کے رکن بن سکیں۔" اس تجویز کی
ہری غلام عباس خان، عبدالمجید قرشی، شیخ احمد دین بانہالی
ی دوسرے ممبروں نے زبردست مخالفت کی۔ جس پر انہیں
عفی ہونے کو کہا گیا۔

دار نظام حکومت دے"

یاست کی سیاسی فضاؤں میں انقلاب انگیز تبدیلیوں
ان کرسیٔ وزارتِ عظمیٰ سر این گوپال سوامی آئینگر کے حوالے
تھی جو بذاتِ خود قوم پرست نظریہ رکھنے کے باوجود
کے اشاروں پر ریاستی باشندوں کے مطالبۂ ذمہ دار نظام حکومت
ے دبانے کے لئے حکومت کی پوری مشینری کو حرکت میں
تلاش کرنے سے نہیں کتراتا تھا۔ ۸ اگست ۱۹۳۸ء کو مسلم کانفرنس نے

"ذمہ دار نظام حکومت ڈے" کے طور پر منانے کا فیصلہ کیا۔ ریاست کی تاریخ میں یہ پہلا موقعہ تھا جب صدیوں کے بعد ہندوؤں، مسلمانوں اور سکھوں نے مل کر بالکل عوامی سطح پر اپنے "اختلافات کو پس پشت ڈال کر قومی مفادات کی خاطر یک جان ہو کر ذمہ دار نظام حکومت کے قیام کے لئے سرینگر میں تاریخی جلوس نکالا جس میں سبھی فرقوں کے لوگوں اور نمائندوں نے شرکت کی۔ اگر یہ کہا جائے کہ اس نوعیت کا جلوس جو خلوص، دیانت داری، حب الوطنی اور قوم پرستی کا پہلا مظاہرہ تھا، پھر کبھی دیکھنے میں نہ آیا تو بے جا نہ ہوگا۔

حکومت کا چیلنج

سالانہ اجلاس کے اختتام پر مسلم کانفرنس کے رہنماؤں نے پروگرام کے مطابق ذمہ دار نظام حکومت کے فوائد سے ریاستی باشندوں کو آگاہ کرنے کے لئے تقریروں کا ایک ریاست گیر سلسلہ شروع کیا۔ اور اسی پروگرام کے تحت ضلع میرپور کے صدر مسلم کانفرنس راجہ محمد اکبر خان نے ایک جلسہ میں حکومت کے غیر ذمہ دارانہ انتظامیہ پر کڑی نکتہ چینی کی۔ انہیں گرفتار کرکے تین سال قید اور ایک سو روپے جرمانے کی سزا دی گئی۔ گویا کہ اس طرح سر گوپال سوامی آئینگر نے اپنی داروگیر پالیسی کا اعلان کیا۔ مگر سخت جان ریاستی باشندوں نے اس چیلنج کو قبول کرتے

ہوتے ہی اپنی کارروائی شروع کی۔ ۲۹ر اگست کو شیخ محمد عبداللہ کو گرفتار کرکے چھ ماہ قید کا حکم سنایا گیا اور بخشی غلام محمد، غلام محمد صادق، مولانا محمد سعید مسعودی اور دوسرے لیڈروں سے نیک چال و چلن کی ضمانت طلب کی گئی۔ مگر ان کے انکار کرنے پر انہیں بھی چھ چھ ماہ قید کی سزا دی گئی۔ ان کے ساتھ ہی مسلم کانفرنس کے دوسرے سینکڑوں کارکنوں اور لیڈروں کو گرفتار کر لیا گیا۔ یہ گرفتاریاں عین اس وقت عمل میں لائی گئیں جب کہ مسلم کانفرنس کی لیڈرشپ میں متحدہ قومیت کی بنیاد پر عوامی تحریک منظم کرنے کے حق میں رائے عامہ پیدا ہو چکی تھی۔

۲۸ر فروری ۱۹۳۹ء کو شیخ محمد عبداللہ کی رہائی کے فوراً بعد تمام دوسرے سیاسی رہنماؤں کو رہا کیا گیا۔ رہائی کے فوراً بعد مسلم کانفرنسی لیڈروں نے ان تمام عناصر کو یکجا کرنے میں سرگرم حصہ لینا شروع کیا جو قومی یکجہتی کے نظریہ کے قائل تھے اور بغیر مزید وقت ضائع کرنے کے مسلم کانفرنس کا سپیشل اجلاس شاہی مسجد سری نگر میں خواجہ غلام محمد صادق کی صدارت میں ۱۰ اور ۱۱ جون ۱۹۳۹ء کو منعقد کیا گیا۔

سپیشل اجلاس

مولانا مسعودی نے، جو مجلس استقبالیہ کے صدر تھے، یہ ہنگامہ خیز قرارداد پیش کی کہ اب وقت آن پہنچا ہے کہ مسلم کانفرنس کے نام

کو بدل کر نیشنل کانفرنس رکھا جائے۔ جب کہ ہماری تحریک فرقہ وارانہ نہیں ہے اور جب کہ ہماری جدوجہد سے ریاست کے تمام باشندوں کو یکساں فائدہ پہنچتا ہے تو کیوں نہ ہم سب مل کر اس نظریہ اور نصب العین کے لئے مشترکہ طور پر کمربستہ ہو جائیں جس سے ہمارا مستقبل درخشاں بن جائے۔ مولانا کی اس تجویز کی چودھری غلام عباس خان نے اپنے نظریہ کو تبدیل کرتے ہوئے ان الفاظ میں تائید کی :-

" ۱۹۳۱ء میں ریاست کی سیاست نو پیدا شدہ اور عالم طفولیت میں تھی۔ اس وقت نوزائیدہ سیاسیات کے لئے جو لباس تجویز کیا گیا تھا، آج جب کہ سیاست جوان ہو چکی ہے، وہ لباس تنگ ہو چکا ہے۔ اور ضرورت اس بات کی ہے کہ سیاسیات کے موجودہ جسم کے مطابق لباس کا انتظام کیا جائے۔ اس کانفرنس میں وسعت پیدا کر کے ہندوؤں اور سکھوں کو بھی شامل کرنا اسی مقصد کے تابع ہے۔ زمانہ بدلتا ہے، حالات بھی ساتھ ساتھ بدلتے رہتے ہیں۔ بدلتی ہوئی ضرورتوں کے ساتھ ساتھ جدید پروگرام تجویز کرنا پڑتا ہے۔ جب ہم ایسے مطالبات کر رہے ہیں جو ریاست کے سب لوگوں کے لئے ہیں تو مطالبات کی حمایت کے لئے سب لوگوں کو ایک صف میں کھڑا کرنا ضروری ہے۔ اس لئے میں اس ریزولیوشن کی تائید کرتا ہوں۔ آپ حضرات کو قائد اعظم شیر کشمیر کی خدمات اور کارناموں کو پیش نظر رکھنا چاہیئے اور دشمنوں کی باتوں

کی کوئی اہمیت نہیں دینی چاہیئے۔ "اسلام کو خطرہ" کہنے والے گمراہی پھیلا رہے ہیں۔ ہمیں یقین ہے کہ اقلیتوں کا اتحاد عمل ہونے سے نہ صرف ہم اپنے نصب العین کے قریب پہنچ جائیں گے بلکہ ہماری مشکلات بھی حل ہو جائیں گی ——

آخر پر آپ نے ڈیلی گیٹوں سے اپیل کی کہ وہ اپنی رائے کا اظہار ایمان داری سے کریں اور " اسلام خطرے میں " کا نعرہ لگانے والوں کی پرواہ نہ کریں۔ "

چودھری غلام عباس خان اپنی خود نوشت سوانح عمری[1] میں اس واقعہ کا تذکرہ کرتے ہوئے اور نیشنل کانفرنس کی حمایت کرنے کے جواز میں یوں رقم طراز ہیں :-

" اس میں میری ذاتی کمزوری کو بھی دخل تھا۔ گذشتہ آٹھ سال کی شدید اور مسلسل کشمکش نے، جس میں ہر قسم کی جسمانی، روحانی مالی پریشانی اور بے اطمینانی شامل تھی، میری سیاسی کمر ہمت کو اس قدر توڑ دیا تھا کہ میں تن تنہا اس وقت علیحدہ تنظیم کا حامل نہیں ہو سکتا تھا ——— اس لئے باہمی سیاسی گفت و شنید اور اپنی پارٹی سے اندرونی مذاکرات کے بعد یہ بات قرار پائی کہ نیشنل کانفرنس کے قیام کے تصفیہ کے سلسلے

[1] "کشمکش" صفحہ نمبر ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۵، ۲۱۶ مطبوعہ ۱۹۵۰ء اردو اکیڈیمی لاہور

سرینگر میں مسلمانوں کا ایک مخصوص اجلاس طلب کیا جائے۔ چناں چہ
نیشنل کانفرنس کے قیام کی مندرجہ ذیل شرائط طے پائیں:۔

(۱) مسلمانوں کی تمام مخصوص مذہبی، اقتصادی، سیاسی اور دفتری شکایات کے لئے جدّ و جہد کرنا نیشنل کانفرنس کے اغراض و مقاصد میں شامل ہوگا۔

(۲) اسمبلی اور دیگر پبلک اداروں کے انتخابات میں مروجہ جُداگانہ طریقۂ انتخاب بحال رہے گا۔

(۳) شیخ محمد عبد اللہ کانگرسی پالیٹکس نہیں اپنائیں گے۔ نہ ہی کسی حالت میں کانگرس کی حمایت کی جائے گی۔

(۴) مسلمانانِ ہند کی واحد نمائندہ جماعت مسلم لیگ کی مخالفت کسی رنگ میں بھی نہ کی جائے گی!

(۵) مہاراجہ ہری سنگھ کے خلاف جہادِ آزادی میں ریاست کی تمام بسنے والی قومیں شریک ہوں گی۔ اور کانفرنس کا منتہائے مقصود ہر طریقے سے ریاست میں ذمہ وارانہ نظامِ حکومت کا قیام ہوگا۔ وغیرہ

یہ شرائط میری جانب سے کھلے اجلاس میں پیش کی گئیں۔
اور فریق مخالف کی جانب سے تسلیم کی گئیں۔ ہماری جانب سے
اعلان بھی کیا گیا کہ ہم ایک قسم کے میثاق کے ماتحت نیشنل کانفرنس
میں شامل ہونے کے لئے تیار ہیں اور ہم متحدہ قومیت کے علم بردار

کا سیاسی طرز کچھ عرصہ کے لئے دیکھنے کے بعد قطعی فیصلہ کریں
گے۔ چنانچہ ہر قسم کی ممکن جرح و تعدیل، تنقید و تنقیح،
پیش بندی اور حفظِ ما تقدم کے بعد نیشنل کانفرنس کا قیام
عمل میں لایا گیا۔

نیشنل کانفرنس کے قیام کے سلسلے میں مفصلہ ذیل امور
اثر انداز ہوئے:۔

(۱) شیخ محمد عبد اللہ اب ہمارے ہاتھ سے بالکل نکل چکے تھے اور نہرو کو اب اپنا گورو اور غالباً روحانی رہنما بھی سمجھنے لگے تھے۔

(۲) اُس وقت کے سیاسی حالات اور مسلمانوں کے تعلق میں مہاراجہ ہری سنگھ اور حکومت کشمیر کی مخصوص پالیسی کے پیشِ نظر ہمارے نزدیک مسلمانوں کا باہمی اختلاف قومی خودکشی کے مترادف تھا!

تمام چیدہ کارکن متفق تھے کہ ریاست میں مسلمانوں کی دو جماعتیں قائم نہیں رہ سکتیں!

(۳) اُس وقت ہر ایک بہ خیالِ خود یہ سمجھتا تھا کہ شیخ محمد عبد اللہ مسلمانوں کو ختم کر دینے کی سازش نہ کر پائیں!

(۴) مسلمانوں کی اسی ۸۰ فی صدی اکثریت کی موجودگی میں غیر مسلموں کی شمولیت، مسلمانوں کی جُداگانہ حیثیت میں

خلل انداز نہ ہو سکے گی۔

(۵) جن شرائط کے ماتحت نیشنل کانفرنس کا قیام عمل میں لایا جانا مقصود تھا، وہ سراپا فرقہ وارانہ تھیں۔

(۶) متحدہ قومیت کے اصول کو تسلیم نہیں کیا گیا تھا، بلکہ ایسی بات پر زور دیا گیا کہ متحدہ قومیت کے لئے ہندو اور مسلمان کا ایک دوسرے میں جذب ہو جانا اسلامی نقطہ نگاہ میں ناممکن ہے۔ ہندو اور مسلمان کے درمیان صرف ایک سیاسی سمجھوتہ کے ماتحت اشتراک عمل ہو سکتا ہے۔ کانفرنس نے محض ہندوؤں کو اپنے ساتھ شامل کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔

(۷) ہندوؤں اور شیخ محمد عبداللہ کے واسطے ہماری جانب سے اتمام حجت بھی پیش نظر تھا۔

۱۹۳۵ء میں حضرت قائد اعظم سری نگر تشریف لائے تھے، مسلم کانفرنس کی جانب سے اُن کی خدمت میں سپاس نامہ پیش کیا گیا تھا۔ اُس وقت صدر میں ہی تھا۔ ابھی شیخ صاحب اور ہم اکٹھے ہی تھے۔ سپاسنامہ کے جواب میں حضرت قائد اعظم نے فرمایا تھا کہ "ریاست میں مسلمانوں کی بھاری اکثریت کی وجہ سے مسلمانوں کے لیڈروں کا فرض ہے کہ وہ نہ صرف یہ کہ غیر مسلموں کی تالیفِ قلوب کریں بلکہ اُن کی سیاسی گاڑی کا ایک پہیہ سمجھ کر چلائیں۔"

—— یہ وہ تمام باتیں تھیں جنہوں نے بہ حیثیتِ مجموعی میرے اور میرے رفقائے کار کے ارادوں کو تبدیل کیا۔"

مولانا محمد سعید مسعودی نے اپنے خطبۂ استقبالیہ میں کہا:۔

"غلامی کی جن زنجیروں نے اہل کشمیر کو زندہ در گور اور جہنمی بنا رکھا ہے، انہیں کاٹا جائے اور کشمیر کو آزادی دلا کر اپنی قسمت بنانے کے قابل بنایا جائے تاکہ جنتِ ارضی حقیقی معنوں میں اپنے باشندوں اور سپوتوں کے لئے جنت بن سکے۔ یہ کتنا بلند جذبہ ہے جو آپ کو کشاں کشاں اس اجتماع کی رونق بڑھانے لے آیا اور کتنا عالی شان مقصد ہے جس کی تکمیل میں آپ حصہ لینے والے ہیں۔ آپ اس وقت حقیقی معنوں میں کشمیر جدید کی بنیادیں استوار کرنے آئے ہیں۔ اس لئے یہ امر نہایت واضح ہے کہ آپ کے فرائض سے کامیابی اور سرخ روئی کے ساتھ عہدہ برآ ہونے کے لئے فولادی بازوؤں، شیر کے دل، کشور کشایانہ دماغ اور انقلاب انگیز عزائم کی ضرورت ہے اور مجھے یقین ہے کہ آپ آج کے فیصلوں کے وقت ان صفات سے متصف ہونے کا ثبوت پیش کریں گے۔

آج کا اجتماع اور محفل دیکھنے میں ایک محدود مقام پر گنتی کے چند ہزار انسانوں کا اجتماع ہے۔ مگر اپنے اثر کے لحاظ سے اس کی اہمیت اتنی زیادہ ہے کہ تمام ہندوستان کی

نظریں اس وقت اس اجتماع پر جمی ہوئی ہیں اور ۳۶ کروڑ انسانوں کے کان آپ کا فیصلہ سُننے کے لئے بے تاب ہیں۔ ہندوستان بھر کے ہندو مسلمان اور سکھ گوش بر آواز ہیں کہ کشمیر کی بلند چوٹی سے ان کے لئے اتحاد و اتفاق، یگانگت اور ملاپ کا کونسا قابلِ تقلید نمونہ پیش ہونے والا ہے تاکہ وہ اس کی پیروی کر کے اپنے صدیوں کے اختلافات کو گہرے کنویں میں دفنا دیں۔ خاص کر دیسی ریاستوں کے آٹھ کروڑ انسان چشم براہ ہیں کہ ریاست جموں و کشمیر کے اولوالعزم اور دانش مند باشندے میدانِ جہد البقاء اور عرصۂ کارزارِ حیات و حریت میں اُن کی کیا راہنمائی کرتے ہیں۔ آپ کی ہستی اس وقت بہت عظیم الشان ہے اور زمانۂ مستقبل کے نشیب و فراز اور اقوامِ ریاست ہائے ہند کی کامیابیاں اور ترقیاں آپ کے امروزہ فیصلوں کے ساتھ قریبی وابستگی رکھتی ہیں۔ جو فیصلہ آج آپ یہاں صادر کرنے والے ہیں، اُس کے لئے ہندوستان کی بڑی سے بڑی ریاست اور ترقی یافتہ سے ترقی یافتہ صوبے کے لوگ آپ پر رشک کر سکتے ہیں۔ ترقی کی دوڑ میں جو راستہ آپ اختیار کرنے والے ہیں، اس منزل کا صراطِ مستقیم اس سے بڑھ کر کوئی بھی نہیں اس لئے آج کی اس مجلس میں عزم و استقلال، روشن دماغی اور بہادرانہ اقدام سے اس منزل کو آسان اور ممکن الحصول کر

دِکھلایئے جسے کمزور ہمت والے مشکل اور ناممکن سمجھ کر اس کے تصوّر سے بھی گھبراتے ہیں اور مدت العمر کے لئے رہینِ پستی و کمینِ ذلّت بنے رہنے اور غلامی کا جوا دھارِ گردن بنا رہنے پر قانع ہیں۔"

خواجہ غلام محمد صادق نے اپنے فاضلانہ خطبۂ صدارت میں کشمیر اور طوقِ غلامی کا نقشہ کھینچتے ہوئے کہا کہ :۔

"کشمیر والے چار صد سالہ طویل غلامی کی وجہ سے آزادی کے نام اور مفہوم تک سے ناآشنا ہو گئے تھے۔ ان کی متعدد و متواتر کئی نسلیں غلامی میں پیدا ہونے اور غلامی ہی میں مر جانے کی وجہ سے انہوں نے غلامی کو اپنا قدرتی حق اور ایک مانوس و معیوب چیز تصوّر کر لیا تھا۔ جس طرح مدتوں پہنے رکھنے کی وجہ سے کوئی دیوانہ اپنے طوقِ زنجیر اور بیڑیوں کے ساتھ محبت کرنے لگتا ہے اور اُسے اپنا زیور سمجھتا ہے، اسی طرح کشمیر والے بھی اپنا طرۂ امتیاز اسی غلامی کو سمجھنے پر مجبور ہو چکے تھے مگر زمانے کی رفتار اور وقت کے رُخ کا جو تقاضا ہوتا ہے اُس کے راستہ میں کوئی چیز بھی سدِّ راہ نہیں بن سکتی۔ چنانچہ کشمیر میں انقلاب آیا اور اُس انقلاب کو لانے والے نہ آپ تھے اور نہ ہم بلکہ اس انقلاب کا موجب یہاں کی انتہا سے گزری ہوئی غلامی کی حالت، بے چارگی اور مظلومیت تھی۔"

ریاست میں ذمہ دار نظام حکومت کے قیام کو امر لابدی اور ضروری قرار دیتے ہوئے آپ نے کہا کہ :-

"کشمیر والے چار سو سال تک تقدیر کے بھروسہ پر زندہ رہے۔ مگر تقدیر نے نامہربان ہو کر اُن کی قسمت کی باگ ڈور دوسروں کے ہاتھ میں سپرد کئے رکھی۔ اب کشمیر والے صرف اتنا چاہتے ہیں کہ آیندہ کے لئے صرف اپنی قسمت بنانے اور سنوارنے کا اختیار ان کے اپنے ہاتھ میں دیا جائے۔ یہ چیز واقعی ایک انقلاب ہے اور اس انقلاب نے لازمی طور یہاں آ کر رہنا ہے۔ کسی کے روکے یہ رکنے کا نہیں۔ کوئی چاہے یا نہ چاہے، رات کے خاتمہ کے بعد صبح کے وقت سورج کا طلوع ہونا لازمی ہے۔"

ذمہ دار نظام حکومت اور مشترکہ جماعت کے قیام کی وضاحت کرتے ہوئے آپ نے کہا :-

"ریاست جموں و کشمیر میں ذمہ دار نظام حکومت کسی ایک طبقے یا کسی ایک جماعت یا کسی ایک مذہب کی حکومت نہیں ہوگی، بلکہ ریاست کے چالیس لاکھ انسانوں میں سے ہر فرد واحد مساوی طور پہ ذمہ دار نظام حکومت کا اپنے آپ کو مالک کہلائے گا۔ اور اُس کے چلانے میں مساوی حیثیت سے حصہ دار ہوگا اس لئے لازمی ہے کہ ذمہ دار نظام حکومت کے قیام کی جد و جہد میں بھی ریاست کے تمام لوگ بلا تمیز مذہب و نسل حصہ لیں

اور قربانیاں پیش کریں۔ یہ قربانیاں اور جد و جہد منظم طریقے پر بروئے کار لانے کے لئے ایک مشترکہ متحدہ مرکزی جماعت کا وجود اس راستہ کی سب سے پہلی اور اہم منزل ہے۔ اصولاً یہ منزل آج سے آٹھ سال قبل طے ہونی چاہیئے تھی اور اگر ایسا ہوا ہوتا تو آج ہم یہاں مل کر ذمہ دار نظام حکومت کے بار بار دُہرائے ہوئے مطالبہ کو از سرِ نو نہ دُہراتے۔ بلکہ حاصل شدہ ذمہ دار نظام حکومت کی گوناگوں ترقیات اور لائحہ عمل کا فیصلہ کرتے!"

صادق صاحب نے مُسلم کانفرنس کے انقلابی سپرٹ اور اس کے راہنماؤں کو خراجِ عقیدت پیش کرتے ہوئے کہا :-

"جب ابتدائی زلزلہ کے اثرات سکون پذیر ہونے لگے تو جو لوگ خلوص کے ساتھ جموں و کشمیر کو حقیقی معنوں میں بہشت بنانے کے لئے اپنی زندگیاں وقف کر چکے تھے، اُنہوں نے اپنے لائحہ عمل میں ایسی مرکزیت کو نمایاں جگہ دینی شروع کی اور نہایت سنجیدہ طریقے سے ریاست کے مختلف فرقوں کو ایک مرکز پر اکٹھا ہونے کی دعوت دیتے رہے۔ ۱۹۳۱ء کی تحریک حریت نے جن بیدار جماعتوں کو جنم دیا، اُن میں سے آل جموں و کشمیر مُسلم کانفرنس سب سے بڑی، سب سے زیادہ ذمہ دار اور ریاست بھر میں واحد فعال اور صحیح معنوں میں انقلابی جماعت تھی!

مُسلم کانفرنس نے اپنے اس فرض کو سرانجام دینے میں کوئی کوتاہی نہیں کی ——— اگر مسلم کانفرنس نے مشترک مطالبات پیش کرنے کے علاوہ جو کچھ اتحاد کی کوششیں کی ہیں، وہ نہ بھی کی ہوتیں، تو بھی کانفرنس کے مطالبات کا غیر فرقہ پرستانہ ہونا ہی کانفرنس کے خلوصِ نیت اور قوم پرست جماعت ہونے کے لئے سب سے بڑی دلیل تھی۔ کانفرنس کے مخلص اور قوم پرست قائدین کے دِلوں میں چونکہ کشمیر کی عزت اور خودمختاری کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا، اس لئے اُنہوں نے محض مشترکہ مطالبات پیش کرنے پر اکتفا نہ کیا بلکہ ایک طرف حکومت کے ساتھ ان مطالبات کے حصول کے لئے نبرد آزما رہے اور دوسری طرف برادرانِ وطن کو بار بار اشتراکِ عمل کی دعوت دیتے رہے اور اشتراک و اتحاد کی کوششوں میں سرگرم رہے۔

——— کانفرنس کے گذشتہ سالانہ اجلاس منعقدہ جموں میں ہندو مُسلم سِکھ اتحاد کا مسئلہ تقریروں اور ترغیبوں سے گذر کر عملی حدود میں داخل ہوا۔ چونکہ صدرِ محترم کے خطبۂ صدارت کا اکثر حصہ مسئلہ حصولِ ذمہ وار نظام حکومت اور مسئلہ مرکزیت پر مشتمل تھا، اس لئے خطبہ کی روشنی میں کانفرنس کے اجلاس کے لئے ضروری ہوا کہ وہ اس مسئلہ پر

قرارداد پاس کرلے۔ یہ امر بدیہی اور اظہر من الشمس ہے کہ ہندو مُسلم سِکھ اتحاد کوئی زبانی یا ہوائی چیز نہیں۔ ہندو مُسلم اتحاد کو جب تک محسوس اور باثر شکل حاصل نہ ہو جائے تب تک ایسے اتحاد کے کوئی معنی بھی نہیں۔ اس لئے ہندو مسلم اتحاد کے ظہور و عمل کے لئے ایک ایسی جماعت کا وجود ضروری ہے جس کے اندر ہندو مسلمان اور سِکھ یعنی تمام فرقے مساوی اور برادرانہ حیثیت سے داخل ہو جائیں۔ چونکہ اتحاد کا بُنیادی مقصد مُلک کو تمام مشترکہ مصائب اور مُہمات کا مقابلہ کرنا ہے اور ان مُہمات میں سے حصولِ ذمہ وار نظام حکومت ایک بڑی مہم ہے جس کے حصول کو کانفرنس اپنا مقدس نصب العین بنا چکی ہے، اس لئے یہ متحدہ جماعت اسی کانفرنس کو بنایا جا سکتا ہے تاکہ اتحاد کی معنوی شکل اور اُس کے عملی مفہوم کو ایک ہی جماعت سرانجام دے سکے! اس لئے جموں کے اجلاس میں یہ تحریک پیش ہوئی کہ آل جموں کشمیر مُسلم کانفرنس کے نام اور آئین میں ایسی تبدیلیاں کی جائیں جن کی بنا پر جموں و کشمیر کا ہر بالغ فرد، جو کانفرنس کے مقاصد پر یقین رکھتا ہو، کانفرنس کا ممبر بن سکے۔ جیسا کہ آپ حضرات کو یاد ہوگا، اس تجویز پر موافق و مخالف تقریریں ہوئیں اور تجویز کو اس لئے ملتوی کر دیا گیا کہ دوران سال میں ایک طرف

عوام کی رائے اس تجویز کی نسبت واضح ہو جائے اور دوسری
طرف ہندوؤں اور مسلمانوں اور سکھوں کو اس تجویز پر عمل
کرنے کی نسبت اگر کچھ شبہات ہوں تو اُن کا ازالہ کر دیا
جائے۔ مگر ابھی زیادہ مدت گذرنے نہ پائی تھی کہ ملک کے
حالات تبدیل ہونے لگے۔ ریاستوں کے فیڈریشن میں شامل
ہونے کا مسئلہ اہمیت پکڑتا گیا۔ وائسرائے ہند نے مختلف
والیانِ ریاست کو اپنا ہم خیال بنانے کی مہم تیز تر کر دی اور
ہماری ریاست نے خاموشی سے شمولیت کا فیصلہ کر دیا۔
اور ریاست کے آیندہ نظام حکومت کو ملک کی ضرورت اور
کانفرنس کے مطالبات کے مطابق بنانے کی کوششوں کا
تقاضا ہوا کہ کانفرنس کو متحدہ و مشترکہ پلیٹ فارم بنانے
کے معاملہ کو طویل مدت کے لئے التوا میں نہ ڈالا جائے۔"

اس کے ساتھ ہی مسلم کانفرنس کا نام نیشنل کانفرنس میں تبدیل
کرنے کی تجویز پاس ہوئی اور احتجاج کے طور پر شیخ احمد دین بانہالی، مولوی
عبداللہ وکیل اور خواجہ غلام احمد گنائی بھدرواہی ممبران ورکنگ کمیٹی مسلم کانفرنس
کے جلسہ گاہ سے اُٹھ کر چلے گئے۔ میر واعظ غلام نبی ہمدانی نے جب اس
اجلاس میں احتجاج کرنا چاہا تو جناب شیخ محمد عبداللہ نے اُنہیں یہ کہہ کر خاموش
کر دیا کہ "چیونٹیوں کے بھی پر نکلنے لگے ہیں!"
نیشنل کانفرنس کے وجود میں آنے سے مسلم کانفرنس گویا ختم ہو

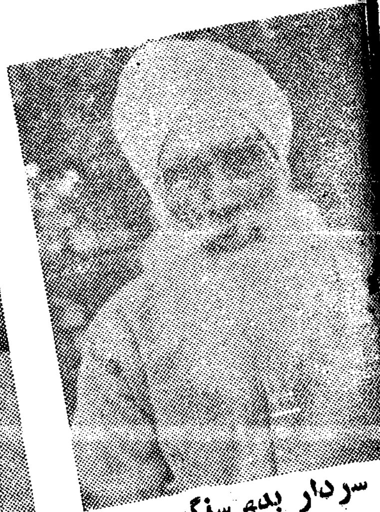
بلکہ اسلام آباد (کشمیر) کے مسلم کانفرنسیوں نے، جنہوں نے سپیشل اجلاس
میں شمولیت کرنے سے بائیکاٹ کا پہلے ہی اعلان کیا تھا، مسلم کانفرنس
کے وجود اور احیا کا اعلان کرتے ہوئے ضلع اسلام آباد میں اس کی
سرگرمیاں تیز تر کر دیں۔ سری نگر میں مسلم نوجوانوں کی ایک جماعت قریشی
محمد یوسف کے زیر قیادت مسلم کانفرنس میں نئی روح پھونکنے کے لئے
میدان میں کود پڑی۔ اس موقعہ پر یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ بخشی
غلام محمد نے، جو نیشنل کانفرنس کے رہنماؤں میں شمار ہونے لگے تھے،
اور جس سے شیخ محمد عبداللہ کا دستِ راست ہونے کا شرف حاصل ہو چکا
تھا، اپنے وجود کو نکھارنے کے لئے انتہائی بھونڈی تکڑم بازی کا مظاہرہ
کرنے کے لئے قریشی محمد یوسف اور اُن کے دوسرے ساتھیوں سے کہا
کہ آپ لوگوں نے بڑی جرأت اور جوان مردی سے مسلم کانفرنس کو
زندہ رکھ کر شیخ محمد عبداللہ اور اُن کے بدلتے ہوئے سیاسی نظریہ کا
مقابلہ کیا۔ میری مجبوریاں مجھے نیشنل کانفرنس سے وابستہ کر چکی ہیں۔
اور وہ وقت دور نہیں جب میں مسلم کانفرنس میں آپ کے دوش بدوش
کام کروں گا۔ وقت کا اہم تقاضا ہے کہ مجاہد منزل کو، جو کہ مسلم کانفرنس
کی قیادت میں مسلمانوں کے چندے سے تعمیر کیا گیا ہے، نیشنل کانفرنس
اور شیخ محمد عبداللہ کے تصرف میں رہنے نہ دیا جائے۔ اس لئے آپ پر یہ
فرض عائد ہوتا ہے کہ مجاہد منزل کو اپنے قبضہ میں کرنے کے لئے عملی
اقدام اُٹھائیں اور فی الحال اس عمارت کے ایک حصّہ پر مسلم کانفرنس

کا بورڈ آویزاں کیا جائے!"

مسلم کانفرنسی نوجوانوں کو نہ صرف بخشی صاحب کی تجویز معقول نظر آئی بلکہ مسلم کانفرنس کے تئیں بخشی صاحب کے خلوص اور عقیدت کا مخفی پہلو بھی نمایاں طور پر اجاگر ہوا۔ بخشی صاحب نے ان سے یہ بھی وعدہ کیا کہ وہ مجاہد منزل کو ان کے قبضہ میں دلانے کے لئے ہر ممکن مدد دیں گے!

اگلے دن حسب پروگرام قریشی محمد یوسف اور دوسرے نوجوانوں نے مجاہد منزل کے ایک حصہ پر دوبارہ مسلم کانفرنس کا بورڈ چڑھا کر اپنا آفس کھولا۔ اُس وقت شیخ صاحب اور نیشنل کانفرنس کے دوسرے زعماء مجاہد منزل میں موجود نہ تھے۔ جوں ہی انہیں اس واقعہ کی اطلاع ملی، انہوں نے بخشی غلام محمد کو تقریباً پچاس والنٹیروں کے ساتھ تحقیقات اور "پاک وصاف" کرنے کے اختیارات دے کر بھیجا۔

غالباً بخشی غلام محمد نے اسی سمے کے لئے اس سارے ڈرامے کا پلاٹ تیار کیا تھا۔ بخشی صاحب نے اپنے ساتھیوں سمیت مجاہد منزل میں داخل ہوتے ہی آؤ دیکھا نہ تاؤ، مسلم کانفرنسی بورڈ کو اُتروا کر تڑوایا۔ مسلم کانفرنسیوں کے دوسرے سامان کو لوٹا گیا۔ قریشی محمد یوسف اور ان کے دوسرے ساتھیوں کو گالیاں دی گئیں اور مار پیٹ کرکے لہو لہان کر دیا گیا۔ پولیس نے اس واقعہ کا کوئی نوٹس نہ لیا۔ کیونکہ مہاراجہ ہری سنگھ کی سرکار دریاست میں نیشنل کانفرنس کے وجود میں آنے پر پھولے نہیں سماتی تھی۔ اس طرح بخشی غلام محمد نے منظم طور پر مسلم کانفرنس اور نیشنل کانفرنس میں نفرت وحقارت کی


سردار بدھ سنگھ


پنڈت جیالال کلم


جناب محمد یوسف قریشی

دیوار کھڑی کرکے اپنی ردٹی کا مستقل بندوبست کیا۔

سب کمیٹی رپورٹ

اپریل ۱۹۳۹ء میں جو سب کمیٹی خواجہ غلام محمد صادق کی صدارت میں مسلم کانفرنس کے آئینِ اساسی میں ترمیم کرنے کے لئے بنائی گئی۔ سب کمیٹی کا پورا متن درج ذیل ہے :-

"آل جموں و کشمیر مسلم کانفرنس کی مجلس شوریٰ کے اجلاس منعقدہ ۲۷۔ اپریل ۱۹۳۹ء میں پاس شدہ قرارداد ۵ کی رو سے ہم دستخط کنندگان ذیل کو مامور کیا گیا تھا کہ ہم مجوزہ نیشنل کانفرنس کے لئے آئینِ اساسی مرتب کرکے سپیشل اجلاس سے قبل مجلس شوریٰ کے سامنے پیش کریں۔ مذکورہ بالا تجویز کی تعمیل میں ہم نے منسلکہ ہذا آئین اساسی مرتب کیا ہے۔ اس آئین کو مرتب کرتے وقت ہندوستان کی مختلف ترقی یافتہ سیاسی مجالس کے آئین ہائے اساسی سے بھی استفادہ کیا گیا ہے اور ریاست جموں و کشمیر کی مرکزی سیاسی جمہوری جماعت کی وہ ضرورتیں پیشِ نظر رکھی گئی ہیں جو اس کے ماحول اور مستقبل کے لائحہ عمل کی متقاضی ہیں۔ جیسا کہ ہمیں تجویز میں دوسرے حضرات کے مشوروں سے مستفید ہونے کی اجازت دی گئی تھی۔ ہم نے مرتب کردہ مسودہ پر نظر ثانی کے وقت محترم پنڈت جیا لال جی کلم، محترم میاں

احمد یار خان صاحب اور رفیق پنڈت جانکی ناتھ صاحب سپرو نے قیمتی مشوروں سے بھی مسودہ کی ترتیب اور پیراستگی میں فائدہ حاصل کیا۔ جس کے لئے ہم ہر سہ حضرات کے ممنون ہیں۔ ہم مسلم کانفرنس کے صاحبِ صدر اور مجلسِ شوریٰ کے سامنے بغیر کسی طویل تمہید کے نیشنل کانفرنس کے مجوزہ آئین کا وہ مسودہ مناسب اضافہ، ترمیمات اور منظوری کے لئے پیش کرتے ہیں۔

دستخط:۔ خواجہ غلام محمد صادق صاحب (چیرمین آئین اساسی سب کمیٹی)
غلام محمد بخشی صاحب (ممبر آئین اساسی سب کمیٹی)
مولوی محمد سعید صاحب ؍؍

جنرل کونسل کی کارروائی

آئین اساسی کا مسودہ مذکورہ بالا رپورٹ کے ساتھ جموں وکشمیر مسلم کانفرنس کی مجلس شوریٰ کے اجلاس منعقدہ ۱۰ر جون ۱۹۳۹ء میں پیش ہوا۔ اور مسلسل پانچ گھنٹے تک آئین کی ایک ایک دفعہ اور ایک ایک ضمن پر بحث کرنے کے بعد مسودہ مذکور، جنرل کونسل نے پاس کر دیا۔ حاضر ارکان میں سے صرف غلام حیدر صاحب غوری نے مسودہ مذکور کے عنوان کے لفظ "نیشنل" کے ساتھ اختلاف کیا۔ جنرل کونسل نے اس مسودے کو منظور کرتے ہوئے حسبِ ذیل قرارداد پاس کی:۔

"آل جموں وکشمیر مسلم کانفرنس کی مجلس شوریٰ کا یہ اجلاس اس

مجلس کے اجلاس منعقدہ ۲۷ر اپریل ۱۹۳۹ء کے ریزولیوشن ۵ کی رو سے مقرر کردہ سب کمیٹی کے مرتب کردہ مسودۂ دستورِ اساسی پر دفعہ وار غور کرنے کے بعد خفیف ترمیمات کے ساتھ مسودۂ مذکور کی تصدیق کرکے اجلاسِ خاص کے پاس آخری منظوری کی سفارش کرتا ہے۔"

اجلاسِ خاص کی کارروائی

آل جموں وکشمیر مسلم کانفرنس کے اجلاسِ خاص کی کھلی نشست میں بتاریخ ۱۱ر جون ۱۹۳۹ء کانفرنس کی مجلس شوریٰ کا سفارش کردہ مسودۂ آئین آل جموں وکشمیر نیشنل کانفرنس از دفعہ ۱ تا ۱۸ پیش ہوا۔ مسودہ کی ایک ایک دفعہ اور ایک ایک ضمن پر صبح ۹½ بجے سے ایک بجے بعد دوپہر تک اور ۲½ بجے سے ۵ بجے سہ پہر تک بحث جاری رہی۔ متعدد ترمیمات کے ساتھ اور دفعہ ۱۹ کے اضافہ کے ساتھ مسودہ اور بمعہ ہر چہار فارم منظور کیا گیا اور اس پر کھلے اجلاس میں حسبِ ذیل قرارداد پاس کی۔

"آل جموں وکشمیر مسلم کانفرنس کا یہ سپیشل اجلاس آئینِ اساسی سفارش کردہ اجلاس جنرل کونسل مورخہ ۱۰ر جون پر دفعہ وار غور کرنے کے بعد اُن خفیف ترمیمات کے ساتھ، جو اجلاس میں منظور ہوئی ہیں، اس آئین کو، جو ۱۹ دفعات پر مشتمل



۱۳ جولائی ۱۹۳۱ کو [illegible]

(۵) [illegible] بٹ ولد صمد بٹ ۲۵ سال گنڈ اہلمر

۱۹۳۲ء میں کوٹھی باغ تھانہ میں بید زنی سے شہید ہوئے۔ گھر ل باغ میں دفنائے گئے۔

(۶) احمد بٹ ولد قادر بٹ ۳۰ سال ۱۹۳۱ء میں سنٹرل جیل سرینگر میں بید زنی سے شہید ہوئے۔

(۷) اسد اللہ گلکار ولد غفار بٹ گلکار ۲۰ سال ساکن زر پرستان سنٹرل جیل سرینگر میں بید زنی سے شہید ہوئے۔

(۸) عبدالکبیر شیخ ولد محمد شیخ ۳۵ سال۔ آبی گذر

۱۹۳۸ء میں مائی سمہ بازار میں لاٹھی چارج سے شہید ہوئے۔ نقشبند صاحب کے مزارِ شہداُ میں دفنائے گئے۔

(۹) محمد اسماعیل نجار ولد صمد نجار ۱۹½ سال مخدوم صاحب

۱۹۳۸ء میں مائی سمہ بازار میں گولی سے شہید ہوئے۔ نقشبند صاحب کے مزارِ شہداُ میں دفنائے گئے۔

(۱۰) امیر جو جندہ گورو ولد محمد میر جندہ گورو ۳۶ سال گوجوارہ

۱۹۳۱ء میں سنٹرل جیل سرینگر کی پولیس فائرنگ سے شہید ہوئے۔ نقشبند صاحب میں دفنائے گئے۔

(۱۱) غلام محمد حلوائی ولد رحمان حلوائی ۳۲ سال ملک صاحب

۱۹۳۱ء میں سنٹرل جیل سرینگر کے متصل پولیس فائرنگ سے شہید ہوئے مزارِ شہداُ میں دفنائے گئے۔

(۱۲) غلام نبی کلوال ولد عبداللہ کلوال ۲۹ سال پاندان (نوہٹہ)
۱۹۳۱ء میں سرینگر سنٹرل جیل کے نزدیک پولیس فائرنگ سے شہید ہوئے
مزارِ شہداء میں دفن کئے گئے۔

(۱۳) غلام احمد نقاش ولد سلطان نقاش ۳۰ سال کادی کدل
۱۹۳۱ء میں سرینگر سنٹرل جیل کے نزدیک پولیس کی گولی سے شہید ہوئے
اور مزارِ شہداء میں دفن کئے گئے۔

(۱۴) غلام رسول دورا ولد علی محمد دورا ۲۷ سال گوترپورہ (حول)
۱۹۳۱ء میں سنٹرل جیل کے متصل پولیس کی گولی کے شکار ہوئے اور مزارِ
شہداء میں دفنائے گئے۔

(۱۵) غلام قادر خان ولد عبداللہ خان ۲۶ سال بہاؤ الدین صاحب
۱۹۳۱ء میں سرینگر سنٹرل جیل کے متصل پولیس فائرنگ سے شہید ہوئے
اور مزارِ شہداء میں دفنائے گئے۔

(۱۶) فقیر علی ولد نصر الدین عمر نامعلوم بٹہ مالنہ
گاؤکدل مسجد میں فائرنگ سے شہید ہوئے۔ مزارِ شہداء میں دفن کئے گئے۔

(۱۷) امیر الدین مکائی ولد رسول جو مکائی ۳۵ سال نواکدل
ڈومبہ کدل مسجد میں نماز ادا کرنے کے لئے گئے تھے۔ پولیس نے گولی کا نشانہ
بنایا۔ (۱۹۳۱ء) مزارِ شہداء میں دفن کئے گئے

(۱۸) محمد شعبان مکائی ولد رحمان مکائی ۶۰ سال نواکدل
ڈومبہ کدل مسجد میں نماز ادا کرنے کے لئے گئے تھے۔ پولیس نے گولی کا نشانہ



بیکسوں کی آہیں مظلوموں کی چیخیں دردناک
ہر طرف سے سن رہے ہیں آج بھی ہم زیر خاک

بنایا۔ مزار شہدا میں آسودہ ہیں۔ ۱۹۳۱ء

(۱۹) نبر خان ولد امیر خان ۳۲ سال مرجان پورہ (عیدگاہ)
۱۹۳۳ء میں گڈہ بازار میں پولیس فائرنگ سے شہید ہوئے۔ مزار شہدا

(۲۰) محمد رمضان چولہ ولد عبدالرحمان چولہ ۳۶ سال آرہ مسجد خانیار
۱۹۳۱ء میں سنٹرل جیل سرینگر کے نزدیک پولیس فائرنگ سے شہید
ہوئے۔ مزار شہدا میں آسودہ ہیں۔

(۲۱) غلام محمد صوفی ولد عبدالرزاق صوفی ۲۱ سال دریبل (خانیار)
۱۹۳۱ء میں سری نگر سنٹرل جیل کے متصل پولیس فائرنگ سے شہید
ہوئے۔ مزارِ شہدا میں دفن ہیں۔

(۲۲) غلام محمد تیلی ولد غلام رسول تیلی ۴۵ سال اونتہ بھون (نوشہرہ)
ڈاکٹر شیوجی کی دُکان کے سامنے جلوس پر فائرنگ سے شہید ہوئے۔
مزارِ شہدا میں دفن کئے گئے۔

(۲۳) احمد راتھر ولد سبحان راتھر ۳۰ سال نوشہرہ
۱۹۳۱ء میں سرینگر سنٹرل جیل کے نزدیک پولیس فائرنگ سے شہید
ہوئے اور مزار شہدا میں دفن کئے گئے۔

(۲۴) احمد ڈار ولد اکبر ڈار ۳۰ سال نوشہرہ
۱۹۳۱ء میں سرینگر سنٹرل جیل کے نزدیک پولیس فائرنگ سے شہید
ہوئے اور مزارِ شہدا میں آسودہ ہیں۔

(۲۵) محمد عبد اللہ آہنگر ولد کریم آہنگر ۴۰ سال محلہ پکھری

۱۹۳۱ء میں راجوری کدل پر ملٹری فائرنگ سے شہید ہوئے۔ مزار شہداء
میں دفن کیے گئے۔

(۲۶) جانہ بیگم بیوہ عبلی لون ۳۵ سال خوجہ پورہ نوشہرہ
۱۹۳۱ء میں اپنے ہی گھر میں پولیس فائرنگ سے شہید ہوئی۔

(۲۷) محمد عثمان مسگر خانہ داماد صدیق لون ۳۰ سال نالہ مل سری نگر
۱۹۳۱ء میں سنٹرل جیل کے باہر مظاہرہ کرتے ہوئے فائرنگ سے شہید ہوئے۔

(۲۸) غلام رسول ہکرو ولد احمد ہکرو ۲۸ سال چنار باغ
۱۹۳۱ء میں جامع مسجد سرینگر میں ملٹری فائرنگ سے شہید ہوئے۔

(۲۹) سبحان ڈار ولد جمعہ ڈار ۲۳ سال بیج بہاڑہ
۱۹۳۴ء میں بیج بہاڑے میں ملٹری فائرنگ سے شہید ہوئے۔

(۳۰) حبیب کامرازی ولد نامعلوم ۳۵ سال بیج بہاڑہ
۱۹۳۴ء میں بیج بہاڑے میں ملٹری فائرنگ سے شہید ہوئے۔

(۳۱) حبیب ڈار ولد شعبان ڈار ۳۲ سال کرتی تن
بیج بہاڑہ میں ۱۹۳۴ء میں شہید ہوئے۔

(۳۲) عبلی نجار ولد لسی نجار ۳۴۔ اوم پورہ بڈگام۔
۱۳ر جولائی ۱۹۳۱ء کو اوم پورہ تحصیل بڈگام میں شہید کیے گئے
نقشبند صاحب کے مزارِ شہداء میں دفنائے گئے۔

(۳۳) رزاق آہنگر ولد رحیم آہنگر ۵۵ سال حضرت بل اسلام آباد
ملک ناگ اسلام آباد میں ۱۹۳۱ء میں جلوس پر فائرنگ میں شہید ہوئے۔



یہ ہماری جاودانی زندگانی کے نشان
چاند تاروں کی طرح روشن ہیں زیر آسمان

(۳۴) غلام احمد ملک ولد حبیب ملک ۵۰ سال قاضی محلہ اسلام آباد
ملک ناگ اسلام آباد میں ۱۹۳۱ء میں جلوس پر فائرنگ میں شہید ہوئے۔

(۳۵) غنی بٹ کاوہ ولد رحمان بٹ ۳۵ سال گہرنگ اسلام آباد
ملک ناگ اسلام آباد میں ۱۹۳۱ء میں جلوس پر فائرنگ میں شہید ہوئے۔

(۳۶) غنی درزی ولد رحمان درزی ۳۵ سال سرنل پائین
ملک ناگ اسلام آباد میں ۱۹۳۱ء میں جلوس پر فائرنگ میں شہید ہوئے۔

(۳۷) رحمان ملک ولد محمد ملک ۶۰ سال محلہ بازار اسلام آباد
ملک ناگ اسلام آباد میں ۱۹۳۱ء میں جلوس پر فائرنگ میں شہید ہوئے

(۳۸) پیر محمد مقبول شاہ ولد ولی شاہ ۴۰ سال قاضی محلہ اسلام آباد
ملک ناگ اسلام آباد میں ۱۹۳۱ء میں جلوس پر فائرنگ میں شہید ہوئے۔

(۳۹) عزیز صوفی یا علی وازہ ولد صدیق وازہ ۵۰ سال ملک ناگ اسلام آباد
ملک ناگ اسلام آباد میں ۱۹۳۱ء میں جلوس پر فائرنگ میں شہید ہوئے

(۴۰) کبیر شاہ آزاد ولد نامعلوم ۵۰ سال محلہ تکیہ چاہ کلان
ملک ناگ اسلام آباد میں ۱۹۳۱ء میں جلوس پر فائرنگ میں شہید ہوئے

(۴۱) پیر غنی شاہ پیر حسن شاہ ۴۰ سال محلہ دُرگا پور
ملک ناگ اسلام آباد میں ۱۹۳۱ء میں جلوس پر فائرنگ میں شہید ہوئے

(۴۲) حبیب وانی ولد صمد وانی ۳۰ سال محلہ گوگجی ناگ
ملک ناگ اسلام آباد میں ۱۹۳۱ء میں جلوس پر فائرنگ میں شہید ہوئے

(۴۳) محمد پوش ولد عزیز پوش ۲۲ سال قاضی محلہ

ملک ناگ اسلام آباد میں ۱۹۳۱ء میں پولیس فائرنگ سے شہید ہوئے

(۴۴) غلام حسین ملک ولد شاہد غلام احمد ملک ۱۳ سال قاضی محلہ
ملک ناگ اسلام آباد میں ۱۹۳۱ء میں جلوس پر فائرنگ سے شہید ہوئے

(۴۵) غلام احمد زیو ولد لسہ جُو ۳۶ سال محلہ شاہ صاحب
ملک ناگ اسلام آباد میں ۱۹۳۱ء میں جلوس پر فائرنگ سے شہید ہوئے

(۴۶) جمال وگے ولد کریم وگے ۲۵ سال محلہ شاہ صاحب
ملک ناگ اسلام آباد میں ۱۹۳۱ء میں جلوس پر فائرنگ سے شہید ہوئے

(۴۷) غلام رسول شیخ ولد قادر شیخ ۲۸ سال کھات بازار
ملک ناگ میں ۱۹۳۱ء میں جلوس پر پولیس فائرنگ سے شہید ہوئے

(۴۸) جمعہ وانی ولد صمد وانی ۱۹ سال گامہ ناگ
ملک ناگ میں ۱۹۳۱ء میں جلوس پر پولیس فائرنگ سے شہید ہوئے

(۴۹) سبحان وانی ولد وہاب وانی ۳۰ سال رشی محلہ
ملک ناگ میں ۱۹۳۱ء میں جلوس پر فائرنگ سے شہید ہوئے

(۵۰) محمد بٹ چکن ولد احمد بٹ چکن ۳۰ سال سرنل
ملک ناگ میں جلوس پر فائرنگ سے شہید ہوئے

(۵۱) رمضان بٹ ولد رحمان بٹ ۲۰ سال سرنل
ملک ناگ پولیس فائرنگ کے دوران شہید ہوئے

(۵۲) علی محمد رشی ولد ولی رشی ۲۵ سال شاہ صاحب
ملک ناگ پولیس فائرنگ کے دوران شہید ہوئے



تھا پر پرواز اپنا بھی کبھی افلاک پر
آج ہم قبروں میں سوئے ہیں فرش خاک پر

(۵۳) عبدالاحد میر ولد غفار میر ۶۰ سال شاہ صاحب ملک ناگ پولیس فائرنگ کے دوران شہید ہوئے

(۵۴) عبدالقدوس ٹاک ولد عبدالخالق ٹاک ۵۰ سال ملک گنڈ شوپیان
۱۹۳۱ء میں پولیس فائرنگ سے شہید ہوئے

(۵۵) عزیز شاہ ولد صدیق شاہ ۵۰ سال ملک گنڈ شوپیان
۱۹۳۱ء میں پولیس فائرنگ سے شہید ہوئے

(۵۶) محمد ڈار ولد رشید ڈار ۴۰ سال کلروک گنڈ
۱۹۳۱ء میں پولیس فائرنگ سے شہید ہوئے

(۵۷) خضر بٹ ولد لسہ بٹ ۵۰ سال شوپیان
۱۹۳۱ء میں پولیس فائرنگ سے شہید ہوئے

(۵۸) ساجدہ بانو بیوہ احسن شاہ ۲۵ سال لاکر مسجد شوپیان
حاملہ تھیں۔ فائرنگ سے حرکت قلب بند ہوئی اور شہید ہوئیں۔

(۵۹) ولی وانی ولد عبلی وانی ۵۰ سال بٹہ پورہ
۱۹۳۱ء میں سنٹرل جیل سری نگر میں سات سال کی قید کاٹ رہے تھے۔ فائرنگ سے شہید ہوئے۔

(۶۰) محمد ڈار ولد رشی ڈار عمر نامعلوم بٹہ پورہ
۱۹۳۱ء میں پولیس فائرنگ سے شہید ہوئے۔

(۶۱) رحمان آہنگر ولد سلطان آہنگر ۵۰ سال بونہ گام
۱۹۳۱ء میں پولیس فائرنگ سے شہید ہوئے۔

(۶۲) علی ملک ولد رسول ملک ۳۰ سال وانی پورہ
فروری ۱۹۳۴ء میں پولیس فائرنگ سے پلوامہ میں شہید ہوئے۔
(۶۳) حبیب بٹ متبنیٰ خضر بٹ ۳۵ سال پلوامہ
فروری ۱۹۳۴ء میں پولیس فائرنگ سے پلوامہ میں شہید ہوئے۔
(۶۴) غلام محمد خان ولد امیر خان ۲۸ سال پلوامہ
فروری ۱۹۳۴ء میں پولیس فائرنگ سے پلوامہ میں شہید ہوئے۔
(۶۵) شلہ تولہ ولد رحمان تولہ ۳۲ سال چرار شریف
فروری ۱۹۳۴ء میں پولیس فائرنگ سے پلوامہ میں شہید ہوئے۔
(۶۶) رحمان ڈار ولد رمضان ڈار ۳۹ سال سونہ سالی
فروری ۱۹۳۴ء میں پولیس فائرنگ سے پلوامہ میں شہید ہوئے۔
(۶۷) امیر ڈار ولد عزیز ڈار ۲۶ سال آور چارسو
فروری ۱۹۳۴ء میں پولیس فائرنگ سے شہید ہوئے۔
(۶۸) مُنور ماگرے ولد لسہ ماگرے ۳۰ سال آور چارسو
فروری ۱۹۳۴ء میں پولیس کی گولیوں سے شہید ہوئے۔
(۶۹) سُلطان ملک ولد نور ملک ۳۲ سال زاڈورہ (پلوامہ)
فروری ۱۹۳۴ء میں پولیس فائرنگ سے شہید ہوئے
(۷۰) امیر شیخ ولد محمد شیخ ۳۵ سال چاول کھالن (پلوامہ)
فروری ۱۹۳۴ء میں پولیس فائرنگ سے شہید ہوئے۔
(۷۱) قاسم میر ولد اکبر میر ۳۰ سال ہانجی کھل (پلوامہ)



اے رفیقو! سورماؤ! سنتے جاؤ ایک بات
ہم بھی زندہ تھے کبھی ہم بھی کبھی تھے ذی حیات

فروری ۱۹۳۴ء میں پولیس فائرنگ سے پلوامہ میں شہید ہوئے۔

(٧٢) قادر شیخ ولد محمد شیخ ۳۳ سال باڑو باغ پلوامہ
فروری ۱۹۳۴ء میں پولیس فائرنگ سے پلوامہ میں شہید ہوئے۔

(٧٣) وہاب ڈار ولد قادر ڈار ۲۴ سال قاضی پورہ
فروری ۱۹۳۴ء میں پولیس فائرنگ سے پلوامہ میں شہید ہوئے۔

(٧٤) قادر بیگ ولد اقبال بیگ ۶۰ سال سرسلہ اُوڑی
اُوڑی میں ملٹری فائرنگ سے ۱۹۳۴ء میں شہید ہوئے۔

(٧٥) احمد لون ولد سلطان لون ۳۸ سال لنگیٹ سے ۲½ میل دُور
ہندواڑہ سے جلوس پر ملٹری فائرنگ سے ۱۹۳۱ء میں شہید ہوئے

(٧٦) عبدالاحد حجام ولد عبدالسلام حجام ۲۹ سال ہندواڑہ خاص
۱۹۳۱ء میں جلوس پر ملٹری فائرنگ سے شہید ہوئے

(٧٧) غلام رسول وانی ولد مقبول وانی درویش ۶۰ سال
ہندواڑہ سے ۲ میل دُور برساتی پور میں فائرنگ سے شہید ہوئے

(٧٨) جبار خان ولد رمضان خان ۳۰ سال مدان شوگل
ہندواڑہ سے ۵ میل دُور فائرنگ سے شہید ہوئے۔

(٧٩) کمال ڈار ولد قادر ڈار ۴۰ سال مدان شوگل
ہندواڑہ سے ۵ میل دُور فائرنگ سے شہید ہوئے۔

(٨٠) رستم خان ولد احد خان ۲۵ سال چیرپاوہ
ہندواڑہ سے ۵ میل دُور فائرنگ سے شہید ہوئے۔

(۸۱) اسد وانی ولد منوّر وانی ۳۰ سال عشقن پورہ
ہندواڑہ سے ۸ میل دُور ملٹری فائرنگ سے شہید ہوئے

(۸۲) احمد شیخ ولد سُبحان شیخ ۳۰ سال وارہ پورہ
ہندواڑہ سے ۸ میل دُور ملٹری فائرنگ سے شہید ہوئے

(۸۳) وہاب ڈار ولد لسہ ڈار ۴۰ سال گورہکھر
ہندواڑہ سے ۴ میل دُور ملٹری فائرنگ سے شہید ہوئے

(۸۴) رحمان میر ولد سُبحان میر ۳۵ سال نتنوش
ہندواڑہ سے ۵ میل دُور ملٹری فائرنگ سے شہید ہوئے

(۸۵) رُستم وار ولد رحیم وار ۲۸ سال زینہ رشی
ہندواڑہ سے ۲۸ میل دُور ملٹری فائرنگ سے شہید ہوئے

(۸۶) جبار میر ولد عزیز میر ۳۵ سال رشی گُنڈ
ہندواڑہ سے ۱۲ میل دُور ملٹری کی گولیوں کا نشانہ بنے

(۸۷) محمد یعقوب ولد غلام محی الدین ۳۵ سال ہرمنڈی (مقامی لیڈر تھے) ڈوگرہ فوجیوں نے گرفتار کر کے تحریک کے خلاف بیان دینے سے انکار کرنے پر گولی سے شہید کئے گئے۔ یہ واقعہ تحصیل ہریج ضلع پونچھ کا ہے۔

(۸۸) شہاب الدین ولد سلیم گوجر ۳۳ سال کابلن (راجوری)
ملٹری فائرنگ سے شہید ہوئے۔

(۸۹) بہادر علی ولد نذیر گوجر (عمر کا اندازہ نہیں) برگوٹی (راجوری)
ملٹری فائرنگ سے شہید ہوئے۔

(۹۰) جالہ ولد خدا بخش (عمر کا اندازہ نہیں) لاہ (راجوری)



ہم تمہاری ہی طرح کودے تھے اس زندان میں
جان کی بازی لگادی ہم نے اس طوفان میں

ملٹری فائرنگ سے شہید ہوئے۔ ۱۹۳۱ء

(۹۱) حشمت گوجر ولد جہاندہ گوجر پلندی (راجوری)
ملٹری فائرنگ سے شہید ہوئے۔ ۱۹۳۱ء

(۹۲) فقر گوجر ولد سمندہ گوجر سنج (راجوری)
ملٹری فائرنگ سے شہید ہوئے۔ ۱۹۳۱ء

(۹۳) کالا جرال ولد نجیب اللہ جرال بڑاخانہ (راجوری)
ملٹری فائرنگ سے شہید ہوئے۔ ۱۹۳۱ء

(۹۴) شفنو ولد سُلطان محمد جرال علاقہ راجوری
ملٹری فائرنگ سے شہید ہوئے ۱۹۳۱ء

(۹۵) دیوان علی مُغل ولد باج ولی مُغل گھمیر مُشلن (راجوری)
ملٹری فائرنگ سے شہید ہوئے۔ ۱۹۳۱ء

(۹۶) کالا ولد دیوان علی ٹھاکر دربل (راجوری)
ملٹری فائرنگ سے شہید ہوئے۔ ۱۹۳۱ء

(۹۷) بلیئو ملک ولد پیارا ملک دربل (راجوری)
ملٹری فائرنگ سے شہید ہوئے۔ ۱۹۳۱ء

(۹۸) محترمہ فرزی بیوہ رزاق بہرو ولد غلام رسول بہرو ۳۶ سال
جلال صاحب (بارہ مولہ) کے جلوس پر ملٹری فائرنگ سے ۱۹۳۱ء میں شہید ہوئیں

(۹۹) حبیب اللہ صراف ولد مہدہ جو صراف ۲۵ سال
قاضی حمام بارہ مولہ۔ ۱۹۳۱ء میں جلوس پر ملٹری فائرنگ سے شہید ہوئے۔

(۹۹) لسہ ناظر ولد عزیز ناظر ۳۵ سال خواجہ صاحب بارہ مولہ
۱۹۳۱ء میں جلوس پر ملٹری فائرنگ سے شہید ہوئے۔

(۱۰۰) شیخ احمد اللہ ولد شیخ عبدالغفار ۳۲ سال میر صاحب بارہ مولہ
۱۹۳۴ء میں جلوس پر ملٹری فائرنگ سے شہید ہوئے۔

(۱۰۱) علی محمد بٹ ولد صدیق بٹ ۲۷ سال جلال صاحب بارہ مولہ
۱۹۳۴ء میں جلوس پر ملٹری فائرنگ سے شہید ہوئے۔

(۱۰۲) غلام قادر گنائی ولد محمد گنائی ۳۵ سال میر صاحب بارہ مولہ
۱۹۳۴ء میں جلوس پر ملٹری فائرنگ سے شہید ہوئے۔

(۱۰۳) عبدالاحد شوشہ ولد شوشہ ۲۹ سال سوپور
۱۹۳۱ء میں جلوس پر ملٹری فائرنگ سے شہید ہوئے۔

(۱۰۴) عزیز ماشکی ولد سبحان ماشکی ۳۵ سال سوپور
۱۹۳۱ء میں جلوس پر ملٹری فائرنگ سے شہید ہوئے۔

(۱۰۵) محمد خان ولد قادر خان ۲۰ سال سوپور
۱۹۳۱ء میں جلوس پر ملٹری فائرنگ سے شہید ہوئے۔

(۱۰۶) محمد شیخ ولد عظیم شیخ ۲۵ سال شیخ محلہ سوپور
۱۹۳۱ء میں جلوس پر ملٹری فائرنگ سے شہید ہوئے۔

(۱۰۷) [illegible]ار گنائی ولد قادر گنائی ۳۳ سال ٹلب (ورگب) ۱۹۳۱ء میں شہید ہوئے
(۱۰۸) عبدالرحیم ڈار ولد سبحان ڈار ۳۰ سال ہائی گام " " "

اِنّا لِلّٰہِ وَاِنّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن

ضمیمہ (ب)

۱۵ راگست ۱۹۳۱ ر کو مُسلم نمایندگان نے جو میمورنڈم مہاراجہ ہری سنگھ کو پیش کیا، اُسے ناظرین کے لئے مِن وعن درجِ ذیل کیا جاتا ہے :-

"حضور والا!

حضور کی مُسلم رعایا عرصۂ دراز سے متمنی تھی کہ حضور والا بذاتِ خاص اپنی وفادار مُسلم رعایا کی عرضداشت کو پیش کرنے کا موقعہ عطا فرماویں گے۔ آج کی شرفِ باریابی اس امر کی اُمید دِلاتی ہے کہ حضور والا بذاتِ مُبارک اپنی وفادار رعایا کی شکایات پر توجہ فرمائیں گے۔ اس بنا پر حضور کی وفا کیش رعایا اپنا فرض ادا کرنے کے واسطے نہایت ادب وانکساری کے ساتھ بوساطتِ نمایندگان جموں وکشمیر عرض پرداز ہے :

حضورِ والا کا تخت نشینی کے موقعہ پر یہ اعلان فرمانا کہ "میرا مذہب انصاف ہے۔" حضورِ والا کی مُسلم رعایا کی اُمیدوں کا مرکز رہا ہے۔ اسی بنا پر مُسلم رعایا متوقع تھی کہ ان کی تمام معروضات جو قبل از تخت نشینی حضور والا یا بعد اس کے وزرائے حکومت کے ذریعہ حضور والا کی خدمت میں پیش ہونے کی

خاطر گذارش کئے گئے۔ حضورِ والا کے گوش گذار ہوئے ہوں گے۔ لیکن واقعات یہ بتا رہے ہیں کہ مُسلم رعایا کے معروضات اصلی حالت میں گذارش نہیں ہوئے ہیں۔ اِس سلسلہ میں مسلمانوں کی یہ کوشش بھی کہ ان کے سربرآوردہ نمایندگان کے وفد کو شرفِ باریابی عطا فرمائی جائے، بار آور نہیں ہوئی۔ اندریں حالت حضور کی رعایا نے حضورِ والا کے ایما پر جموں وکشمیر سے نمایندے منتخب کئے جنھیں بلاواسطہ معروضات پیش کرنے کا وعدہ بخشا گیا۔ جموں کے نمایندوں کو مسٹر ویک فیلڈ نے جموں جاکر یہ ہدایت فرمائی کہ کشمیر کے نمایندگان کے ساتھ سری نگر آکر مطالبات کے پیش کرنے میں شامل ہوں۔

(۲) نمایندگان بحیثیتِ مجموعی مطالبات تیار کرنے میں مصروف تھے۔ کہ اسی اثنا میں فریقِ ذی غرض نے یہ خیال کیا کہ اب تک مُسلم رعایا کی شکایات وہ بوجہ اپنے رسوخ اور غلبہ کی کے بیکار ثابت کرتے رہے۔ اب چونکہ حضور نے اُن کے نمایندگان کو بلاواسطہ معروضات گوش گذار ہونے کا وعدہ فرمایا۔ اس لئے انھوں نے بطورِ حفظِ ما تقدم موانع پیدا کئے اور محض اپنے ناجائز مفاد کو قائم رکھنے کی خاطر اس سارے معاملہ کو فرقہ وارانہ رنگ دیا۔ اس سلسلہ میں پنجاب کے ہندو اخبارات، جموں کے یووک سبھا کے اشتہارات، سرینگر وجموں کے غیر مُسلموں کے جلسوں کی تقاریر بیّن ثبوت ہیں۔ یہ کہنا کہ مسلمان اپنی معروضات میں گاؤکشی کی اجازت، منادر کی انہدام اور اپنی حکومت کا قیام مدِ نظر رکھتے ہیں، صریح طور اس غرض سے تھا کہ حضور والا کو اپنی قدیمی وفادار مُسلم رعایا کی نسبت بدگمان کیا جائے اور حضور کے خیالات کو

ہوں۔ اس بارہ میں عجیب تجربات یہ ہے کہ عمالِ حکومت نے اُن اخبارات اور
اُن شر انگیز اتہامات کی کوئی بھی روک تھام نہیں کی۔ حالانکہ تا حدِ امکان
اہلِ اسلام کی طرف سے ان اتہامات کی صاف طور تردید ہوتی رہی۔ اس ناپاک
پروپاگنڈا سے ایک تو حضورِ والا کے خاطرِ مبارک میں کدورت پیدا ہوئی۔ ثانیاً
ناواقف عام ہندو طبقہ میں منافرت شدید کے جذبات موجزن ہوئے۔ ان
تمام بے جا کوششوں کا مقصد و غایت یہ تھا کہ حضور کی خدمت میں باریابی
کا شرف حضور کی مسلم رعایا کو نہ ملے۔ جس میں وہ کامیاب ہوگئے۔ اس غلیظ
پروپاگنڈے پر عمالِ حکومت نے نمایندگان کو بلاکر فرمایا کہ فرقہ وارانہ سوال رفع
ہونے پر مطالبات پیش کرنے کے واسطے موقع بخشا جائے گا۔ حالانکہ مسلم
رعایا کی طرف سے کوئی فرقہ وارانہ سوال نہ تھا اور فرقہ وارانہ کشمکش کی
تمام تر ذمہ واری فریقِ مخالف کے سر تھی اور حکام کو اصرار سے یہ بات عرض
بھی کی گئی۔ بلاوجہ معقول ایک کم سن پنڈت لڑکی کا، جو کہ مر گئی تھی، جلوس
نکالنا اور اس جلوس میں مسلمانوں کو کوسنا اس امر کی قطعی دلیل ہے کہ
فریقِ ذی غرض عمداً فضا کو مکدر کرنا چاہتا تھا۔

(۳) خاص کر راجہ سر پنڈت ہری کشن کول صاحب کے ذریعہ جو اطلاعات
حضور کی خیر خواہ مسلم رعایا تک پہنچی ہیں، وہ نہایت جگر خراش، درد انگیز
اور پُر از خطر ہیں۔ وہ مسلم رعایا جو عادتاً حضورِ والا کی فرمانبردار اور خیر خواہ
رہی اور رہے گی، اسی مسلم رعایا پر یہ غلط الزام لگایا گیا کہ وہ حضورِ والا
اور شہزادۂ بلند اقبال کے بدخواہ ہیں۔ مسلم رعایا نہایت جرأت اور صاف

دلی سے کمالِ ادب کے ساتھ عرض پرداز ہیں کہ اس قسم کا مکروہ اتہام مسلم
رعایا پر عائد کرنا نہ صرف اُن کی سابقہ روایاتِ وفاداری کے خلاف ایک
ناپاک سازش ہے، نظیراً چند وفادارانہ امور گذارش ہیں:-

الف: سر راجہ امر سنگھ صاحب آنجہانی کے زمانے میں مسئلہ گدی نشینی کے
موقع پر، جب کہ چند اشخاص نے غرض مندانہ سازش کی تو اُس وقت رعایا
ہی نے حق بحق دار پہنچانے کی کوشش کی۔ یہ کوشش کامیاب ہوکر حضور
اور حضور کے خاندان کے ساتھ مسلم رعایا کی بہی خواہی، وفاشعاری کی روایات
میں ایک ممتاز یادگار ہے۔

(ب): راجہ سر امر سنگھ صاحب آنجہانی کی آخری بیماری کے موقع پر نہ صرف
مسلمانانِ ریاست نے، بلکہ تمام مسلمانوں نے بھی بصرفِ زرِ کثیر کمال خلوص
کے ساتھ مساجد و معابد میں دعائیں کیں اور خیرات تقسیم کی اور اپنی عقیدت
کا ثبوت دیا۔

(ج): گلمرگ کے برفانی پہاڑ پر آتشدہ بخیر جب حضورِ والا کو جسمانی تکلیف
عائد ہوئی تھی۔ اس موقع پر تا صحت یابی کُلی جس وفاکیشی اور اخلاص کا
ثبوت مسلمانوں نے دیا، وہ نظر انداز ہونے کے قابل نہیں ہے۔

(د): تخت نشینی کے موقع پر مسلمانوں نے جو عام طور پر خوشیاں منائیں
وہ ذاتِ والا پر روشن و ظاہر ہیں۔

(ھ) تولیدِ سعید مہاراج کمار جی کی تقریب پر، جب کہ حضورِ والا فرانس
میں رونق افروز تھے، متعدد ایام میں جس قدر شادیانے و مسرت کا اظہار

غریب سے غریب مسلم رعایا نے اپنی استطاعت سے بڑھ کر کیا، وہ کچھ دور عرصہ کی بات نہیں جو تازہ کرنے کے قابل ہو۔ بلکہ کل کا واقعہ ہے!

(۵) فرانس سے جب حضور والا رونق بخش مملکت ہوئے تو حضور کے استقبال میں جو حصہ مسلم رعایا کا تھا، اس کی نظیر تاریخ ریاست میں ملنی مشکل ہے۔ جس جوش و خروش و اظہارِ مسرت کے ساتھ مسلمانوں نے اپنے اخلاص و محبت کو دنوں تک ظاہر کیا۔ اس کا مرقع حضورِ والا کے زیرِ نظر ہے۔

پس بمشاہدہ ان چند ضروری واقعات کے مسلم رعایا کی نسبت ایسے ناپاک شبہات کا پیدا کرنا مسلم رعایا کے تباہ کرنے کی منظم مکروہ سازش کا معمولی شاخسانہ ہے۔ بصد ادب حضور کی خیر خواہ مسلم رعایا عرض پرداز ہے کہ حضور کے دلِ مبارک میں اگر کسی بدخواہ ریاست نے ایسا شبہ ڈال دیا ہو، اس کو قطعاً محوِ خاطر فرمایا جاوے۔ ہم مسلم رعایائے ریاست کی طرف سے نہایت پُرزور الفاظ میں حضور کو اصرار کے ساتھ یقین دلاتے ہیں کہ ہمارے رگ و ریشہ میں اور خون میں وہی محبت اور وہی اخلاص، وہی عقیدت اور وہی وفاداری اب تک مضمر ہے جو ابتدا سے چلی آتی ہے۔ علاوہ اس کے جو تعاون اور فرمان برداری حضور والا کی گورنمنٹ کے ساتھ باوجود شکایات کے مسلم رعایا نے کی، اس کی نظیر بھی کسی فریق سے نہیں مل سکتی ہے۔ موجودہ حالت میں جب کہ صورت یہ تھی جو کہ اوپر گذارش کی گئی، تو انصاف فرمایا جائے کہ حضور کی مظلوم رعایا اپنے مطالبات و معروضات پیش کرنے کے قابل کیونکر ہوتی۔ اسی لئے اصلی معروضات اس ماحول میں پیش کرنا مناسب حال نہیں تھا۔ اور نہ کسی حق اسی کی کوئی توقع ہو سکتی تھی۔ ثانیاً جب کہ اس وقت حضور والا کی مسلم رعایا عمالِ حکومت کی طرف سے انتہائی مظالم کی تختۂ مشق ہو رہی ہے اور بے کسی کی حالت میں سراسیمہ ہے تو اس بے اطمینانی کی حالت میں معروضات کا پیش کرنا خلافِ محل و موقعہ کیسے ہوگا!

(۴) موجودہ واقعات کی طرف اختصار کے ساتھ سردست حضورِ والا کی توجہ مبذول کرانے کی آرزو رکھتے ہیں۔ فریقِ غرض مند نے، جن کا کافی غلبہ اور اقتدارانہ رسوخ نظامِ حکومت میں ہے، انہوں نے ابتدا سے مسلمانوں کو بدنام کرنے کے لئے غلط رپورٹیں بنا کر اصلیت کو پوشیدہ رکھا اور بہترین مضامین کو، جو حضور والا کی بلند خیالی اور رعیت نوازی کی تعریف میں تھے، بُری رنگت دے کر حقیقت کو بگاڑا۔ اور بے گناہ مسلم جماعت کو قصور وار ٹھہرانے کی کوشش کی۔

(۵) موجودہ تکالیف کی وجوہات اور ان مظالم کی داستان، جو مسلم رعایائے سرکار پر توڑے گئے ہیں اور اب بھی توڑے جا رہے ہیں۔ اپنی پشت پر ایک لمبی تاریخ رکھتے ہیں۔ اور یہاں پر ان کا ذکر بے موقع ہے۔ صرف اس قدر عرض کرنا ضروری ہے کہ غیر مسلم طبقہ خاص جذبہ سے متاثر ہو کر مسلم رعایا کے مذہبی امور میں مداخلت کا مرتکب ہوا جس کی ابتدا عمالِ حکومت کی طرف سے ہوئی۔ مثلاً بندشِ خطبۂ عیدالاضحیٰ، توہینِ قرآن کریم، انہدام مساجد، بندشِ اذان وغیرہ ہم۔ اسی قدر

دِل خراش واقعات ہیں جنہوں نے پُرامن مُسلم رعایائے سرکار کے مذہبی جذبات اور وقار کو اس قدر کاری ضرب لگائی ہے اور وہ حکام کی عاقبت نااندیشی سے اس قدر متاثر ہوئے کہ انہیں اسلام خطرے میں نظر آنے لگا۔ چنانچہ واقعات شاہد ہیں کہ جب مُسلمانوں نے مذکورہ دِل خراش واقعات میں انصاف کے لئے دروازہ کھٹکھٹایا تو باوجود کافی ثبوت بہم پہنچانے کے ملزمان کو رہا کر دیا گیا۔

(۶) قدیر ایک غریب الوطن ہے جس کا قصور صرف یہ تھا کہ اس نے قرآنِ شریف کی توہین کرنے والے کے خلاف اظہارِ نفرت کیا تھا، اُسی پر مقدمہ چلایا گیا۔ جس نے مذہبی رنگ اختیار کیا۔ ہم اپنی تحقیقات اور علم و یقین کی بنا پر عرض پرداز ہیں کہ عوام مقدمہ سُننے کے لئے جاتے رہے۔ تاآنکہ جیل پر بھی مقدمہ کی کارروائی کا مشاہدہ کرنے کے لئے گئے۔ وہاں پر انہوں نے کوئی حملہ نہیں کیا۔ بلکہ صحن سے باہر نکل گئے۔ ایک جماعت جو باغ میں نماز کے لئے ٹھہری ہوئی تھی، بلا کسی وجہ کے ان کی گرفتاری شروع ہوئی جس پر شور و غل مچا اور بلا تحقیقات اور انتباہ کے گولیاں چلائی گئیں۔ بہت سے بے کس انسانوں اور معصوم بچوں کو نہایت ہی بے دردی سے ہلاک و زخمی کیا گیا۔ اور افسرانِ موجودہ مقامی نے اس بات کی پرواتک نہ کی کہ مقتولین اور مضروبین کی کوئی طبّی امداد یا دیگر ہمدردی کی جائے۔ غریب نہتے لوگوں کا اس طرح نشانہ بنایا جانا، اور کوئی امداد نہ کرنا، مضروبین کا محض اس وجہ سے تڑپ تڑپ کر جان

دینا کہ آخری وقت پر بھی اُن سے معمولی ہمدردی روا نہ رکھی گئی۔ ایک ایسا نقشہ ہے کہ سخت سے سخت دِل والا انسان بھی موم ہو جائے! تفصیلات اس قدر الم ناک ہیں کہ بیان کرنے سے حضور والا کی خاطر مبارک میں کدورت پیدا ہونے کا احتمال ہے! اس لئے اس ناگفتہ بہ واقعہ پر پردہ ڈالتے ہوئے مابعد کے حالات۔ اجمالاً گذارش خدمت ہیں۔ پولیس ٹریننگ سکول کے چند آدمی، جو لاری پر سوار شہر کی طرف آ رہے تھے۔ انہوں نے بھی بلا کسی وجہ کے پُرامن رہ گذر مسلمانوں کو مجروح و ہلاک کیا۔ باوجود اس مظلومی کے مسلمانوں نے چند اُن نعشوں کو، جو ان کو اس موقعہ پر مل سکیں مسجدِ جامع میں اس لئے جمع کرنا چاہا کہ مختلف مقامات میں لے جانے سے شورشِ عامہ پیدا نہ ہو اور امن قائم رہے۔ دو ایک شدید زخمیوں کو ڈاکٹر عبدالواحد کے شفاخانہ پر لے جانے کے وقت راستے میں عمداً فساد پیدا کرنے کے لئے ان کی سخت بے حرمتی کی گئی اور لاٹھی چلائی گئی۔ تاآں کہ وہ جان بحق تسلیم ہوئے۔ اس سے یہ غلط پروپاگنڈا کر کے مسلمانوں کو اُلٹا قصوروار ٹھہرایا گیا۔

(۷) اس روز بدقسمتی سے ایسے نازک اور خطرناک موقعہ پر، جب کہ حکومت کی طرف سے کوئی امداد نہ پہنچی۔ تو دو ایک زخمیوں کا شہر کے اندر لے جانا فتنہ انگیز سازش کنندہ غیر مُسلم فرقہ کے واسطے باعث شورش و فساد ہوا۔ مختصر گذارش ہے کہ شہدا کی ایسی بے حرمتی ہوئی جس سے ممکن ہے کہ بعض غیر ذمہ دار اشخاص نے اشتعال میں آ کر دُکان داروں کے

ساتھ زیادتی کی ہو۔ اس کے بعد فرضی واقعات بنا کر مبالغہ آمیز لُوٹ کی کہانی بنائی گئی۔ اسی کے ساتھ آناً فاناً ہندو فوج شہر پر مسلط کر دی گئی۔ یہ وہی فوج تھی جو اس واقعہ سے صرف چند ہفتہ پہلے اُس زہر آلود پروپاگنڈا سے مسلمانوں کے خلاف مشتعل ہو چکی تھی۔ جنہوں نے ہندوؤں کے اشاروں پر مسلمانوں پر قیامت برپا کر دی۔ راہ گیروں کو قتل کیا گیا۔ مارا گیا۔ گھروں سے امن پسند مسلم شہریوں کو نکال نکال کر بڑی طرح اذیت کے ساتھ گرفتار کیا گیا۔ مسلمانوں کے گھروں میں غارت گری کی کوئی کسر باقی نہیں چھوڑ دی گئی اور مستورات کی بے حرمتی کی گئی۔ چھوٹے چھوٹے بچوں کو نہ صرف پیٹا گیا بلکہ قتل کیا گیا۔ ایک غیر مسلم خاتون کا چشم دید بیان ان حالات پر روشنی ڈالتا ہے۔ جہاں ممکن ہوا، غریب مسلمان مردوں اور عورتوں کو دریا بُرد کیا گیا۔ اور بعض کا گلا گھونٹا گیا۔ اب تک دریا سے شہدا کی نعشیں برآمد ہو رہی ہیں۔ مہاراج گنج اور بوہری کدل میں حالات یہاں تک پہنچ گئے ہیں کہ مسلمان اہلِ محلہ کو تین دن تک گھروں میں فاقہ کشی کی حالت میں محبوس رہنا پڑا۔ حبہ کدل سے صفا کدل تک جو حشر بپا ہوا، وہ بیان سے باہر ہے۔

(۸) ہندوؤں نے ہر طرح فوج کو خاطر و مدارات اور قسم قسم کے کھانے کھلا کر زیرِ اثر رکھا۔

(۹) مہاراج گنج، ڈومبہ کدل، نواب بازار، بٹہ یار اور وچار ناگ میں

فوجی سپاہی اور ہندوؤں نے بہت سے بے گناہ مسلمانوں کو بلا وجہ قتل کیا۔

(۱۰) اس اندھا دُھند قیامت میں قانون اور ضابطہ برائے نام بھی قائم نہیں رہا۔ نہ افسران نے انصاف اور قانون کی طرف توجہ کی۔ بلکہ فرقہ وارانہ جذبات میں مُبتلا ہو کر انتقام گیری اور ظلم و ستم پر کمر باندھی گئی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ حقیقت پوشیدہ رہی۔ مسلمانوں نے مجبوراً یقین کیا کہ ایک منظم سازش کی بنا پر ان کو تباہ کیا جا رہا ہے۔ چند ایک گزشتہ واقعات مثلاً جلوسِ کانگرس اس امر کا بیّن ثبوت ہے کہ عمالِ حکومت نے خلافِ قانون کانگرسی جلوسوں پر مواخذہ تک نہ کیا۔ باوصف ایسے نمایاں نظایر کے مسلمانوں پر بے جا ظلم روا رکھا گیا۔ ورنہ حضور والا کی ذاتِ والاصفات سے مسلم رعایا کو ہرگز توقع نہیں کہ حضور جیسا رحم دِل حکمران کبھی ایسے احکام کی اجازت عطا فرماتے!

(۱۱) آدھی رات چند قومی نمایندگان کو گرفتار کیا گیا۔ اور ان کو اپنے شہید بھائیوں کی تجہیز و تکفین میں شریک ہونے کا موقعہ نہیں دیا گیا جس سے قوم کے دِلوں کو ایک کاری زخم لگا۔

(۱۲) مسلم رعایا کے خلوص اور عقیدت کا اس امر سے بھی حضور والا باور فرما سکتے ہیں کہ باوصف اس قدر مظلومیت کے مسلمانوں کو کس قدر اعتماد حضور والا کی ذاتِ گرامی پر رہا کہ قتلِ عام ہونے، طبّی امداد مہیا نہ کرنے، ہندو فوج بے ہتھیار امن پسند رہ گذر مسلمانوں کے قتل کرنے، گھروں میں گھس کر لُوٹ مار کرنا، غارت گری، مستورات کی بے حرمتی۔ اور مسلمان

مردوں کی آبرو ریزی، مارپیٹ اور بچوں کا نہایت بے رحمانہ قتل کرنے کے باوجود مسلم رعایا کے نمائندگان، جن میں میرواعظ صاحب کشمیر بھی شامل تھے۔ حضور والا کی خدمت میں اس روز محض حالات کرنے اور حضور سے انصاف کے طلب گار ہونے کے لئے حاضر ہوئے۔ مگر سازش تو اس حد تک کامیاب ہو چکی تھی کہ حضور نے ایسے نازک موقعہ پر بذاتِ خود گوش گذار فرمانے سے انکار فرمایا۔

(۱۳) اس محشرستان کے وقت یہ ناممکن تھا کہ عام مسلمان ضبط سے کام لے کر شہیدوں کا جنازہ نکالنے سے باز رہتے۔ لیکن محض حضور والا کے حکم کی تعمیل میں کلیجہ پر پتھر رکھ کر مسلمانوں نے نہایت خاموشی سے شہیدوں کو دفن کیا۔

(۱۴) جس بے گناہ اور کثیر جماعت کو بلاوجہ جیل خانہ میں ڈالا گیا۔ ان میں کم سن بچے بھی شامل ہیں۔ ان کے ساتھ جو بدسلوکی ہوئی اور ہو رہی ہے وہ ازحد شرمناک ہے اور ان کو رہا کرنا قرینِ انصاف ہے!

(۱۵) حضور والا کے احکام کی تعمیل میں جو چار حصص شہر کے مقرر ہوئے ان میں دو اہم مرکزوں پر ایسا تسلی بخش انتظام کیا گیا جس کی موجودہ صورت پہلے حالت سے بھی بدتر ہے۔ کیونکہ مسلمان جونیئر افسروں کی ناتجربہ کاری اور کمزوری سے ہندو اعلیٰ اور تجربہ کار آفیسر خوب فائدہ اٹھا رہے ہیں جس سے وہ مدعا ہی مقصود ہے جس کے لئے ایسا انتظام رائج کیا گیا تھا اور اس طریقہ سے مسلمانوں کا بے حد نقصان ہوا۔ اور ہو رہا ہے۔

اور انہیں پنڈت صاحبان نے اپنی قدیمی روایات کے ماتحت بالکل کورے کا کورا ہی رکھا اور درخواستیں قبول کرنے سے بھی انکار کیا گیا۔ باوجودیکہ مالِ مسروقہ۔۔۔ ...

ملازمتیں

(۱) ملازمتوں میں خواہ وہ اعلےٰ ہوں یا ادنیٰ، سب فرقوں کو اُن کی تعداد آبادی کے مطابق حقوق ملنے چاہئیں اور تقرری کا معیار کم سے کم قابلیت ہو۔

اگر اعلےٰ تعلیم یافتہ مسلمانوں کی مناسب تعداد دستیاب نہ ہو سکے، تو کم تعلیم یافتہ مسلمانوں کی تقرری فرمائی جاوے اور زیادہ سند یافتہ غیر مسلموں پر ترجیح دی جائے۔ مثلاً انٹرنس پاس مسلمانوں کو غیر مسلم گریجویٹوں پر فوقیت دی جائے۔ البتہ سوائے ایسے محکموں کے متعلق، جن میں اعلےٰ ماہرینِ تعلیم لابدی ہو۔ اس طرح ملازمتوں میں مسلمانوں کی نمائندگی ہر سال کم از کم دس فی صدی کے حساب سے بڑھا دی جائے۔ تاوقتیکہ ان کو ملازمتوں میں پورا حصہ ملے جس کے وہ حق دار ہیں۔

(۲) ریاست میں ایک پبلک سروس کمیشن مقرر ہو۔ اور اس میں مختلف فرقوں کی نمائندگی اُن کی تناسب آبادی کے مطابق ہو۔

(۳) ہز ہائینس مہاراجہ بہادر کو اختیار ہو کہ وہ اعلےٰ ملازمتوں کی کل تعداد کا پچیس فی صدی براہ راست مقرر فرماویں اور اس میں تناسب آبادی

کا خیال ضروری ہو۔ عمر کی پابندی کے قاعدے کو نرم کیا جائے تاکہ فرقہ وارانہ تناسب قائم ہو سکے!

اختتام

حضورِ والا رعایائے ریاست کے بنیادی حقوق اور ریاست کے آیندہ نظامِ اساسی کے متعلق ہماری اصولی تجاویز اُوپر عرض کی گئی ہیں۔ اس کے علاوہ دوسری تجاویز بھی گذارش کی جاتی ہیں۔ جو حضورِ والا کی مسلم رعایا کی اُن شدید شکایات کے متعلق ہیں گو کہ کامل غور و فکر کی محتاج ہیں۔ لیکن ایسی ہیں جن پر بہ نسبت دستورِ اساسی کے وضع کرنے کے قلیل تر عرصہ میں عمل ہو سکتا ہے۔ اُن کی کیفیت مختلفہ کی وجہ سے ہم ان حکایات کے ازالہ کے متعلق ایسی تجاویز بصورت ایک ضمیمہ کے پیش کرتے ہیں اور استدعا کرتے ہیں کہ حضورِ والا اُن پر فوری توجہ مبذول فرمادیں۔

اب ہم دوبارہ حضورِ والا کا شکریہ ادا کرتے ہوئے اپنے اس میموریل کو ختم کرتے ہیں اور اُمید رکھتے ہیں کہ زمانہ کی ترقی کو دیکھتے ہوئے اور اُن اعلےٰ مثالوں کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے جو بعض ہندوستانی فرمان روایان خصوصاً مہاراجگانِ کوچین و میسور نے اپنی ریاستوں میں قائم کی ہیں۔ حضورِ والا از راہِ عنایت و تلطف ہمارے اس میموریل کی طرف ہمدردانہ توجہ مبذول فرمائیں گے اور اس طرح اُس محبت اور وفاداری کے تعلق کو اور بھی مضبوط ہونے کا موقعہ عطا فرمائیں گے جو حضورِ والا اور حضورِ

والا کے ساتھ ریاست جموں و کشمیر کے مسلمانوں کو ہے۔

ہم ہیں حضورِ والا کے وفادار اور فرمانبردار رعایا

نمایندگانِ مسلمانانِ ریاست جموں و کشمیر

(۱) مولوی محمد یوسف میر واعظ کشمیر (۲) مولوی احمد اللہ میر واعظ ہمدانی

(۳) خواجہ سعد الدین شال (۴) سید حسین شاہ جلالی

(۵) خواجہ غلام احمد عشائی (۶) مستری یعقوب علی

(۷) منشی شہاب الدین (۸) شیخ عبد الحمید

(۹) چودھری غلام عباس خان (۱۰) قاضی گوہر رحمان

(۱۱) شیخ محمد عبد اللہ

ضمیمہ (ج)

زمینداران

۱۔ (الف): کشمیر کے علاقہ میں زمین داران اپنی آراضی پر حقوقِ ملکیت سے محروم ہیں۔ حالانکہ جموں میں زمین داروں کو یہ سب حقوق حاصل ہیں، کشمیر کے لوگ اپنی زمینوں کو اپنی مرضی سے بیع یا رہن نہیں کر سکتے ہیں یہ پابندی بھی عائد ہے کہ وہ توت، اخروٹ اور چنار کے درخت، جو اُن کی اپنی اراضیات میں ہوں، کاٹ نہیں سکتے اور نہ ہی اُفتادہ درختان مذکورہ کی لکڑی کو اُٹھا کر استعمال میں لا سکتے ہیں جس کی وجہ سے کشمیری زمین دار ایک مزارعہ سے بڑھ کر حیثیت نہیں رکھتا۔ کوئی وجہ نہیں کہ کشمیر کے علاقہ کے ساتھ دوسرے علاقوں سے مختلف سلوک کیا جائے! ظاہر ہے کہ صرف اس وجہ سے کہ یہ علاقہ برطانوی گورنمنٹ سے خریدا گیا ہے، ریاست کو زمینداروں کی آمدنی پر حقِ ملکیت پیدا نہیں ہو سکتا۔ اس قسم کا سودا صرف حقوقِ حکومت پر مؤثر ہو سکتا ہے، نہ کہ اُن حقوق پر بھی، جو کہ رعایا کو اپنی اراضیات پر حاصل ہوتے ہیں، کوئی حکومت لوگوں کو زمینوں کی ملکیت بیچنے کا حق نہیں رکھتی پس ہماری درخواست ہے کہ

حضور والا براہِ عنایت اپنے مراسمِ خسروانہ سے کام لیتے ہوئے اپنی زمیندار رعایا کو اُن کی زمینوں پر پورے حقوقِ ملکیت واپس عطا فرماویں۔ اس سلسلہ میں ہم یہ ایزاد کرنا چاہتے ہیں کہ یہ خیال، جس کا بعض جانب سے اظہار کیا گیا ہے کہ موجودہ طریقِ عمل خود زمین داروں کے مفاد کے لئے ہے، صحیح نہیں ہے۔ یہ عذر کہ کسی شخص کو اس کے جائز حقوق سے اس مفروضہ مقصد کی بنا پر محروم کرنا کہ اس کی زمین ساہوکار کے ہاتھ میں چلے جانے کے خطرہ سے بچائی جائے، کسی صورت میں قابلِ قبول نہیں ہو سکتا۔ ہماری رائے میں اس خطرہ کا انسداد قانونِ انتقالِ اراضی اور قانونِ حقِ شفع وغیرہ کے اجراء سے عمدگی سے ہو سکتا ہے اور ہونا چاہیئے۔ بہرحال کشمیر کے زمیندار کو پورے حقوقِ ملکیت کے عطا کئے جانے میں کوئی امر مانع نہیں ہونا چاہیئے۔

(ب) طبقۂ زمین داران کو محکمہ جات جنگلات، مال، پولیس، شکارگاہ اور ملٹری کلچر کے خلاف سخت شکایات ہیں۔ اس لئے استدعا ہے کہ اُن کی حالت کو بہتر بنانے اور موجودہ شکایات کے انسداد کے لئے ایک کمیشن جس میں غیر سرکاری منتخب شدہ عنصر شامل ہو، مقرر فرمایا جائے تاکہ زمین داروں کے متعلق تحقیقات کر کے اُن کی حالت بہتر بنانے کے لئے حضورِ والا کی خدمت میں ایک رپورٹ مرتب کر کے پیش کرے۔

(ج) رشوت ستانی عام ہے۔ اس کا زیادہ تر اثر زمینداروں پر پڑتا ہے۔ اس کو قطعاً نابود کرنے کے لئے ضروری انتظام فرمائے جائیں۔

(د) ملازم پیشہ اور دیگر اشخاص کو اراضیات بطورِ چکوک ملنے سے عام زمین داروں کی سخت حق تلفی ہو رہی ہے۔ نو توڑ شدہ اراضیات بطورِ چکوک و جاگیر دی گئی ہیں۔ وہ نو توڑ کنندہ زمین داروں کو واپس دِلائی جائیں اور آیندہ کے لئے یہ دستور بند فرمایا جاوے۔

(ہ) تاج پوشی کے مبارک موقعہ پر جو مراعات زمین داروں کو دی گئی ہیں اُن کی بعد میں غلط تعبیر کر کے ان کو باطل کر دیا گیا ہے۔ ایسی تدابیر اختیار کی جائیں کہ جن سے ایسی غلطیوں کی اصلاح ہو جائے۔

(و) کاہچرائی کا ٹیکس بہت زیادہ ہے۔ وہ اتنا ہی ہونا چاہیے جتنا ملحقہ برطانوی علاقہ میں لیا جاتا ہے!

بکروال

(الف) بکر والوں پر جو ٹیکس بکروں کے متعلق ہے وہ بہت زیادہ ہے۔ اور اُن کی مالی تباہی کا مُوجب ہو رہا ہے۔ فی بکرا دو روپیہ سات آنہ سالانہ ٹیکس ایسا ہے جو بعض اوقات بکرے کی اصلی قیمت سے بھی بڑھ جاتا ہے۔ اس ٹیکس کی اصلی غرض بھیڑوں کی نسل کو ترقی دینا ہے۔ جو اُونی کپڑے کی صنعت میں مدد ہو سکتی ہے اور اس طرح اس میں جنگلات کی حفاظت بھی مقصود ہے لیکن یہ وجوہ ایسے ٹیکس کے لئے، جو بکر والوں کے سرمایہ کو تباہ کرنے کا باعث ہو رہا ہے، جواز کا مُوجب نہیں ہو سکتا۔ جو غرض

اس ٹیکس میں مدِّ نظر ہے وہ بھیڑوں کے فارم، سرکاری امداد اور بکر والوں کی تعلیم کے ذریعہ سے پُوری کی جانی چاہیئے۔ پس ہماری درخواست ہے کہ اس ٹیکس کو بھیڑوں کے ٹیکس کے برابر یا اُس سے تھوڑا سا زیادہ کر دیا جائے۔

(ب) مُسلمان بکروال جرائم پیشہ قرار دئے گئے ہیں۔ حالاں کہ وہ ہندو قومیں جو اسی قسم کا کام کرتی ہیں، ان کو جرائم پیشہ قرار نہیں دیا گیا۔ یہ بے جا تفریق نہایت دِل آزار ہے اور ہم چاہتے ہیں کہ اس حکم کو فوراً منسوخ فرمایا جائے۔ بکر والوں میں سے جو لوگ کسی جُرم کے مرتکب ہوں، اُنہیں عام قوانینِ مُلکی کے مطابق سزا دی جا سکتی ہے!

اسلحہ جات

کشمیر کے لوگ اسلحہ رکھنے کے حق سے محروم ہیں۔ حالاں کہ قلمروِ جموں کے باشندوں پر کوئی ایسی روک نہیں ہے۔ یہ امتیاز، جس کی کوئی وجہ نہیں ہے، دُور کیا جائے۔ اسی طرح جموں اور کشمیر میں کوئی تفریق، قوانین شکار میں رعایائے ریاست کے لئے نہیں ہونی چاہیئے۔

ملٹری

ریاست کے مسلمانوں کی فوجی تعلیم کا کوئی انتظام نہیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ وہ اعلےٰ فوجی عہدوں میں اپنا حصہ لینے سے محروم ہیں۔ جموں کا مجوزہ فوجی کالج ایک ہندو وقف ہونے کی وجہ سے صرف ہندوؤں کو فائدہ پہنچاتا ہے۔ اسلئے

ضروری ہے کہ ریاست کی طرف سے ایک اعلیٰ فوجی کالج قائم کیا جائے اور صرف اُس کے پاس شدہ افسروں کو فوج کے اعلیٰ عہدوں پر مقرر فرمایا جائے۔ اس کالج میں مسلمانوں اور دوسری تمام اقوام کے حقوق کی پوری حفاظت بہ تناسب آبادی کی جائے!

کسٹم

کسٹم ڈیوٹی کا بعض حصہ، جیسا کہ اس وقت وصول کیا جاتا ہے، مُلک کی تجارت کو نقصان پہنچا رہا ہے۔ کوئی محصول ایسے مال پر، جو ریاست سے برآمد ہو، نہیں لیا جانا چاہیئے اور نہ کوئی محصول درآمد ادویات پر، یا ایسے مال پر جو کوئی شخص اپنے ساتھ یا بذریعہ ڈاک اپنی ذاتی ضروریات کے لئے لائے یا منگوائے کوئی محصول ریاست کے اصلی ساختہ مال پر نہیں لیا جانا چاہیئے۔ جب وہ مال واپس آجائے۔ خواہ باہر روانہ کرنے سے قبل افسرانِ کسٹم کو دِکھایا گیا ہو یا نہیں!

مزدور

ریاست کشمیر کے مزدوروں کی حالت سخت ابتر ہے۔ ہم درخواست کرتے ہیں کہ ایک کمیشن مزدوروں کی حالت پر غور کرنے اور اوقاتِ مزدوری اور مزدوروں کے معاملات وغیرہ کے متعلق مقرر کیا جاوے اور نیز اُس کی رپورٹ پر غور کر کے ایک قانون بن جائے جس سے مزدوروں کے جائز حقوق کی حفاظت ہو جائے۔ بیکاروں کے واسطے روزگار کے لئے ذرائع کی تلاش بھی کی جایا کرے!

تعلیم

کشمیر کے مسلمان تعلیم میں بہت پیچھے ہیں۔ بدقسمتی سے مسٹر شارپ کی رپورٹ، جو ریاست کی مسلم رعایا کے لئے مفید ہو سکتی تھی، عمل نہیں کیا گیا۔ مسلمانوں کی تعلیمی حالت کو بہتر بنانے کے لئے اس رپورٹ پر عمل کرنے کے ساتھ ساتھ مندرجہ ذیل تجاویز اختیار کی جائیں:۔

(الف) ہائی اور مڈل سکول کی تعداد میں ایزادی کی جائے اور مسلمانوں کی آبادی
کے ہر اہم مرکز پر تعلیم کے لئے موزوں انتظامات ہوں۔ اُمید کی جاتی ہے کہ اس معاملہ میں فوری احکام صادر فرمائے جائیں گے۔

(ب) اعلےٰ صنعتی تعلیم کے لئے کالج کھولے جانے چاہئیں۔ اس سلسلہ میں
سب سے پہلے سری نگر میں کالج کھولا جائے۔

(ج) مسلمانوں کی تعلیمی کمی کو پورا کرنے کے واسطے طلباء کے لئے مزید خاص
وظائف مقرر ہونے چاہئیں اور مسلم طلبا کو برٹش انڈیا اور بیرونی ممالک میں
علےٰ تعلیم کے حصول کے لئے بھجوایا جائے۔

(د) مسلمان لڑکوں کے لئے کافی تعداد میں نشستیں ٹیکنیکل اور پیشہ ورانہ
رس گاہوں میں اور سکولوں اور کالجوں کے شعبۂ سائنس میں مخصوص کی
یں!

(ہ) مسلمان لڑکیوں کی تعلیم میں یہ روک پیدا ہو رہی ہے کہ بعض زنانہ سکولوں
ہندی میں تعلیم دی جاتی ہے۔ مہربانی فرما کر یہ روک اُڑا دی جائے اور لڑکیوں
تعلیم بھی لڑکوں کی طرح اُردو میں ہو!

اعتراف

اس کتاب کی ترتیب و تسوید کے سلسلے میں شکر و سپاس کے ساتھ یہ اعتراف کرنا اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ میں نے مندرجہ ذیل کتابوں اور اخبارات سے استفادہ حاصل کیا ہے :۔

(۱) "راج ترنگنی" از کلہن
(۲) "راج ترنگنی" از جوناراج
(۳) "تاریخ کشمیر" از محمد دین فوق
(۴) "مس گورنمنٹ اِن کشمیر" از رابرٹ تھروپ
(۵) "مختصر تاریخ کشمیر" از محمد امین پنڈت
(۶) "روئدادِ تاریخ سکھاں و افغاں ۱۸۴۷ء" از سلامت علی
(۷) "لائف ہسٹری آف لیفٹیننٹ ایڈورڈ"
(۸) "بیوگرافی آف مہاراجہ گلاب سنگھ" از پنڈت سالک رام کول
(۹) "گلاب سنگھ" از راجہ رام شرما بی اے
(۱۰) "مسلمانانِ کشمیر اور ڈوگرہ راج" از ملک فضل حسین ۱۹۳۱ء
(۱۱) "تاریخ کشمیر" از صاحبزادہ حسن شاہ
(۱۲) "کشمیر کا گاندھی" از پریم ناتھ بزاز

(۱۳) مسئلہ کشمیر اور ہندو مہاسبھائی۔ ملک فضل حسین ۱۹۳۲ء
(۱۴) آزادئ کشمیر۔ مولانا محمد سعید مسعودی
(۱۵) تصویر کشمیر۔ پنڈت پرتھوی ناتھ کول
(۱۶) تحقیقاتی رپورٹ ۱۹۳۱ء
(۱۷) رپورٹ فرنچائز کمیٹی
(۱۸) گلانسی رپورٹ
(۱۹) شیر کشمیر۔ میر محمد نیاز جرنلسٹ
(۲۰) قلمی نسخہ نمبر ۸۳ فنِ تاریخ مخزونہ کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد دکن پادری رجب علی
(۲۱) "کش مکش" سوانح عمری چودھری غلام عباس مطبوعہ لاہور ۱۹۵۰ء
(۲۲) اخبار "الفضل" قادیان
(۲۳) خطبات صدارتی مسلم کانفرنس
(۲۴) روزنامہ "انقلاب" لاہور، روزنامہ "زمیندار" لاہور۔ اخبار "اسلام" سرینگر۔ اخبار "صداقت" سرینگر۔ روزنامہ "ملاپ" لاہور۔ روزنامہ "پرتاپ" لاہور۔ ہفت روزہ "ہمدرد" کشمیر۔ پریم ناتھ بزاز و مولانا مسعودی ہفت روزہ "کشمیر" راولپنڈی

کشمیر غلامی سے آزادی تک

تحریکِ حریت کشمیر کا دوسرا اور سنسنی خیز حصہ ہے
جس میں ۱۹۴۰ء سے لیکر ۱۹۵۳ء تک کے تمام
واقعات تفصیل کے ساتھ سلسلہ وار درج ہیں۔
اس وقت زیرِ ترتیب ہے اور انشاء اللہ
عن قریب قارئین کے سامنے پیش کی جائے گی۔

مینجر محافظ پبلی کیشنز
مخدوم منڈو۔ سرینگر ۲
(کشمیر)

صحت نامہ

پریس مشین کی خرابی کی وجہ سے چند صفحات میں کہیں کہیں حروف، الفاظ اور جملے شکستہ اور مسخ ہو چکے ہیں۔ براہِ کرم مفصلہ ذیل صحت نامہ کے مطابق درست فرمائیں۔

رشید تاثیر

صفحہ	سطر	مسخ شدہ عبارت	صحیح عبارت
۶	۱۰	سیرت	سپرٹ
۱۴	۱	شرں	شروع
۱۴	۱۸	لچھیر	پلچھیر
۲۴	۱۷	و	اور
۳۴	۱۸	توپ نانہ	توپ خانہ
۳۵	۱۳	لاہور۔ عطا	لاہور سے عطا ہوا۔
۴۰	۳	موت ۔ گھات ہے	موت کے گھاٹ اُتار رہے تھے۔
۴۰	۶	اعان جنگ	اعلانِ جنگ
۴۵	۶	سا۔ روع	سلسلہ شروع
۶۷	۱۱	خدم ۔ ے	خدام نے
۶۷	۱۹	مدعہ	مہاراجہ
۷۰	۳	مہاراسنگھ	مہاراجہ ہری سنگھ
۸۲	۱۹	جبری	جبری

۸۳	۴	انبار	اخبار
۸۶	۲	دعوت	دعوت نامنظور کرتے ہوئے اعلان
۸۷	۵	ناک	ناٹک
۹۹	۲۰	بھائی	بھائی نے جذبۂ اسلام
۱۰۲	۲	والنے	والے ہتھکڑیاں
۱۱۱	۱۷	جسریٹ	مجسٹریٹ
۱۱۳	۱۷	کوئی	کوئی تبدیلی
۱۱۵	۱۷	میں خد	میں خُدا
۱۱۵	۱۸	کروں کا	کروں گا
۱۲۶	۱۶	یعرالدین	نصیرالدین
۱۲۸	۱۶	زمیندار	زمیندار کو
۱۲۹	۷	بہنیں	بھنیں
۱۲۹	۱۶	پوٹ	پھُوٹ
۱۲۹	۱۸	میں	میں سوچ ہی
۱۲۹	۲۰	منشر	مُنتشر
۱۲۹	۲۰	اور	اور ۱۵ افراد شہید ہوئے اس
۱۳۰	۱۸	منسوخ	منسوخ کیا۔
۱۳۱	۳	مظلوموں	مظلوموں کی ہی خاموشی اور سکوت کی پالیسی
۱۳۱	۶	ہوتا ہے	ہوتا ہے حکمران

صفحہ	سطر	مسخ شدہ عبارت	صحیح عبارت
۱۳۱	۱۲	ہمیشہ	ہمیشہ اُس کو
۱۳۲	۱۲	چاقوں	چاقوں اور تلواروں
۱۳۲	۱۳	کونے	کونے کونے سے چھریوں
۱۳۸	۱۹	سپیشل ججوں پر	سپیشل ججوں پر مشتمل ایک
۱۴۳	۶	تب کے آگے	بُت کے آگے
"	۷	کیشمر کے	کشمیر کے رنگین
۱۴۸	۱۴	صلیت	اصلیّت
۱۶۱	۱۰	دشتیں	داشتیں
۱۶۶	۱	لکھتیں	لکھتے ہیں کہ یہ
۱۷۳	۱۰	اور اگر	اور اگر اس
۱۷۳	۱۳	کیا گیا	کیا گیا اور انہیں ایک مختصر
۱۷۶	۱۴	ہمدرد	"ہمدرد" خواجہ غلام رسول
۱۷۷	۷	بحالی اور	بحالی۔ اور غیرانسانی قسم
۱۷۷	۱۲	پہاڑی	پہاڑی علاقہ ہے جو سلسلہ
۱۸۴	۱	قمری مہینے	سیاپیرا۔ ہر قمری مہینے
۱۹۴	۱	حسوس ہوتی تھی	نحوس ہوتی تھی
۲۹۰	۹	بڑکی	بڑکی آرمی کے سیکنڈ
۲۳۸	۱	کو کے	کو قاسمیو اور طیفور کے

صفحہ	سطر	مسخ شدہ عبارت	صحیح عبارت
۳۴۴	۱		کی طرف سے عوامی نمائندے چُن کر بھیج دئے جائیں
"	۲	سنہ ئہ	سنہ ۱۹۳۷ء
"	۶	اسی سال	اسی سال قائدِ اعظم محمد علی جناح پہلی بار سیاحت کی غرض سے
"	۷	طرف	طرف سے
۳۵۴	۳	اس	اس آئین
۳۵۸	۱	کے	کے انسداد
۳۹۰	۱		غلام محمد بٹ
۴۱۴	۷	کے متعلق	کے متعلق ہے جو

طباعت :- نیو کشمیر پریس سرینگر